خانوادۂ اعلیٰ حضرت کی
پانچ عظیم شخصیات کا تذکرہ

پنج گنجِ ولایت

مؤلف
مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی
شیخ الحدیث جامعہ شمس العلوم، گھوسی، مئو، یوپی

حسب فرمائش
محترم حافظ و قاری ڈاکٹر شفیق اجمل صاحب
ریوڑی تالاب، بنارس، یوپی

ناشر
بیت الحکمت
کریم الدین پور گھوسی مئو یوپی

وارثِ علومِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

نبیرۂ حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ جانشین مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ

جگر گوشۂ مفسرِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام والمسلمین قاضی القضاۃ تاج الشریعہ

مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری رحمۃ اللہ علیہ

اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے دیگر علمائے کرام

کی تصنیفات اور حیات و خدمات کے مطالعہ

کے لئے وزٹ کریں

www.muftiakhtarrazakhan.com

/muftiakhtarrazakhan1011/

/muftiakhtarraza

+92 334 3247192

تاج الشریعہ فاؤنڈیشن

www.muftiakhtarrazakhan.com

سلسلہ بیت الحکمت نمبر ۳۲

کتاب	:	پنج گنج ولایت
مولف	:	مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی ایم۔اے، ایم۔ٹی۔ایچ، پی۔ایچ۔ڈی شیخ الحدیث جامعہ شمس العلوم، گھوسی، مئو، یوپی
حسب فرمائش	:	محترم حافظ و قاری ڈاکٹر شفیق اجمل صاحب ریوڑی تالاب، بنارس، یوپی
عکس تمنا	:	مولانا اشتیاق احمد اعظمی صاحب
پروف ریڈنگ	:	مولوی محمد احسان شمسی، مولوی محمد عاصم شمسی مولوی محمد جمال احمد مصباحی
سن اشاعت	:	محرم الحرام ۱۴۴۱ھ/ستمبر ۲۰۱۹ء
صفحات	:	۲۸۸
قیمت	:	دعائے خیر
ناشر	:	بیت الحکمت، کریم الدین پور گھوسی، مئو، یوپی

ملنے کے پتے

کمال بک ڈپو متصل جامعہ شمس العلوم گھوسی، مئو، یو۔پی

حق اکیڈمی مبارکپور، اعظم گڈھ

انوار بک ڈپو، گھوسی، مئو یوپی

www.muftiakhtarrazakhan.com

شرف انتساب

مرشد اجازت، اشرف الفقہا، مفتی اعظم مہاراشٹر، خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند

حضرت علامہ مفتی محمد مجیب اشرف رضوی مدظلہ العالی

بانی دارالعلوم امجدیہ ناگ پور مہاراشٹر

کے نام

نصرت خداوندی ہم عناں مجیب اشرف
راہ حق میں منزل کا، ہیں نشاں مجیب اشرف

خالق دوعالم ہے مہرباں مجیب اشرف
آپ کو جو حاصل ہے عزوشاں مجیب اشرف

جس طرف نظر جائے آسمان حکمت پر
رشک ماہ وانجم ہیں ضوفشاں مجیب اشرف

مفتیٔ زمانہ ہیں تاجدار فکر و فن
ملک علم و دانش کے حکمراں مجیب اشرف

علم وفضل وحکمت کا بے کراں سمندر ہیں
جانے کس قدر گوہر، ہیں نہاں مجیب اشرف

بے شمار پھولوں میں بھر دی علم کی خوشبو
گلشن شریعت کے پاسباں مجیب اشرف

کررہے ہیں جو خدمت جان ودل سے ملت کی
کیوں نہ اہل سنت ہوں قدرداں مجیب اشرف

آپ کی قیادت میں کاروان اہل حق
بے خطر سوئے منزل ہے رواں مجیب اشرف

سلف صالحین کا اک آئینہ مصفّٰی ہیں
سیرت مبارک سے ہے عیاں مجیب اشرف

کیا بیاں کرے کوئی ہر زباں پہ ہے عاصمؔ
اسم بامسمّٰی ہیں بے گماں مجیب اشرف

محمد عاصم اعظمی

فہرست

پیش گفتار	8	شریعت وطریقت	99
مقدمہ	10	علم	100
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں	61	کشف ومکاشفہ	100
نام ونسب	61	ریاضت ومجاہدہ	102
ولادت	61	ذکر اللہ	103
تعلیم وتربیت	61	اخلاص	104
علم وفضل	63	توکل وقناعت	105
تدریس	68	قلب کی حفاظت	107
قرآن وتفسیر	69	محبت اور عشق	110
علم حدیث	70	توبہ ورجوع الی اللہ	111
فقہ	76	بیعت وارشاد	112
عقائد وکلام	80	مسند ارشاد اور خلفا	117
شاعری	82	مکارم ومحاسن اخلاق	119
فارسی شاعری	86	ایمان ویقین	119
تصانیف	92	عشق رسول	121
روحانیت وتصوف	95	زہد وتقوی	122
مسائل تصوف وسلوک	97	امرا اور ان کے نذرانوں سے پرہیز	123
وحدۃ الوجود	97	تواضع اور محاسبہ نفس	124
مقام مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا	98	اخلاص عمل	125

www.muftiakhtarrazakhan.com

تجدید واصلاح	125	عربی زبان وادب میں مہارت	152
وصال	127	عربی شاعری	153
حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں	129	فارسی شعروادب	155
ولادت باسعادت	129	اردو شاعری	155
تعلیم وتربیت	130	تصوف وسلوک	158
بیعت وخلافت	132	سلسلہ برکاتیہ کا فروغ	158
میری طرف سے مولانا حامد رضا مرید کریں	134	مرشدان طریقت سے عقیدت	160
		مستجاب الدعوات شخصیت	161
فقہ	137	زبان کی تاثیر وبرکت	161
افتا	138	شمائل وخصائل	162
بارگاہ اعلیٰ حضرت تربیت گاہ حجۃ الاسلام	141	رخ زیبا	162
		حسن سیرت اور فضل وکمال	163
دنیا سے بے نیازی	141	زہد وتقوی	164
تحریکی وتنظیمی سرگرمیاں	142	تواضع وانکساری	164
آل انڈیا سنی کانفرنس اور حجۃ الاسلام	144	آپ نمونہ اسلاف تھے	167
مسجد شہید گنج لاہور اور حجۃ الاسلام	144	حجۃ الاسلام کا تصلب فی الدین	168
تحریک ترک موالات اور حجۃ الاسلام	145	حجۃ الاسلام کا عشق رسول	169
تحریک خلافت اور حجۃ الاسلام	145	اوراد ووظائف سے شغف	169
علم وفضل	146	وصال شریف	171
حجۃ الاسلام اور علمی خدمات	147	**مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں**	173
تصنیف وتالیف	148	ولادت	175

بشارت	175	مسند بیعت وارشاد	208
بیعت وخلافت	176	وصال	211
تعلیم وتربیت	177	**مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خاں**	213
تدریس	178	تعلیم	214
تلامذہ	179	عقد نکاح	215
مسند افتا	179	اعلان نیابت وجانشینی	217
مسئلہ مسجد شہید گنج لاہور	181	سجادگی	218
نس بندی کا مسئلہ	182	فراغت کے بعد مصروفیات	218
تنظیمی وتبلیغی سرگرمیاں	183	حضرت جیلانی میاں مسند ارشاد پر	219
شدھی تحریک	183		
عظمت کردار	185	حضور مفسر اعظم بحیثیت مرشد کامل	221
امر بالمعروف ونہی عن المنکر	187	مفسر اعظم	222
غیرت ایمانی اور جرأت حق	189	بعض کشف وکرامت	225
خدمت خلق	190	تقسیم ہند	228
ایک اور واقعہ	197	سیاست میں لانے کی آخری کوشش	231
عشق رسول	199		
علم وفضل	202	دار العلوم منظر اسلام کا اہتمام	231
فقہی بصیرت	202	حضرت جیلانی میاں بحیثیت مہتمم	233
تصانیف	204	حج وزیارت حرمین شریفین	235
روحانیت	205	حضور مفسر اعظم اور ذوق شعری	237
عرفانی شخصیت	207	تصانیف مفسر اعظم	238

ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا اجرا	239
مشہور تلامذہ	239
مشاہیر خلفا	241
عادات کریمہ	240
وفات سے پہلے	241
وصال پر ملال	243
قطعہ تاریخ وصال	245
تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں	246
ولادت	246
نام ونسب	246
تعلیم	247
والد کا وصال	249
اساتذہ کرام	250
مسند تدریس	251
تلامذہ	251
تبحر علمی	252
تفقہ اور فتوی نویسی	253
نس بندی کا مسئلہ	255
خون کے عطیہ کا مسئلہ	257
لیزر ہیئر ٹرانسپلانٹ کا مسئلہ	258
کوموڈٹی مارکیٹ کا مسئلہ	258
خاندانی منصوبہ بندی کا مسئلہ	260
بینک یا ڈاکخانہ سے ملنے والے انٹرسٹ کا مسئلہ	261
حدیث	261
اسماء الرجال وجرح وتعدیل	265
شاعری	269
اخلاق	271
حق گوئی	274
حکومتی عہدہ سے استعفا	274
مسند ارشاد	275
مشاہیر خلفا	278
زیارت حرمین شریفین	278
تاج الشریعہ کے معمولات	279
بیرونی ممالک کے تبلیغی دورے	280
دورہ مصر وشام ۲۰۰۹ء	281
تصنیف وتالیف	285
وصال	287

www.muftiakhtarrazakhan.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش گفتار

محمد بن قاسم ثقفی کی فتوحات سندھ سے لے کر آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر ثانی ۱۸۵۷ء تک سرزمین ہند میں ہزاروں علمی و دینی خانوادے آسمان علم وفضل کی زینت بنے اور لاکھوں علمائے کرام نے ہندو بیرون ہند کو اپنی علمی وروحانی تجلیات سے روشن ومنور کیا۔ برصغیر ہند کی علمی وفنی تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ ہزاروں علمی خانوادوں میں علمی روایت دو چار پشتوں تک قائم رہی، اس کے بعد علمی بساط پر ان کی انجمن آرائی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ مگر چند ہی خانوادے صدیوں تک اپنی علمی روایات کے امین و پاسدار رہے، ان ہی موقر علمی خانوادوں میں خاندان امام احمد رضا رضی اللہ عنہ بھی ہے، کہ تقریباً ڈھائی سو سال سے اس خاندان میں پاکیزہ علمی وروحانی روایت اب تک پوری شان کے ساتھ باقی ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ بھی باقی رہے گی۔ اس عظیم خاندان کا ہر ہر فرد علم دین اور سنیت کا پرچم لہرا رہا ہے اور مستقبل میں بھی لہراتا رہے گا۔

اس خاندان کے علما نے علوم اسلامیہ کی تدریس کے ساتھ فقہ وافتا کی مسند کو رونق بخشی، رشد وہدایت کی قلم رو میں نمایاں کارنامے انجام دیے، اپنی تصنیف وتالیف سے علمی خزانے میں بیش بہا اضافے کیے، احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ پوری قوت کے ساتھ انجام دیا، ضرورت اس امر کی ہے کہ اس عظیم علمی وروحانی خاندان کی مکمل تاریخ پیش کی جائے، جس کے اندر ان مقتدر شخصیات کی حیات وخدمات، ان کے کارناموں کا پس منظر، ان بزرگوں کی علمی وادبی، تحقیقی، تبلیغی وروحانی خدمات کا شاندار مرقع لوگوں کے سامنے آجائے۔

اسی نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے ناچیز ہیچ مداں نے ''پنج گنج ولایت'' ترتیب دی، جس میں امام اہل سنت، مجدد دین وملت، اعلیٰ حضرت علامہ مفتی احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ سے لے کر تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان تک صرف پانچ قد آور، ممتاز علمی وفقہی شخصیات کا مختصراً تعارف پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ جب کہ ان عظیم ہستیوں کے علاوہ اور سیکڑوں اہم علما وفضلا اور مرشدین کے ترجمے باقی رہ گئے ہیں، اے کاش! ان شخصیتوں کا مربوط تذکرہ منصۂ شہود پر آجائے تو خانوادہ امام احمد رضا کی علمی ودینی سرگرمیوں کی معتبر دستاویز صحیح العقیدہ سنی مسلمانوں کے ہاتھوں کی زینت بن جائے۔

ناچیز نے بے مائیگی علم اور انتہائی محدود مطالعہ کی روشنی میں خانوادہ اعلیٰ حضرت کی علمی

www.muftiakhtarrazakhan.com

و دینی خدمات پر مشتمل یہ کتاب تالیف کی ہے، اس لیے ان عبقری علما کی حیات و خدمات کے تمام گوشوں کا احاطہ نہ ہوسکا، امام احمد رضا صدی کی تقریبات میں ''پنج گنج ولایت'' لے کر حاضر ہوا ہوں، خانوادہ امام احمد رضا کی حیات و خدمات پر وقیع تحقیقی رشحات قلم پیش کرنے والے قدآور علما و مصنفین کی صف میں سب سے حقیر فرد ہوں، مگر اس امید پر کہ خریداران یوسف کی فہرست میں اس کا نام بھی آجائے، جو ابدی سعادت کی ضمانت بن جائے اور یہ حقیر غلامان امام احمد رضا کے زمرے میں شامل ہوجائے۔ **السعی منی و الاتمام من اللہ۔**

کتاب کی تالیف کے دوران محبّ گرامی حضرت علامہ محمد عبدالمبین نعمانی مدظلہ العالی اور عزیز گرامی وقار حضرت مولانا مرغوب حسن قادری زیدہ مجدہ کے مفید مشورے میری حوصلہ افزائی کرتے رہے، ان کا دل کی گہرائی سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اگرچہ میرے قلمی منصوبوں میں یہ کام بہت دنوں سے تھا، مگر مواد کی کم یابی اور اپنی علمی بے بضاعتی کے سبب قدم آگے بڑھانے میں قدرے تامل تھا، مگر عزیزی مولانا اشتیاق احمد اعظمی، عزیزی مولانا حسان رضا قادری شمسی استاذ جامعہ حنفیہ غوثیہ بجرڈیہہ بنارس اور دیگر عزیز تلامذہ کی خواہش کی تکمیل کے لیے قرطاس و قلم ہاتھ میں لیا اور پنج گنج ولایت تکمیل کے مرحلے میں داخل ہوئی۔

کتاب کی طباعت و اشاعت ایک دشوار امر تھا، مگر یہ مشکل بھی حل ہوگئی، خلیفہ تاج الشریعہ محبّ گرامی وقار عالی جناب ڈاکٹر شفیق اجمل صاحب نے جو خود بھی رضویات کے سنجیدہ اسکالر ہیں، کتاب کی طباعت و اشاعت کا بھاری بوجھ اپنے ذمہ لیا، موصوف صد ہزار سپاس و شکر کے مستحق ہیں۔ دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خانوادہ امام احمد رضا کے وسیلہ سے موصوف کی علمی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ دین و دنیا کی فلاح و کامرانی ارزانی فرمائے۔ آمین

عزیزی مولوی نعیم الاسلام شمسی، عزیزی مولوی محمد احسان شمسی، عزیزی مولوی محمد عاصم شمسی اور عزیزی مولوی جمال احمد مصباحی نے کتاب کی ترتیب اور پروف ریڈنگ میں تعاون کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور سعادت دارین سے مالا مال کرے۔ آمین

محمد عاصم اعظمی

بیت الحکمت کریم الدین پور گھوسی مئو

۷/ ذی قعدہ ۱۴۴۰ھ/ ۱۱ جولائی ۲۰۱۹ء بروز جمعرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

افغان دنیا کی انتہائی بہادر، خوددار قوم ہے، اس کی شجاعت و بسالت ضرب المثل اور اس کی قومی غیرت وحمیت بے نظیر زمانہ ہے۔ پہاڑوں اور وادیوں میں رہنے والی یہ قوم تلوار کی دھنی، قول و کردار کی پکی، بے لوث، پر جوش اور آزادی پسند قوم ہے۔ پندرہ سولہ سو سالوں سے یہ قوم افغانستان کی سرزمین پر اپنی دلیری اور بہادری کی روایت قائم کیے ہوئے ہے۔ اس نڈر، بے باک اور جری قوم نے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کے سامنے سر نہیں جھکایا اور نہ ان کی غلامی کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالا۔ قبائلی اور خاندانی رقابتوں اور باہمی اختلاف وخصومت کے باوجود وہ اس نقطہ نظر پر ہمیشہ متحد رہی کہ غیر قومیں جب ان پر حملہ آور ہوئیں، تو ان کا دفاع ایک ہو کر کیا اور غیروں کی اپنے ملک میں مداخلت ہرگز گوارا نہ کی۔

گزشتہ صدی کے آغاز واختتام میں برطانیہ اور روس نے افغانستان پر حملہ کر کے ان کو اپنا مطیع بنانا چاہا، مگر دنیا کے ان دونوں عظیم اور طاقت ور ملکوں کو منہ کی کھانی پڑی۔

افاغنہ کا نسب ونسل : افاغنہ کے نسب اور ان کی نسل کے متعلق تاریخوں میں بڑا اختلاف ہے، کسی نے ان کو دیونژاد اور کسی نے فرعونی قبطی قوم سے منسوب کیا ہے، بعض مؤرخوں نے ارمنی، بعض نے جارجین اور کاکیشن سے ان کا تعلق بتایا ہے، بی ایس گوہا کے بیان کے مطابق افغان قبائل نسلاً ایک دوسرے سے مختلف ہیں، یہ باجوڑ کے پٹھان چترال کلشوں سے بہت قریبی رشتہ رکھتے ہیں اور عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ افغان بحیرہ روم کی لمبی کھوپڑی والی نسل کی ایرانی افغانی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔

قسمات العالم الاسلامی المعاصر کے مصنف نے لکھا ہے کہ افغان حضرت یعقوب کے پوتوں میں سے ایک ہے، آل یعقوب یعنی اسرائیلیوں پر جب افتاد پڑی تو افغان نے اپنے چالیس لڑکوں کے ہمراہ اپنے وطن مصر کی جانب ہجرت کی اور آخر میں ان لوگوں نے اپنا

مستقر اس سرزمین کو بنایا، جس کو عبر القرون کے نام سے تاریخوں میں جانا جاتا ہے، سیاحوں اور جغرافیہ دانوں نے ان افغانوں کو جنہوں نے ایرانی علاقوں یعنی خراسان وغیرہ میں سکونت اختیار کی تھی ''آریانا'' کے نام سے یاد کیا ہے۔

(ص ۲۴۳، مطبوعہ دار الفتح بیروت طبع اول ۱۹۷۴ء)

نسب افاغنہ کے فاضل مصنف محمد عبد السلام خاں نے مؤرخوں اور محققوں کی اس طرح کے آرا پر نقد و جرح کر کے متعدد بنیادی شہادتوں کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ افغانی قوم کا تعلق بنی اسرائیل کے گم شدہ اسباط سے ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ بنی اسرائیل کی بارہ قوموں میں دس کو گرفتار کر کے بخت نصر نے ملک مجوس (فارس) بھیج دیا تھا، موجودہ یہود بنی اسرائیل کی ان دونوں قوموں کی اولادیں ہیں، جو جلا وطنی سے رہ گئی تھیں، بقیہ دس منتشر قومیں دنیا کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئیں اور اہل افغانستان و کشمیر انہیں دس ملک بدر قوموں کی نسل سے ہیں، جس کی متعدد شہادتیں انہوں نے نقل کی ہیں۔

۱۔ متفقا افغان کا یہ دعوی ہے کہ وہ بنی اسرائیل اور اسباط گم شدہ میں سے ہیں اور ان کے مشہور خاندانوں کے پاس نسب نامے موجود بھی ہیں، اس لیے ان کا دعوی قابل لحاظ ہے، کیوں کہ افاغنہ کے سوا کوئی اور دوسری قوم اس کی مدعی نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ بھی تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ قوم بنی اسرائیل قید کر کے فارس (ایران) بھیجی گئی تھی، اس لیے مشرق کی طرف بڑھ کر ان کا افغانستان و کشمیر میں آباد ہو جانا بعید نہیں ہے۔

۲۔ ظاہری خدوخال سے بھی ان کے اسرائیلی ہونے کا ثبوت بہم پہنچتا ہے، کشمیریوں اور افغانیوں کی ظاہری شکل و شباہت یہودیوں (اسرائیلیوں) سے کافی مشابہ ہے، جب کہ ان کے پڑوسی چینی اور ہندوستانی بھی ہیں، لیکن دونوں کی شباہتوں میں بعد المشرقین ہے۔

ان دو بڑی شہادتوں کے علاوہ ان کے گزشتہ رسم و رواج، اخلاق و عادات خصوصاً اسما سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ نسلا اسرائیلی ہیں، چنانچہ ان کے پہاڑوں اور دریاؤں کے نام بزرگان بنی اسرائیل کے نام پر رکھے گئے ہیں، موسی خیل، تخت سلیمانی، کوہ مری، کوہ سلیماں

وغیرہ، بعض مشہور محققوں کی رائیں بھی ان کے اسرائیلی ہونے کو ظاہر کرتی ہیں، مسٹر نامس لاہوک کے ایک مضمون سے افغانوں کے اسرائیلی ہونے کی تائید ہوتی ہے، جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہودیوں کی بعض رسوم کا اثر افغانوں پر ہے، مثلاً عید فسخ وغیرہ افغانوں کے یہاں یہ روایت ملتی ہے کہ ان کا اصل ملک شام ہے، بخت نصر انہیں قید کر کے فارس لے آیا اور اپنے علاقوں میں آباد کیا، اس نے افغانوں کے اسرائیلی اور اسباط گم شدہ ہونے کی اور بھی متعدد شہادتیں انگریزی اور فارسی مؤرخین کی کتابوں کے حوالے سے پیش کی ہیں، جو ان کے اسرائیلی ہونے کا ناقابل انکار ثبوت ہے۔

افغانی قوم کا سلسلہ نسب کہاں پہنچتا ہے؟ ان کے آباواجداد کون ہیں؟ اور وہ افغانستان میں کیسے آباد ہوئے؟ اخبار الصنادید میں مولوی نجم الغنی رامپوری لکھتے ہیں:

مخزن افغانی میں جو ۱۰۳۰ھ میں تالیف ہوئی ہے اس طرح لکھا ہے کہ حضرت یعقوب اسرائیل کے بارہ فرزندوں میں سے یہودا پسر کلاں سے افغانوں کی نسل چلتی ہے اور یہودا کی پانچویں پشت میں ساؤل ملقب بہ طالوت بادشاہ بنی اسرائیل پیدا ہوا، جو حضرت مسیح کے وجود سے ۱۰۹۵ر برس پیشتر حضرت شمویل نبی کے فرمانے سے بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا تھا۔ پٹھان اس کو اپنا مورث اعلیٰ کہتے ہیں۔ ساؤل طالوت نے گناہوں سے توبہ کر کے سلطنت حضرت داؤد کے سپرد کی اور کفار سے جنگ وشہادت کا ارادہ کیا اور حضرت داؤد کو وصیت کی، کہ میری دو زوجہ حرم میں حمل دار ہیں اور ان سے دو بیٹے پیدا ہوں گے، جن کے نتائج اور ان کی اولاد کی شجاعت تا قیامت صفحہ روزگار پر یادگار رہے گی اور کثرت تعداد میں ان کی ذریات سب قوموں سے زیادہ ہوگی، طالوت تو کفار کے ہاتھ سے شہید ہو گئے، ان کی دونوں زوجہ سے دو بیٹے پیدا ہوئے، حضرت داؤد نے ایک کا نام ارخیا اور دوسرے کا ارمیا رکھا، ان دو بھائیوں کے بھی دو فرزند اولوالعزم پیدا ہوئے، ارخیا نے اپنے فرزند کا نام آصف اور ارمیا نے اپنے بیٹے کا نام افغان رکھا۔ حضرت داؤد نے آصف کو اس کے باپ کی جگہ وزیر کیا اور افغان کو اس کے باپ کی جگہ فوج کی سپہ سالاری دی۔ بیت المقدس کی تعمیر افغان ہی کے اہتمام سے ہوئی، جس نے اس کی تعمیر کو حضرت سلیمان کی حیات میں اور ان کی وفات

کے بعد دیووں سے پورا کرایا اور زبان پشتو اس وقت دیووں نے افغان کو سکھائی، افغان کے چالیس بیٹے پیدا ہوئے اور ان کی اولاد اتنی کثیر ہوئی کہ ربع مسکون کا کوئی قبیلہ ان کے برابر نہ تھا، مدت کے بعد جب بخت نصر نے بیت المقدس پر یورش کر کے خرابی پیدا کی اور بنی اسرائیل کو جلاوطن کر دیا، تب آصف اور افغان کی اولاد کے قبیلے اکثر کوہ غور اور کوہ فیروزہ اور جبال خراسان میں آ کر آباد ہوئے اور بعضے عرب میں جا بسے۔

افغان اپنے باپ اور داداؤں سے زمانہ قدیم سے یہ سنتے آئے ہیں کہ دراصل وہ اسرائیلی ہیں، جیسا کہ کتاب مخزن افغانی میں مفصل لکھا ہے تو اس امر میں کچھ بھی شک وشبہ نہیں رہتا کہ یہ لوگ انہی دس قوموں میں سے ہیں جو مشرق میں ناپید انشان بتلائی جاتی ہیں اور ان ہی اسرائیلیوں میں سے کشمیری بھی ہیں، جو اپنی شکل اور پیرایہ میں افغانوں سے بہت کچھ ملتے ہیں اور تاریخ بریز میں کئی اور انگریزوں کے حوالے سے ان کی نسبت کا بھی ثبوت دیا ہے کہ وہ اسرائیلی الاصل ہیں اور ایسے امر کی بحث کے وقت جس کو ایک قوم پشت بہ پشت اپنے خاندان اور نسب کی نسبت تسلیم کرتی چلی آئی ہو یہ بالکل نامناسب ہے کہ ہم چند بیہودہ قیاسوں کو ہاتھ میں لے کر ان کے مسلمات کو رد کر دیں۔ اگر ایسا کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں کوئی قوم بھی اپنی صحت قومیت کو ثابت نہیں کر سکتی، ہمیں اس بات کو اول درجے کی دلیل قرار دینا چاہیے کہ ایک قوم باوجود ہزاروں اور لاکھوں اپنی افراد کے پھر ایک بات پر متفق ہو، پھر جب کہ افغانان کابل اور قندھار اور ہندوستان وغیرہ سرحدی زمینوں کے اپنے تئیں اسرائیلی ظاہر کرتے ہیں، تو سخت بے وقوفی ہوگی کہ خواہ نخواہ ان کے مسلمات قدیمہ سے انکار کیا جائے۔

زمانہ ماضی میں اسرائیلی قوم نے جب سے نبیوں کی تکذیب وقتل کا سلسلہ شروع کیا، اس وقت سے ہمیشہ ذلیل وخوار رہی اور تاریخ شاہد ہے اپنی بداعمالیوں کے سبب راندہ درگاہ ہوئی اور ذلت ومسکنت ان کے اوپر مسلط کر دی گئی، افاغنہ کا نسبی ونسلی رشتہ گو کہ اسرائیلیوں سے ملتا ہے، تاہم افاغنہ نے اپنی خو اور روش بدل ڈالی اور جغرافیائی اور علاقائی لگاؤ اور علاحدگی کے سبب اسرائیلیوں اور یہودیوں کے ذاتی خصائص واوصاف بھی ان سے الگ

ہوگئے اوران کے اندر مذہبی جوش وعقیدت، صلح وآشتی اور ایمان وحسن اخلاق کی برکتیں در آئیں اور خود کوانہوں نے جرأت وہمت اور نئے عزم وحوصلہ کے زیور سے آراستہ کیا اور آج وہ صفحۂ ہستی پر ایک جرأت منداور بہادر مسلم قوم کی حیثیت سے موجود ہیں، مذہب اسلام سے اس کو حد درجہ لگاؤ ہے، اپنی اسی خوبی کے سبب وہ اسرائیلی اور مسیحی تہذیب کے لیے چیلنج بنے ہوئے ہیں۔

قبل اسلام قوم افاغنہ کی مذہبی حالت : افغانستان میں بدھ مذہب اور زردشتی مذہب کے آثار قدیمہ کابل اور بلخ میں دستیاب ہوئے ہیں، تاہم قوم افغان کے متعلق اس امر کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا، کہ اس کا تعلق کسی مذہب سے رہا ہو، البتہ خود افغانوں کا یہ بیان قابل لحاظ ہے، کہ وہ موسوی شریعت کے پابند تھے، ان کے بعض مراسم مذہبی سے بھی اس دعوی کی تائید ہوتی ہے، یہ صحیح ہے کہ بدھ مت اور آتش پرستی کے متعدد آثار بلخ اور کابل میں ہیں، تاہم افغانستان کے جنوب ومغرب میں جو افغان قوم کا اصل مرکز ہے، وہ ان مذاہب کے آثار ونشانات سے خالی ہے، اس سے معلوم ہوا، کہ افغانوں پر نہ ان دونوں مذاہب کے اثرات مرتب ہوئے اور نہ انہوں نے کبھی (اسلام سے قبل) اپنے آبائی دین کے سوا کسی اور مذہب کو اپنایا۔

بعض تذکروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ افغانوں کے پڑوس میں زردشتی مذہب شائع وذائع ہو چکا تھا، تاہم اس سے افغانوں کی قبولیت مذہب آتش پرستی کا ثبوت تو بہم نہیں پہنچتا۔

اس بات کی شہادتیں تاریخوں میں ملتی ہیں، کہ افغانوں کے قبضہ میں عبرانی زبان کی توریت اور موسوی مذہب کی ادعیہ تھیں اور یہی ان کے قدیم مذہب کی نشانیاں ہیں۔

افغانوں کے متعلق یہ واقعہ درجہ استناد کو پہنچا ہوا ہے، کہ نادر شاہ جب ہندوستان کی تسخیر کے ارادہ سے پشاور میں داخل ہوا، تو اس زمانہ میں یوسف زئی سرداروں نے اس کے سامنے بہت سے مکتوبات ادعیہ اور کتاب مقدس کا عبرانی زبان میں نسخہ ہدیتاً پیش کیا، جنہیں افغانوں نے بڑی عزت واحترام سے سنبھال کر رکھا تھا اور اس کے ساتھ تمام پادریوں نے ان مکتوبات کو دین عیسوی کے مطابق تسلیم کیا۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

افغانوں کے غیر مذہب کی عدم قبولیت کے متعلق محمد عبدالسلام صاحب لکھتے ہیں کہ مؤرخوں اور سیاحوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ افغان یہود کے مراسم کے علاوہ کسی اور مذہب کے پابند نہیں تھے، ان کے پاس کتب ادعیہ موسوی بھی تھیں، جن کا جاہل ہونے کے باوجود وہ حد درجہ احترام کرتے تھے، ان تمام شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ افغان شریعت موسوی کے پابند تھے۔

افغانوں کا حلقہ بگوش اسلام ہونا: ساتویں صدی عیسوی میں جب آفتاب اسلام روم وفارس پر ضیاپاشی کررہا تھا، اس وقت افغانستان دو مذہبوں اور ریاستوں کے زیر اثر تھا، اس کے مغربی حصے سجستان، ہرات اور ان کے ملحقات پر ایرانی، ساسانیوں کا سیاسی، ادبی اور مذہبی اقتدار قائم تھا اور یہ لوگ زردشتی مذہب کے پیرو تھے اور مشرقی حصے میں کابل سے قندھار تک بودھ اور برہمنی مذہب رائج تھے، ۶۵۷ء میں گندھار (قندھار) لمیا (لغما) نگرہار (ننگرہار) پر آریائی کشتری خانوادوں کی حکومت تھی، ان کشتری سلاطین کا دائرہ اقتدار ٹیکسلا موجودہ ہنڈ (علاقہ صوالی) یعنی دریائے اٹک کے مغربی کنارے سے کابل، رخج، بست اور سیستان تک دراز تھا، اس کے علاوہ بعض ہیاطلی (یفتلی) سردار پہاڑی دروں پر قابض تھے، لیکن عربوں کا مقابلہ اریان کابلی برہمن شاہوں نے کیا، جنہیں مقامی بادشاہوں کی آخری کڑی کہہ سکتے ہیں، یہ خاندان یہاں قبل اسلام سے ۴۱۲ھ تک موجود رہا، چنانچہ جب مسلمانوں نے افغانستان کے مشرقی حصوں پر اسلام کا پرچم لہرایا، تو اس وقت اس کا دارالحکومت گردیز اور کابل سے روہنڈ (ویہنڈ) منتقل ہوگیا، ظہور اسلام کے وقت سلطنت افغانستان قبائلی سرداروں میں منقسم تھی اور یہاں پشتو، پہلوی، مغولی نیز سنسکرت کے بھجن اور پراکرتیں رائج تھیں اور مشرق میں بدھ مت و برہمن مت اور شیودھرم کے ماننے والے اور مغرب میں آتش پرست تھے، مختصر یہ کہ اس زمانے میں سرزمین افغانستان یونانی، ہندی، مغل اور ایرانی اقدار کے ایک مخلوط تمدن سے آشنا تھی، تاہم قوم افاغنہ جو کوہستان سلیمان، ہندوکش وغور کے پہاڑوں میں آباد تھی، ان مذہبوں اور تہذیبوں سے خاطر خواہ یا قابل ذکر اثر پذیری سے محروم تھی۔

قیسیوں کا قبول اسلام : ظہور اسلام کے وقت افغانوں کے دو بڑے قبائل قیسی اور غوری تھے، قیسی گروہ میں افغانستان کی تقریباً پوری قوم افاغنہ داخل ہے، درانی، غلزئی اور یوسف زئی وغیرہ تمام قبائل اسی زمرے میں آتے ہیں، قیسی اور غوری قبائل کی قبولیت اسلام میں مؤرخین کے مابین اختلاف ہے، بعض کے نزدیک دونوں قبائل ایک ہی وقت میں مسلمان ہوئے اور بعض نے دونوں کے مختلف اوقات میں اسلام لانے کا ذکر کیا ہے۔

قیسیوں کی اپنی روایت کے بہ موجب وہ آغاز اسلام یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، افغانوں میں یہ روایت مشہور ہے کہ ان کے مشترک مورث اعلیٰ عبدالرشید نے جو شاہ طالوت یا ساؤل کے ایک پوتے افاغنہ کی نسل سے تھے، حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، سرجان مالکم نے ان کے اسلام کے متعلق جو حالات تحریر کیے ہیں، ان سے بھی اوائل اسلام ہی میں مسلمان ہونے کا ثبوت ملتا ہے، اس کا خلاصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

یہود ان عرب اور افغانوں میں جب مراسلات کا سلسلہ شروع ہوا، تو انہیں معلوم ہوا کہ عرب کے یہودیوں نے مذہب اسلام قبول کر لیا ہے، اس زمانہ میں خالد نام کے ایک شخص نے افغانوں کو بھی خط لکھ کر اس دین کی دعوت دی تو جو بعض افغان امرا عرب گئے، ان میں ایک کا نام قیس تھا، قیس کا شجرہ نسب ۴۷/رویں واسطے سے اسباط اور ۵۵/رویں واسطے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے، خالد ان کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور ملک بوئے ارزانی کے لقب سے ملقب کیا، اس کے بعد قیس اپنے ملک واپس چلے آئے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعائے خیر کی۔

ملا عبدالسلام صاحب کی بھی یہی رائے ہے کہ قیس قبیلہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں مذہب اسلام سے وابستہ ہو چکا تھا، لکھتے ہیں کہ ۷/ہجری میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلاطین کے نام دعوت اسلامی کے خطوط بھیجے اور بالخصوص شاہ ایران کو اس سال خط لکھے، جیسا کہ اس قوم کی روایت ہے کہ ہم کو گروہ بنی اسرائیل (یہود ان عرب) سے اسلام کی اطلاع ملی تھی، غرض یہ کہ امرائے افغان مدینہ جا کر مسلمان ہوئے،

www.muftiakhtarrazakhan.com

آ گے مخزن افغانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ۹ھ میں قیس عبدالرشید مسلمان ہوئے۔

غوریوں کا قبول اسلام : اہل غور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ خلافت میں مسلمان ہوئے، طبقات ناصری کے مصنف نے لکھا ہے کہ غوریوں کے سردار شنسب حضرت علی کے ہاتھ پر ان کے دور حکومت میں مشرف بہ اسلام ہوئے، لیکن مصنف نسب افاغنہ نے نسب حیات افغانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ غوری وقیسی دونوں قبیلے ایک ساتھ اسلام لائے اور چوں کہ قیسی قبیلہ کا بالاتفاق حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہونا ثابت ہے، اس لیے ممکن ہے کہ غوری قبیلہ بھی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اسلام لایا ہو، کیوں کہ آخوند درویزہ کی روایت کے مطابق افغانوں کے ۷۰/سرداروں نے یک لخت مدینے جا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد اپنے اپنے الوس میں تمام سرداروں نے اشاعت اسلام کی کوششیں کیں۔

عہد فاروقی : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے ایران کی قدیم شہنشاہیت کا خاتمہ کیا، تو وہاں کے فرماں روا یزدگرد نے جلولا اور نہاوند کی لڑائیوں میں شکست کھانے کے بعد خراسان اور بلخ کا رخ کیا، لیکن وہاں بھی اس کو مدد نہ ملی تو افغانستان کے غربی حصوں اور غور کے حاکم ماہوی سوری نے اس کو مرو میں پناہ دی، لیکن چوں کہ اس سے قبل ماوراء النہر کے حکمرانوں کے ساتھ یزدگرد کے تعلقات اچھے تھے، اس لیے ماہوی سوری کو اندیشہ تھا کہ کہیں یزدگرد ان سے دوبارہ مل کر اس کے اقتدار پر قبضہ نہ کر لے، اس لیے ۳۱ھ میں ایک پن چکی والے کے ہاتھ اس کو قتل کرا دیا۔ اور اپنی حکومت کا دائرہ بلخ، ہرات اور بخارا تک وسیع کر لیا، لیکن احنف نے ماہوی کو بھی خراسان اور مرو میں شکست دے کر دریائے جیحون کے پار کے علاقے تک اس کو پیچھے ڈھکیل دیا اور آخر عمر تک خراسان کا عامل رہا، ادھر جنوب میں عبداللہ بن بدل خزاعی نے طبسین (قلعہ طبسین اور قلعہ کرین) جو افغانستان کی موجودہ مغربی سرحد یعنی گرم سیر سے متصل ہے تک اپنا سایۂ اثر دراز کیا۔

افغانوں کی عربوں کی مہموں میں شرکت کا آغاز : ایلفنسٹن ۴۴، ۶۲ اور ۸۰ ہجری کے واقعات کے ذکر میں رقم طراز ہے کہ اس وقت افغان قوم مسلمان ہو چکی تھی اور ان کی اپنی

روایت کے مطابق وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں عقیدۂ اسلام سے وابستہ ہو چکے تھے اور ۶۳ھ میں ہندوستان پر حملہ کا آغاز کر دیا تھا، اس کے بعد لاہور کے راجہ اور افغانوں کے مابین جنگیں بھی ہوئیں، جن میں افغانوں نے ککروں سے ہاتھ ملا لیا، تو راجہ نے بایں شرط حصۂ ملک دینے پر آمادگی ظاہر کی کہ وہ غیروں کے حملہ کے وقت اس کا ساتھ دیں گے، چنانچہ افغانوں کی مصالحت کی وجہ سے شمالی ہندوستان پر خاندان سامانیہ کو حملہ کی ہمت نہ ہوسکی، یہ بات بھی تاریخوں میں ملتی ہے کہ دوسری صدی ہجری میں افغانوں نے سندھ سے ہٹائے گئے عربوں کو پناہ دی تھی۔

عہد عثمانی : حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں اسلام کی فتوحات کو مزید وسعت حاصل ہوئی، عبداللہ بن عامر اس زمانہ میں بصرہ کے گورنر تھے، انہوں نے عبدالرحمٰن بن سمرہ کو عہدۂ امارت سے سرفراز کیا اور ۳۲ھ میں جب ابن عامر نے دوبارہ سجستان وکابل پر تاخت کا منصوبہ بنایا، تو عبدالرحمٰن کو سجستان بھیجا، انہوں نے زرنج کی طرف پیش قدمی کی، اہل زرنج عید منا رہے تھے، عبدالرحمٰن نے روز عید ہی مرزبان زرنج کا محاصرہ کر لیا، اس نے بیس لاکھ درہم اور دو ہزار لونڈی پر صلح کر لی، ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس کے بعد کابل وزابلستان (ولایت غزنہ) کو فتح کر کے زرنج واپس آکر وہیں اقامت اختیار کی، حضرت عثمان کی شہادت کے واقعہ سے پریشان ہو کر وہ امیر بن احمر یشکری کو اپنا جانشین مقرر کر کے بصرہ واپس آگئے، لیکن اہل سیستان نے بغاوت کر دی اور امیر بن احمر یشکری کو وہاں سے نکال دیا، چنانچہ سابقہ تجربہ کی بنا پر ابن عامر نے عبدالرحمٰن کو دوبارہ باغی علاقوں کی تادیب کے لیے سجستان کی ولایت سونپ دی، باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے کابل تک پہنچ کر انہوں نے اس کا احاطہ کیا اور سنگ باری کر کے شہر پناہ کی دیواریں مسمار کر دیں اور عباد بن حصین کو پوری رات پہرے پر مامور کیا، کابلیوں نے صبح کو میدان میں نکل کر مقابلہ کیا، مگر مغلوب ہوئے۔

کابل کی مہم سر کرنے کے بعد عبدالرحمٰن نے خواش اور ازان بست پھر بلا جنگ رزان کو زیر نگیں کیا، رزان پر قبضہ کے بعد خشک والوں نے صلح کر لی، پھر زرنج سخت مقابلہ کے بعد

مطیع ہوا، پھر غزنہ پہنچے، باغی غزنویوں نے پرزور مقابلہ کے بعد شکست کھائی، ادھر میدان خالی پا کر کابلیوں نے پھر بغاوت برپا کردی، تو عبدالرحمٰن نے پھر غزنہ کی طرف توجہ کی اور انہیں مطیع کر کے سجستان وغزنہ کا پورا علاقہ اور کابل کو زیر نگیں کیا۔

عہد مرتضوی : ۳۶ھ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبدالرحمٰن بن جرد الطائی کو سیستان کا حاکم مقرر کیا، لیکن حسکہ بن تواب کے ہاتھوں شہید ہوئے تو عبداللہ بن عباس حاکم بصرہ نے ربعی بن کاس عنبری کے ذریعہ ابن عتاب کا کام تمام کرایا اور سیستان پر ربعی کا قبضہ ہوگیا، پھر ۳۸ھ میں اسلامی لشکر سیستان سے نکل کر موجودہ قلات کی طرف بڑھ گیا، جہاں بیس ہزار افغانیوں نے پرزور مدافعت کی اور خوں ریز جنگ اور طویل محاصرہ کے بعد کچھ گرفتار ہوئے اور کچھ منتشر ہوگئے۔

اموی عہد : حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بانی خلافت امویہ کے دور حکومت میں ۴۰ھ میں قیس ابن الہیثم نے بادغیس اور ہرات سے جنوب مغرب میں قوشنج کو فتح کر کے بلخ کی طرف توجہ کی، ۴۵ھ میں عبداللہ بن خازم بلخ، امیر بن احمد مرو، قیس بن ہیثم، طالقان، فاریاب اور مروالزور میں عہدۂ امارت پر مامور تھے، ۵۱ھ میں ربیع بن زیاد حارثی نے دریائے آمو کے پاس پچاس ہزار عربوں کو بسایا، یزید کی وفات کے بعد لوگوں نے جب حاکم خراسان کے خلاف بغاوت کی، تو سلیمان بن یزید کو مرو، طالقان اور گوزگان کی امارت سپرد کی گئی، ۷۹ھ میں حجاج نے خراسان کو مہلب کے حوالہ کردیا، ۸۶ھ میں عبدالملک نے قتیبہ بن مسلم کو حجاج کی سفارش پر خراسان کا حاکم بنایا تو قتیبہ نے بلخ، طالقان اور طخارستان کو زیر نگیں کیا، یہ تو شمالی افغانستان کا حال تھا، جنوبی افغانستان یعنی کابل، غزنہ، بست وغیرہ کا حال سطور بالا میں مجملاً گزر چکا ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

صاحب قسمات العالم نے لکھا ہے، ہے کہ ۶۷۲ء میں امیر معاویہ کے زمانہ میں افغانستان کے متعدد شہر کابل، ہرات اور بلخ ضرور فتح ہوئے، لیکن تھوڑے عرصہ بعد وہاں کے باشندوں نے سرکشی کردی، تو مسلم فاتح یعقوب بن لیث صفار نے ۸۷۰ء میں غزنی اور ایک سال بعد پے در پے متعدد فتوحات حاصل کیں اور کابل کو بھی دائرہ اقتدار میں داخل کیا، اس

www.muftiakhtarrazakhan.com

وقت سے یہ شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

ولید کے دور حکومت ۹۳ھ میں جب حجاج بن یوسف ثقفی نے اپنے بھانجہ عماد الدین محمد قاسم کو ولایت سیستان وسندھ وملتان کی تسخیر پر مامور کیا تو افواج بنی امیہ کی اس مہم جبال غورستان کی سرحد پر سوریان غور کے ساتھ افاغنہ کی ایک ٹولی بھی مطیع وہمراہ ہوگئی اور اس (محمد قاسم) نے اس بہادر لشکر پشتوان کو اسلامی فوج میں شامل کرلیا اور سیستان اور بلوچستان کی تسخیر کے سلسلہ میں ان کے سرداروں سے کام لیا، شدید جنگ کے بعد شاہ سیستان پر مسلمانوں کو قبضہ ہوگیا، امیر لشکر نے وہیں اقامت اختیار کی اور عرب وافاغنہ کی افواج کو سیستان کے اطراف وجوانب کی فتح پر مامور کیا، چنانچہ بلوچستان وسندھ وملتان کے اکثر ممالک مغلوب ہوئے، بعض سرکش (سردار) تہہ تیغ ہوئے اور اکثر اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے، ان فتوحات سے افاغنہ اور غازیان اسلام کو بے شمار دولت واموال غنیمت حاصل ہوئے۔

ان حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ افغانوں نے مسلمان ہونے کے بعد ہی سے عربوں کی مہموں میں شرکت شروع کردی تھی۔

اموی وعباسی عہد میں افغانستان کی سیاسی تقسیم : اموی سلطنت کے دور میں افغانستان کی سیاسی تقسیم اس طرح تھی کہ خراسان اور ماوراء النہر سے کابل، پنجاب اور سندھ تک کا تمام مفتوحہ علاقہ اس طرح ولایت عراق عجم میں شامل تھا، جس کے والی کی طرف سے دو گورنر مقرر کیے جاتے تھے، ایک حاکم خراسان جس کا صدر مقام مرو تھا، دوسرا حاکم کابل جس کے ذمہ سندھ، پنجاب کا نظم ونسق تھا، لیکن عہد عباسیہ میں جب افغانستان میں اسلامی فتوحات کو مزید وسعت حاصل ہوئی تو سلطنت کی تقسیم یوں کی گئی:

۱۔ ولایت خراسان، نیشاپور اور ہرات سے بلخ اور موجودہ قطغن کے علاقوں پر مشتمل تھی۔

۲۔ علاقہ سیستان کا دائرہ کابل تک وسیع تھا۔

۳۔ ولایت توران ومکران حدود سندھ تک دراز تھی ان علاقوں میں دفتری دفاعی نظام قائم تھا۔

حکومت عباسیہ کے قیام میں افغانستان کے سوری خاندان کا حصہ : ۱۲۶ھ میں محمد بن علی کی وفات کے بعد ان کے لڑکے ابراہیم جانشین ہوئے، باپ بیٹے دونوں کے زمانہ میں عباسی دعوت کا سلسلہ خفیہ طور پر قائم وجاری رہا، لیکن راز فاش ہونے کے بعد بنی امیہ نے ان کو گرفتار کر کے قید کر دیا، ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن علی نے بیڑا اٹھایا تو عباسیوں کے حوصلے بلند ہوئے اور عباسی اس قدر طاقت ور ہو گئے کہ علانیہ بنی امیہ کے بالمقابل آ گئے، چنانچہ ابراہیم کی گرفتاری کے بعد ۱۲۹ھ میں ابوالعباس کی امامت کی بیعت ہوئی، تاہم ابراہیم کی جانشینی ان کے حامیوں تک محدود تھی، ۱۳۲ھ میں عراق پر عباسیوں کے قبضہ کے بعد خلافت کی بیعت ہوئی اور مروان کے قتل کے بعد ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں ابوالعباس کو عالم اسلامی کا خلیفہ تسلیم کیا گیا۔

عباسی تحریک کو کامیابی سے ہم کنار کرنے والا ابومسلم خراسانی ہے۔ خلافت عباسیہ کے قیام میں ابومسلم خراسانی کا ساتھ افغانستان کے جن بااثر خاندانوں نے دیا، ان میں غور کا سوری خاندان ہے، بنوامیہ کے آخری ایام میں شنس بن خرٹک غورستان کے پہاڑوں میں حکمراں تھا، اس کے بیٹے نے مہمات خراسان میں ابومسلم کا ساتھ دیا، ۱۸۲ھ میں حمزہ بن عبداللہ حاکم سیستان کو نکال کر زرنج پر قبضہ کر لیا اور اس کا تعاقب کرتے ہوئے ہرات اور قوشنج تک بڑھتا چلا گیا، لیکن پھر عیسی کے ہاتھوں سیستان میں شکست کھائی، ۱۹۳ھ میں ہارون الرشید خود خراسان آیا، تو حمزہ تیس ہزار لشکر لے کر نیشاپور کی طرف بڑھا لیکن ہارون کی وفات کی وجہ سے لڑے بغیر واپس ہو گیا، پھر بلوچستان اور سندھ پر حملہ کیا، ۱۹۹ھ میں واپس ہوا، ۲۱۳ھ میں مارا گیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت عباسیہ کے قیام میں افغانستان کے سوری خاندان نے عباسیوں کی مکمل پشت پناہی کی تھی۔

اموی وعباسی عہد میں افغانستان کے تمدنی حالات : ہجرت کی پہلی دو صدیوں میں افغانستان میں بدھ مذہب، زردشت اور برہمن مت کی جگہ مذہب اسلام کا بول بالا اور پورے ملک میں عربی زبان اور رسم الخط کا رواج ہو چکا تھا، لیکن مشرقی علاقوں میں سنسکرت

یعنی سرد ااور ناگری مخلوط رسم الخط کا تقریباً ڈھائی سو سال تک رواج رہا، خراسان، ہرات اور سیستان میں پہلوی زبان کی جگہ دری، فارسی نے لے لی اور تفسیر، حدیث، رجال اور سیرت وغیرہ جیسے اسلامی علوم کی افغانستان میں خوب نشو ونما ہوئی اور سیستان، زرنج، بلخ اور ہرات وغیرہ میں بڑے بڑے اسلامی مراکز و مدارس قائم ہوئے جن سے بہت قد آور بزرگان دین پیدا ہوئے۔

محمود غزنوی ۳۸۸ھ/ ۹۹۸ء کو تخت غزنی پر بیٹھا، اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے، ۳۹۲ھ تا ۴۱۷ھ کے دوران، پنجاب، بھاتنہ، کانگرکوٹ، تھانیسر، نارائن، کشمیر، قنوج، متھرا، کالنجر، سومنات پر فتوحات حاصل کیں، محمود اگرچہ ترک تھا، مگر اس کی فوج میں افغانوں کی شرکت سے انکار ممکن نہیں، اس طرح پہلی بار افغان ہندوستان میں داخل ہوئے، ان کا یہ داخلہ ہند فتوحات ہی تک محدود رہا، ممکن ہے، انھوں نے پنجاب کے بعض خطوں میں بودوباش اختیار کی ہو۔

غزنوی سلطنت کے خاتمہ کے بعد سلطان شہاب الدین غوری نے ہندوستان کی طرف رخ کیا، جو افغان نژاد تھا، اس کے ساتھ غور، قندھار اور دوسرے افغانی بھی تھے، جن کی قوت بازو سے اس نے پرتھوی راج کے عظیم لشکر کو ترائن (کورکھستر) کے میدان میں ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء میں شکست دے کر اجمیر، دہلی پر قبضہ کرلیا اور اس جنگ کے بعد میرٹھ، کول، علی گڑھ، قنوج، بنارس، بدایوں، گوالیار، گجرات، بیانہ، بہار، بنگال، دہلی سلطنت میں مسلم اقتدار کا پرچم لہرانے لگا۔

سلطان غوری کے بعد دہلی سلطنت پر اس کے غلام جانشین ہوئے، خاندان غلامان کے پورے عہد میں حکومت کے عسکری استحکام میں جہاں ترک اور دیگر جاں باز شریک فوج تھے، وہیں افغانوں کی معتد بہ تعداد شامل تھی، جنھوں نے پہلی بار ہندوستان میں بودوباش اختیار کی، انہیں حکومت کا اعتماد حاصل ہوا اور عزت ووقار کی نظر سے دیکھے گئے۔

سلطان ناصر الدین محمود کے دور میں ان کی بڑی تعداد فوج میں شامل تھی، ۱۲۶۰ھ میں جب الغ خاں نے میواتیوں کے خلاف جنگ کا منصوبہ بنایا، تو تین ہزار افغانی سپاہیوں کو

ملازم رکھا، بعد میں بلبن نے دہلی کے نواح، جلالی اور پٹیالی، بھوچ پور وغیرہ میں افغانی چوکیاں قائم کیں، خلجی اور تغلق کے عہد میں اختیار الدین ایل اور ملک مسخ افغانی نے اہم فوجی رول ادا کیا، بعد میں ملک شاہ افغان، قاضی جلال افغان اور ملک مسخ افغان نے محمد بن تغلق کے خلاف بغاوت کر کے دولت آباد میں اپنا اقتدار قائم کیا، لیکن دکن کے حسن گنگو کے سامنے رضا کارانہ طور پر اپنے عہدہ سے دست بردار ہو گیا اور اس کی حمایت کی۔

سید حکمرانوں کی ماتحتی میں ان کے اختیارات اور بڑھے، ۱۴۱۷ء میں خضر خاں نے ملک بہرام شاہ لودی کو سرہند کا ذمہ دار مقرر کیا۔

دوسرے افاغنہ کے علاوہ لودی خاندان سیدوں کے دست و بازو کی حیثیت رکھتے تھے، ان کی شجاعت اور دور اندیشی سے سیدوں کی حکومت ناخوشگوار حالات میں بھی باقی رہی، حملہ تیمور کے بعد تغلق خاندان کی برائے نام حکومت کا خاتمہ خضر خاں نے کر دیا اور دہلی میں تخت نشیں ہوا۔

خضر خاں نے سات برس حکومت کی اور وہ ہمیشہ اس فکر میں رہا کہ دہلی سلطنت کو کھویا ہوا وقار پھر قائم ہو جائے، لیکن اس میں اسے اتنی ہی کامیابی حاصل ہوئی کہ قرب و جوار کے راجہ اور شورش پسند جاگیردار وقتی طور پر مطیع بن گئے، مگر ان کی باغیانہ ذہنیت بدستور اندر اندر پروان چڑھتی رہی، اس کی انتھک کوششوں کے باوجود منتشر اجزائے سلطنت میں ترکیب کا عمل جاری نہ ہو سکا، خضر خاں کی وفات ۱۴۲۱ء/۸۲۴ھ کے بعد اس کا بیٹا مبارک شاہ سریر آرائے سلطنت ہوا، یہ اپنے باپ کا سچا جانشین تھا، وہ حد درجہ دلیر و شجاع بادشاہ تھا، اس کی فوجی صلاحیت و مہارت کے جوہر میدان جنگ میں خوب ظاہر ہوتے، مگر اس کی پوری زندگی باغیوں اور سرکشوں کی تادیب و سرزنش میں گزر گئی، وہ لاہور، کٹھیر، بیانہ، میوات، سرہند کی بغاوتوں کو پے در پے فرو کرتا رہا، جون پور کے بادشاہ ابراہیم شاہ شرقی نے ۱۴۲۸ء میں دہلی کا رخ کیا، تو مبارک شاہ نے برہان آباد ضلع اٹاوہ کے تاریخی میدان میں شرقی فوج کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور ابراہیم شاہ کو جون پور لوٹنے پر مجبور کر دیا۔

شاید مبارک شاہ دہلی کی عظمت ماضیہ کو واپس لانے میں کامیاب ہو جاتا، اگر اس کو

www.muftiakhtarrazakhan.com

۱۴۳۳ء/۸۳۷ھ میں نمک حرام وزیر کی سازش سے شہید نہ کر ڈالا گیا ہوتا۔

مبارک شاہ کو قتل کرانے کے بعد وزیر اعظم سرور الملک نے محمد شاہ ابن فرید ابن خضر خاں کو ۱۴۳۳ء میں دہلی کے تخت پر بیٹھا کر زمام اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لی اور اپنی مرضی کے مطابق حکمرانی کرتا رہا۔

لیکن جب مبارک شاہ کے جاں نثار امرا کو سرور الملک کی دغا و فریب کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اس کو قتل کر ڈالا اور محمد شاہ کے ہاتھوں میں سلطنت دہلی کی باگ ڈور دے دی، لیکن محمد شاہ کو اپنے دادا خضر خاں اور چچا مبارک شاہ کی طرح مسلسل شورشوں اور بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

محمود خلجی حاکم مالوہ اور دیگر خود مختار حکمرانوں کی فوج کشی و بغاوت کا مقابلہ کرنا پڑا اور سلطنت دہلی کے بعض مشرقی اضلاع جون پور کے ماتحت چلے گئے اس طرح خضر خاں اور مبارک شاہ کی کوششوں سے قائم ہونے والی دہلی سلطنت کی تھوڑی بہت وقعت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

۱۴۴۵ء میں جب محمد شاہ نے انتقال کیا، تو امرائے سلطنت نے اس کے بیٹے علاء الدین شاہ کو تخت دہلی پر بیٹھایا، مگر اس نے اپنے طرز عمل سے ظاہر کر دیا، کہ اس میں حکمرانی کی مطلق صلاحیت موجود نہیں ہے۔ دہلی سلطنت کے ماتحت علاقے ٹوٹنے لگے، اس وقت ہندوستان کے سیاسی انتشار کی حالت یہ تھی کہ دکن، مالوہ، گجرات، جون پور، بنگال، تو بہت پہلے خود مختار ہو چکے تھے، خاندان سادات کے اولین مرکز صوبہ پنجاب میں بہلول لودی خود مختار بن چکا تھا، سنبھل سے حدود دہلی تک دریا خاں لودی کی فرمانروائی تھی، کمپلہ اور پٹیالی میں پرتاب سنگھ کی حکومت تھی، بیانہ میں داؤد خاں لودی کا تصرف تھا، گوالیار، دھول پور، بھدوا میں جدا جدا راجہ فرماں روا تھے، رامیری اور اس کے مضافات میں قطب خاں افغان حکمراں تھا۔

علاء الدین صرف دہلی پر حکمراں تھا، چنانچہ اس وقت یہ فقرہ عام طور پر مشہور ہو چکا تھا ''بادشاہی شاہ عالم از دہلی تا پالم''

گلستان ہندی کا مصنف لکھتا ہے: اس بادشاہ کی آٹھ سالہ حکومت میں بڑی طوائف

www.muftiakhtarrazakhan.com

الملو کی رہی اور وہ خود دہلی چھوڑ کر بدایوں چلا گیا اور اس کو اپنی مملکت کا دار السلطنت بنالیا۔

حکومت سادات کی ناپائیداری اور عدم مرکزیت پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''بہر حال ازمنہ وسطی کے ہندوستان کی تاریخ میں یہ ایک خط انفصال ہے، جو ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجانے کے سلسلہ میں ایک ایسے دور کی نشاندہی کرتا ہے، جب مرکز گریز رجحانات کی شدت کے باعث نظام حکومت میں ایک مستحکم مرکزی بادشاہت کے تصور کی جگہ انتظامیہ میں علاقائی یا صوبائی (رجحانات) نے لے لی، اس دوران بلاشبہہ کافی مضطربانہ سیاسی سرگرمیاں عمل میں آئیں، لیکن زیریں سطح پر محدود رہیں، اور اس (سید خاندان) کی قوت عمل چھوٹے چھوٹے سرداروں اور زمینداروں کی بغاوتوں سے نمٹنے میں ضائع ہوگئی۔ سید سلاطین غیر معمولی حد تک اس قسم کے حوصلے سے مبرا تھے، کہ ایک (وسیع) مملکت قائم کی جائے جو کم از کم ان کے اسلاف کی قائم کردہ سرحدوں کے برابر ہو۔ دہلی کی سلطنت کا رقبہ کافی سمٹ گیا اور اس کے حکمراں نہایت محدود حصوں میں اپنی پالیسیوں کی عمل درآمد پر مطمئن رہے، ان کی سیاسی بصیرت دہلی کے چاروں طرف تقریباً دوسو میل کے قطر میں محصور تھی۔'' (جامع تاریخ ہند ص ۹۱۹)

آگے لکھتے ہیں:

''اس دور میں اقطاعات کی شقوں میں مزید تقسیم بہت عام ہوئی۔ انتظامیہ کے اس مختلف النوع کردار کے نتیجہ میں سیاسی اتحاد عمل کا احساس ناپید ہوکر رہ گیا اور مرکز گریز رجحانات عام اور متشدد ہوتے چلے گئے، رایات عالی (شاہی جھنڈے) کے مبہم خطاب کے حامل سید حکمراں کی حیثیت ایک اعلیٰ اقطاع دار سے زیادہ نہ تھی۔'' (ایضا ۹۲۱)

اس نااہل بادشاہ کی زندگی ہی میں دہلی پر ملک بہلول لودی نے خود مختار خاندان لودی کی بنیاد رکھی اور دہلی سے سادات خاندان کی حکومت کا خاتمہ کردیا۔

شمالی ہند کی زبوں حالی وانتشار کی یہ قابل افسوس کیفیت تھی جس میں مضبوط افغان حکومت کی اساس رکھی گئی۔

خاندان لودی کی پائیدار حکومت

سلطان بہلول لودی ان افغان تاجروں میں تھا، جس کے آباواجداد بغرض تجارت ہندوستان آیا کرتے تھے اور انہوں نے ہندوستان میں بودوباش اختیار کر لی تھی ۔ بہلول کا دادا ملک بہرام فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت میں ملتان آیا اور یہاں کے حاکم مروان دولت کا ملازم ہوگیا، اس کے پانچ فرزند، ملک کالا، ملک فیروز، ملک محمد، ملک خواجہ اور ملک شہ (اسلام شاہ) اس کے ہمراہ تھے۔

خضر خاں جب ملتان کا حاکم ہوا، تو ملک شہ (اسلام شاہ) اس کا ملازم ہوگیا، جس نے ملک ملوا قبال سے خضر خاں کی حمایت میں جنگ کی اور اسے قتل کر دیا، اس کے صلہ میں خضر خاں نے اس کو اسلام خاں کے خطاب سے نوازا اور سرہند کی حکومت اس کے حوالہ کر دی۔ ملک شہ کا بڑا بھائی ملک کالا جو دور دلہ کا حاکم تھا، ایک جنگ میں مارا گیا، مگر اس کی حاملہ بیوی جو بقید حیات تھی، وضع حمل کے ایام میں اس کے اوپر مکان کی چھت گر گئی، جس کے صدمہ سے وہ ہلاک ہوگئی، مگر بچہ شکم مادر میں زندہ رہا، جس کو ماں کا شکم چاک کر کے نکالا گیا، یہی وہ بلند اختر فیروز مند فخر خاندان بچہ تھا، جو آگے چل کر سلطان بہلول لودی کے نام سے تخت دہلی کی رونق بنا۔

یتیم بہلول کی پرورش، تعلیم وتربیت اس کے چچا اسلام خاں کے گھر ہوئی، اسلام خاں اپنے بھتیجے سے بڑی محبت کرتا تھا، چنانچہ اس نے اس کو اپنا داماد بنالیا اور اس کی صلاحیت وقابلیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنی موت کے وقت حقیقی فرزندوں کو نظر انداز کر کے اپنی قلم رو کا حاکم نامزد کر دیا، جس کے سبب بہلول کے چچا اور عم زاد بھائی ناراض ہو کر اس کی راہ میں رکاوٹ بنتے رہے، مگر بہلول کا ستارۂ اقبال روبہ عروج تھا، مخالفتوں کے باوجود ترقی کرتا رہا اور اس کی عظمت وشوکت میں برابر اضافہ ہوتا رہا، اس کی فوجی طاقت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ جب سلطان محمد شاہ کی حکومت دہلی پر قبضہ کرنے کے لیے حاکم مالوہ محمود خلجی نے لشکر کشی کی تو سلطان محمد شاہ نے بہلول لودی کو اپنی مدد کے لیے طلب کیا، بہلول کی شجاعت وبہادری کے

www.muftiakhtarrazakhan.com

سامنے محمد خلجی کو زیر ہوکر راہ فرار اختیار کرنی پڑی اور بدقت تمام وہ اپنی جان بچا کر مالوہ جاسکا۔

محمد شاہ نے بہلول کی اس جرأت مردانہ سے خوش ہوکر اسے اپنا فرزند بنالیا اور خانخاناں کے خطاب سے نوازا۔

بہلول لودی نے چند ہی سال میں اپنی فوجی اور انتظامی صلاحیتوں کا بھرپور امتحان کرلیا تھا، اب وہ اس فکر میں تھا، کہ کمزور سید خاندان کی حکومت کا خاتمہ کرکے ایک مضبوط ومستحکم حکومت کی بنیاد استوار کرے، چنانچہ ۱۴۴۶ء میں تخت دہلی حاصل کرنے میں اسے کامیابی حاصل ہوئی۔

جب سلطان علاء الدین نے دہلی چھوڑ کر بدایوں میں اقامت اختیار کی اور اپنے وزیر حمید خاں کو قید کردیا جو قید سے فرار ہوکر دہلی آیا اور اس نے بادشاہ سے انتقام لینے کی غرض سے ملک بہلول کو دہلی آنے کی دعوت دی، چنانچہ بہلول دہلی پہنچا اور اس نے پورے نظام حکومت پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے بعد حمید خاں کو قید کردیا اور سلطان علاء الدین کو دہلی بلایا، لیکن وہ بدایوں چھوڑ کر دہلی نہ آیا اور ملک بہلول کو جواباً تحریر کیا۔

پدر من ترا فرزند خواندہ بود و من ترا برادر بزرگ دانستہ امر سلطنت بتو گزاشتہ بریک پرگنہ بدایوں قناعت کردم۔ (تاریخ داؤدی ص ۱۰)

بہلول لودی کو دہلی کی حکومت جس حال میں ملی تھی، وہ گزشتہ صفحات کی تحریروں سے ظاہر ہو چکا ہے، مسلسل زوال وانحطاط نے دہلی سلطنت کو صرف شہر دہلی ومضافات تک سمیٹ کر رکھ دیا تھا، لیکن ان تمام خودمختاریوں اور انتشار وافتراق کے باوجود بہلول لودی نے جس قابلیت اور عزم وثبات سے ایک مٹی ہوئی سلطنت کا اقتدار دوبارہ قائم کیا، وہ تاریخ کا حیرت ناک واقعہ ہے۔

بہلول لودی نے ۴۲ رسال تک ایک لائق حکمراں کی حیثیت سے تخت دہلی پر حکومت کی اور اس طویل زمانہ میں ایک قابل جاں باز سپہ سالار کی حیثیت سے خودمختار ریاستوں کو فتح کرکے دہلی سلطنت میں شامل کرتا رہا۔

اس نے سیاسی تدبر وحکمت عملی سے اپنے قوی وشجاع ابنائے قوم افغانوں کو (جن کی قوت بازو کے سہارے عظیم تغلق خاندان اور سادات خاندان کی حکومتیں قائم رہیں) کو اپنے گرد جمع کرلیا اور اپنی عسکری تنظیم کو مضبوط کرکے دہلی سلطنت کو کافی وسعت دی اور اس کی مرکزیت کو بحال کرنے میں کامیابی حاصل کرلی، بہلول نے ۲۶ رسال کی مسلسل جنگوں کے بعد مشرقی ہند کی سب سے مضبوط شرقی حکومت کا خاتمہ کرکے جون پور پر قبضہ کرلیا، اس نے حسب ذیل خودمختار حکومتوں کو دہلی سلطنت کا زیر نگیں بنایا۔

میوات، بلند شہر، کول قلعہ ربوری، چندار، اٹاوہ، سندھ، کڑہ، بہرائچ، لکھنؤ، کالپی، بدایوں، دوآبہ، گوالیار، اودے پور، سنبھل، پنجاب، برہان آباد، جون پور۔

دہلی کی بربادحکومت کے سابقہ وقار کو بحال کرنا اس کا عظیم وناقابل فراموش کارنامہ ہے، اس کی یہ تمام کامیابیاں اس کے ان ہم قوم افغانوں کی مرہون منت ہیں، جن کی دلیری وشجاعت، سخت کوشی وجانبازی ایشیا کی ساری قوموں پر فائق ہے، مگر منتشر قبیلوں کی صورت میں زندگی بسر کرنے والے ان اجڈ غیر مہذب لوگوں کو ایک رشتۂ اتحاد میں منسلک کرکے قومی وقار کے لیے میدان کارزار تک لانے والی ذات بہلول لودی کی مخلصانہ برادرنواز مساوات پسند شخصیت تھی، اس نے بادشاہ دہلی ہوتے ہوئے بھی کبھی ابنائے قوم افغانوں کی مجلس میں تخت شاہی پر بیٹھنا پسند نہیں کیا۔ اگر کوئی افغان اس سے ناراض ہوجاتا، تو وہ خود اس کے مکان پر جاکر معافی مانگتا۔ اس کے اوصاف حمیدہ میں مساویانہ برتاؤ کا وصف اس قدر یگانگت آفریں تھا کہ سخت سے سخت دل کو بھی موم کی طرح نرم کرلیا کرتا تھا، وہ فتوحات میں ملنے والے تمام مال واسباب کو افغانوں میں برابر تقسیم کرتا اور دوسرے افغانوں کی طرح خود بھی حصہ لیتا، اس نے حکومت کی تقسیم بھی اسی انداز سے کی تھی۔ بہلول کی بے پناہ نوازشوں کی وجہ سے بہ کثرت افغان قبیلے ہندوستان میں آکر آباد ہوگئے، جس کے سبب بہلول کے ہاتھ کافی مضبوط ہوگئے اور اسے بڑے بڑے حریفوں کے مقابلہ میں شاندار کامیابیاں حاصل ہوتی رہیں۔

آر پی ترپاٹھی رقم طراز ہیں:

افغان قبیلوں اور ان کے سرداروں کی ہندوستان میں کثرت سے آمد کے سبب بہلول

کے ہاتھ مضبوط ہوگئے اور اس کی طاقت شرقیوں اور دوسری ہمسایہ ریاستوں کے مقابلہ میں زیادہ مستحکم ہوگئی۔

پروفیسر ایم، ایس راما سوامی، ہسٹری آف انڈیا میں بہلول لودی کی قوت وعظمت کی تعریف کرتے ہوئے اس کی جمہوری پالیسی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

بہلول ایک مضبوط اور طاقت ور حکمراں ہوا اور اس نے اپنی ۳۸ رسالہ حکومت میں بڑی سرگرمی و کامیابی کے ساتھ مقامی سرداروں کو فرو کیا، جون پور کے حکمراں سے لڑ کر اس کی حکومت کو ختم کیا اور جب ہندو اور راجپوت میواڑ کی رہنمائی میں پھر سے ابھر رہے تھے تو بہلول نے دہلی کی عظمت اور اسلام کی شوکت کچھ حد تک پھر سے قائم کردی، لودی عام افغانوں کی طرح جمہوریت پسند کرتے تھے۔ بہلول بھی خود کو محض اپنے قبیلے کا سردار سمجھتا تھا اور ان سے بردارانہ سلوک کر کے ان سے بڑی آزادی سے ملتا تھا، اس کا اس کی حکومت پر اچھا اثر پڑا۔ (عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک ص ۲۸۴)

بہر حال! بہلول لودی نے اپنی شجاعت، اقبال مندی اور سیاسی تدبر و دانش مندی سے تخت دہلی کی سابقہ عظمت دوبارہ قائم کردی اور دہلی سلطنت کی مرکزیت کو جو تقریباً ساٹھ پینسٹھ برس سے کچھ دیر چراغ سحری کی طرح ٹمٹما کر بجھ گئی تھی، دوبارہ بحال کیا۔

بہلول کے جانشین سلطان سکندر لودی (۱۴۸۸ء تا ۱۵۱۷ء) نے اپنی قابلیت وشجاعت سے باپ کی قائم کردہ افغان حکومت کی مرکزیت کو مزید استحکام بخشا۔ سلطان سکندر لودی کے زمانہ میں علاء الدین خلجی، محمد تغلق اور فیروز شاہ کے عہد کا شاہانہ کروفر اور عظمت وشوکت دوبارہ قائم ہوگئی۔

درگا پرساد رقم طراز ہیں:

سلطان سکندر ایک عالم، فاضل، عادل اور باذل بادشاہ تھا، اس کے عہد حکومت میں علم وہنر کو بڑی ترقی ہوئی، ادنیٰ واعلیٰ، وضیع وشریف سب اپنے اپنے درجہ کے مطابق مشغول رہے، ہندوؤں نے اسی زمانے میں فارسی پڑھنا شروع کیا، سلطان اپنی رعایا اور لشکر کے تمام احوال سے اس طرح واقف رہتا کہ لوگوں کو گمان تھا کہ اس کو اجنہ خبر کیا کرتے تھے، وہ جہاں

لشکر بھیجتا، صبح اور شام دونوں وقت فرمان کے ذریعہ ہدایت کرتا تھا۔اس کے زمانے میں غلہ بہت سستا ہوگیا تھا، وہ علاء الدین خلجی کی طرح اجناس کی نرخ پر نظر رکھتا تھا اور کسی قسم کی چیرہ دستی کو پسند نہیں کرتا تھا، مظلوموں کی دادرسی کے لیے پورا انتظام کر رکھا تھا۔

اس نے قاضی کے علاوہ بارہ علما مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے مقرر کیے تھے، وہ انصاف کرنے میں بڑی کاوش کرتا تھا اور بڑی ہوش مندی کا ثبوت دیتا، تیموری دور کے مؤرخوں نے بھی اس کی عدل نوازی کی تعریف کی ہے۔

۱۵۱۷ء میں جب سلطان ابراہیم لودی نے تخت دہلی پر جلوس کیا، تو اس نے اپنی سیاسی پالیسیوں کا ڈھانچہ تقریباً بدل دیا اور جمہوریت کے بجائے سخت شخصی اقتدار کی پالیسی پر عمل پیرا ہوکر افغان سرداروں کو کچلنا شروع کر دیا، اس کی ناعاقبت اندیشانہ پالیسی نے سلطنت کی عمارت کو کمزور کر دیا اور وہ افغان سردار جن کی جمعیت سخت سے سخت بیرونی حملوں کے دفاع اور اندرونی بغاوتوں کو کچلنے کے لیے کافی تھی، انہیں ناراض کر کے جس غیر دانش مندانہ رویہ کا ثبوت دیا، وہ انتہائی قابل افسوس ہے، اس نے لودی سلطنت کے مضبوط ستونوں کو گرا کر سلطنت کی عمارت بچانے اور اپنے شاہی کروفر کے قیام کی جو ناکام کوشش کی تھی، جس کی پاداش میں اس کو اپنی حکومت اور جان دونوں سے ہاتھ دھونا پڑا تھا۔

پروفیسر ایم ایس راما سوامی تحریر کرتے ہیں:

ابراہیم لودی نے اپنے مزاج کی تیزی سے تمام امرا کو اپنا مخالف بنالیا اور بہت سے لودی، نوحانی اور فرملی قبیلے اس کے قابو سے باہر ہوگئے، اس کے لیے اس وسیع سلطنت کو جو مشرق میں بنگال تک اور مغرب میں بندیل کھنڈ تک پھیلی ہوئی تھی سنبھالنا مشکل ہوگیا، بالآخر بابر نے اس سلطان کو ۱۵۲۶ء پانی پت کے میدان میں زیر کر کے ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی۔(عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک)

دوسری افغان حکومت

شیر شاہ سوری : ظہیر الدین محمد بابر نے ۱۵۲۶ء میں سلطان ابراہیم لودی کو شکست

www.muftiakhtarrazakhan.com

دے کر مغل حکومت کی اساس رکھی، مگر اسے ابھی کامل استحکام حاصل نہ ہوسکا تھا، کہ موت کا پروانہ آ گیا اور اس کا سب سے بڑا بیٹا ہمایوں بادشاہ ۱۵۳۰ء میں تخت دہلی پر بیٹھا، مگر اس کے اندر نہ تو بابر جیسی شجاعت و دلیری تھی اور نہ وہ سیاسی تدبر و فراست کے اعتبار ہی سے اتنی بڑی حکومت کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتا تھا، اس نے اپنی حکومت کو بھائیوں میں تقسیم کر کے زبردست سیاسی غلطی کی تھی، جس کی وجہ سے اس کے حدود سلطنت سمٹ کر رہ گئے اور اس کی فوجی طاقت بھی گھٹ گئی، ساتھ ہی ساتھ مغلوں کے حریف افغان دوبارہ حکومت پر قبضہ جمانے کی فکر میں تھے اور ان کی شمالی ہند میں متعدد ریاستیں بھی باقی رہ گئی تھیں۔

بابر کی موت کے بعد ہی ہندوستان کے سیاسی افق پر ایک افغان سردار شیر خاں نمودار ہوا، شیر شاہ کا نسبی تعلق کوہ سلیمان کے ناہموار علاقہ روہ کے افغان قبیلہ سور سے تھا، جن کی شجاعت و بہادری افغان قبیلوں میں ممتاز تھی۔

کالکارنجن قانون گو لکھتے ہیں:

''☆ روہ: قدرت نے اس علاقہ کو ایسی بہادر قوم کا گہوارا بنایا ہے، جو کہ ابتدائے آفرینش سے اپنے سے قوی تر دشمنوں کا مقابلہ کرتی رہی ہے۔''

(شیر شاہ اور اس کا عہد ص ۳۱)

☆ ''زمانہ قدیم سے سرزمین روہ کسی بزدل قوم کا مسکن نہیں رہی۔'' (ایضاص ۳۲)

☆ ''ایک پٹھان کے لیے جنگ و جدل ایک تفریح کا مشغلہ ہے۔'' (ایضاص ۳۳)

شیر خاں اس جنگ جو بہادر قوم کا ایک فرد تھا، وہ کسی شاہی خاندان کا چشم و چراغ نہ تھا، بلکہ ایک فوجی سردار کا بیٹا تھا، جسے وراثت میں آبائی شجاعت و بہادری کے سوا ایک انچ زمین بھی نہ ملی تھی، مگر اس نے اپنی بے مثال کوششوں سے تاجدار ہند بننے کی سعادت حاصل کی۔

شیر خاں کا دادا ابراہیم روہ کا ایک گم نام افغان جس کا مشغلہ گھوڑوں کی تجارت تھا، مگر جب ہندوستان میں سلطان بہلول کی افغانوں پر نوازش عام ہوئی، تو وہ بھی قسمت آزمائی کے لیے اپنے بیٹے حسن کے ساتھ ہندوستان آیا اور نارنول میں جمال خاں کی ملازمت اختیار

www.muftiakhtarrazakhan.com

کرلی، جسے حق ملازمت میں چند گاؤں بطور جاگیر عطا ہوئے۔ حسن نے لاہور میں عمر خاں سروانی کی ملازمت اختیار کی، جب ابراہیم کا انتقال ہوا، تو جمال خاں نے حسن کو نارنول بلا کر باپ کی جاگیر پر فائز کردیا، یہیں ۱۴۸۹ء میں فرید (شیر خاں) پیدا ہوا۔ جب جمال خاں جون پور کا گورنر ہوا، تو اس نے حسن کو اپنے ساتھ لے جا کر پرگنہ سہسرام وخواص پور کا جاگیر دار مقرر کردیا۔

حسن نے چار شادیاں کی تھیں، مگر وہ اپنی سب سے چھوٹی بیوی اور اس کے بیٹے احمد اور سلیمان سے کافی محبت رکھتا تھا، فرید اور اس کی ماں سے اس کے تعلقات انتہائی ناخوش گوار تھے، خانگی معاملات اس حد تک خراب ہوگئے کہ فرید کو سہسرام چھوڑ کر جون پور آنا پڑا، فرید نے شیراز ہند کی علمی وادبی فضا میں تحصیل علم اور امور ملکی وسیاسی نیز فن حرب کی اعلیٰ تعلیم وتربیت حاصل کی اور اپنی قابلیت وصلاحیت کے سبب جون پور میں کافی شہرت پیدا کرلی۔

فرید کی قابلیت اور سوجھ بوجھ کی شہرت اور جون پور میں مقیم حسن کے رشتہ داروں کے پیہم اصرار کے سبب حسن سور نے برگشتہ فرزند فرید کو اپنی جاگیر کا انتظام سونپ دیا۔

اس نے باپ کی رضا وخوشنودی کے لیے سب سے پہلے بحیثیت منتظم جاگیر سہسرام و خواص پور کی جاگیروں کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لیا، اس کے حسن انتظام اور جواں مردی وشجاعت نے حسن کے پرگنوں سے بدامنی وزبوں حالی کا خاتمہ کردیا۔ پرگنوں میں خوش حالی پیدا ہوئی، حسن سور فرید کے بندوبست جاگیر سے کافی مطمئن ہو چکا تھا کہ اچانک خانہ جنگی کا دروازہ کھلا اور اس کی چہیتی بیوی فرید کی سوتیلی ماں نے بوڑھے حسن سور پر اپنی محبت کا جادو جگایا اور اپنے حقیقی بیٹوں احمد وسلیمان کو جاگیر کا انتظام سونپنے کے لیے مجبور کردیا۔ حسن نے فرید کو جاگیروں کے انتظام سے دست بردار ہوجانے کا حکم، اس نے باپ کے حکم کا احترام کرتے ہوئے ۱۵۱۹ء میں جاگیرداری کا کاروبار ترک کرکے قسمت آزمائی کے لیے دارالسلطنت آگرہ کا رخ کیا۔ وہاں دولت خاں کی ملازمت اختیار کی اور باپ کی جاگیروں کی بازیابی کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا رہا، مگر اسے ناکامی ہوئی، اتفاقاً اسی اثنا یعنی ۱۵۲۰ء میں حسن سور کا انتقال ہوگیا اور وہ آگرہ سے سہسرام پہنچ کر جاگیروں پر قابض ہوگیا، اس کے

سوتیلے بھائی احمد اور سلیمان حاکم جونڈ محمد خاں کی پناہ میں چلے گئے، محمد خاں کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے فرید نے حاکم بہار بہادر خاں نوحانی کی ملازمت اختیار کر لی، بہادر خاں فرید کی محنت ولیاقت سے کافی متاثر ہوا اور اسے شیر خاں کا خطاب عطا کیا، ایک بار شیر خاں اپنی جاگیر پر کافی دنوں تک مقیم رہا، اس کی طویل غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے محمد خاں سور نے بہادر خاں کے خوب کان بھرے اور اس کی جاگیر پر احمد اور سلیمان کو برابر کا شریک وحصہ دار بنا کر پیش کیا، بہادر خاں نے اس کی سفارشیں منظور کر کے شیر خاں کو باپ کی جاگیر بھائیوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا، مگر شیر خاں نے یہ حکم نہ مانا، محمد خاں نے اس پر حملہ کر دیا، جب شیر خاں نے مقابلہ کی تاب اپنے اندر نہ دیکھی، تو جاگیر چھوڑ کر فرار ہو گیا اور جون پور میں مقیم مغل سردار جنید برلاس کی ملازمت اختیا کر لی، اس طرح شیر خاں اپنی آبائی جاگیر سے محروم ہو گیا، مگر وہ معمولی عزم وہمت کا انسان نہ تھا، اسے اپنی صلاحیتوں پر کامل اعتماد تھا، چنانچہ اسے ہندوستان کی سرزمین کا ایک ایک انچ حصہ بھی اپنی قوت بازو سے تسخیر کر کے دوسری افغان حکومت کی بنیاد رکھنی پڑی۔ ۱۵۲۷ء میں جنید برلاس کی مدد سے اس نے سہسرام وخواص پور کو فتح کیا، اسے چوں کہ محمد خاں حاکم جونڈ کا خطرہ تھا، اس لیے اس نے بابر بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لی اور اس کا ہمرکاب بن گیا، مغل فوج میں مغل بادشاہ کے تحت رہنے کے باوجود وہ مغلوں کو ہندوستان سے نکال کر افغانوں کے اقتدار کی بحالی کا منصوبہ تیار کر رہا تھا، مغل بادشاہ وامرا کے طریقۂ حکمرانی کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنے کے بعد اس نے جو نتیجہ اخذ کیا تھا، اس کا اظہار اپنے دوستوں سے ان الفاظ میں کیا ''مغل را از ہندوستان بدر کردن نہایت آسان است۔'' (تاریخ داؤدی ص ۱۱۴)

ایک دعوت میں بابر بادشاہ کی معنی خیز نگاہوں سے شیر خاں نے تاڑ لیا، کہ بابر اسے مشکوک ومشتبہ نظروں سے دیکھ رہا ہے، اسی دن مغل لشکر سے فرار ہو کر وہ اپنی جاگیر سہسرام آ گیا، یہاں پہنچ کر اس نے پورے بہار کو اپنے قبضہ میں لانے اور پھر مغلوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے افغانوں کو منظم کرنا اور ایک عظیم افغانی لشکر ترتیب دینا شروع کیا۔

بابر بادشاہ کی موت ۱۵۳۰ء کے بعد ہمایوں بادشاہ کی تخت نشینی اور اس کی ناعاقبت

www.muftiakhtarrazakhan.com

اندیشانہ طرز حکومت نے شیر خاں کو اور بھی زیادہ حصول مقصود سے قریب کر دیا۔

جب ہمایوں کو بہار کے اندر شیر خاں کی سرگرمیوں کا حال معلوم ہوا، تو اس نے اس پر فوج کشی کر دی، لیکن شیر خاں نے عارضی مصالحت سے کام لے کر مغلوں کے طوفان کو سر سے ہٹا دیا اور اپنی سیاسی تدبیروں کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف ہو گیا، عظیم لشکر ترتیب دینے کے بعد اس نے سب سے پہلے بہار کے اندر اپنے ہم قوم افغان حریفوں کو راستہ سے صاف کیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا، چنانچہ ہمایوں ایک بڑے لشکر کے ساتھ شیر خاں کو ختم کرنے کی غرض سے ۱۵۳۸ء میں جب بہار میں داخل ہوا تو شیر شاہ مغل لشکر کو طرح دیتا رہا اور اس طرح بغیر کسی مزاحمت کے ہمایوں بادشاہ بہار کو عبور کرتا ہوا بنگال میں داخل ہوا، جہاں مقام گوڑ کو شیر شاہ نے ہمایوں کی عیش پرستی کے لیے سامان عشرت سے معمور کر رکھا تھا، جب ہمایوں گوڑ پہنچ گیا، تو شیر شاہ بہار آیا اور اس نے اپنی پوری قوت وطاقت کے ساتھ جون پور، بہرائچ، قنوج، کڑہ مانک پور، اودھ (لکھنؤ)، سنبھل سے مغل افسروں کو نکال کر قبضہ جما لیا اور ہر سمت سے ہمایوں کے لیے واپسی کا راستہ مسدود کر دیا۔ جب ہمایوں خواب عیش سے بیدار ہوا اور اس نے ملک کا بدلا ہوا نقشہ دیکھا تو دار السلطنت آگرہ کی جانب متوجہ ہوا، شیر شاہ نے بمقام چوسہ ۱۵۳۹ء میں اپنے عظیم لشکر کے ساتھ ہمایوں کو روک لیا، جانبین میں ایک عارضی صلح بھی ہوئی، مگر شیر شاہ نے ہمایوں کی وعدہ خلافیوں کے تلخ تجربے اور اپنی فوجی طاقت پر اعتماد کرتے ہوئے غفلت میں مغل فوج پر حملہ کر کے سارے لشکر کو درہم برہم کر دیا، بادشاہ ہمایوں بدقت تمام اپنی جان بچا کر آگرہ آیا اور شیر شاہ سے مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا مگر اس کا ستارہ اقبال پوری طرح گردش میں آچکا تھا اور شیر شاہ کا آفتاب اقبال آسمان سیاست کے مقام بلند تک پہنچ چکا تھا، اس لیے ہمایوں کی یہ آخری کوشش بھی ناکام ثابت ہوئی، چنانچہ ۱۵۴۰ء میں جب قنوج کے مقام پر دریائے گنگا کے کنارے شیر خاں اور ہمایوں بادشاہ کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہوا، تو اس فیصلہ کن جنگ میں شیر شاہ کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور ہمایوں کو اتنی سخت ہزیمت ہوئی کہ اسے نہ صرف آگرہ و دہلی ہی چھوڑنا پڑا، بلکہ ہندوستان کی سرحدوں سے باہر ایران جا کر پناہ ملی۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

اس طرح شیر شاہ نے اپنے ذہنی منصوبہ کو محض سرگرمی عمل، ذہانت وتدبر، فطرت شناسی ومصلحت بینی، فوجی وعسکری طاقت وصلاحیت اور شاطرانہ جنگی چالوں کے ذریعہ عملی شکل میں پیش کر کے دکھادیا، اس نے نہ صرف باپ کی کھوئی ہوئی جاگیر بلکہ ہندوستان کے وسیع وعریض علاقہ پر قبضہ کر کے ایک بار پھر افغان حکومت قائم کی اور اپنے قول کو سچ کر دکھایا، غالبا ہندوستان کی تاریخ کا یہ منفرد واقعہ ہے کہ ایک ایسے شیر دل سپاہی نے جس کی حکومت ہندوستان کیا دنیا کے کسی بھی حصہ میں نہ تھی، مگر اپنی اعلیٰ ترین سوجھ بوجھ اور بے مثال سیاسی وجنگی صلاحیت سے ہندوستان کے وسیع وعریض خطہ پر تاجدار بن کر ابھرا۔

آر پی ترپاٹھی لکھتے ہیں:

☆''شیر شاہ ان عظیم ہستیوں میں سے ایک ہے، جو خاک سے اٹھے اور اپنی ہمت ،لیاقت، اثر ورسوخ اور تلوار کے زور سے شہرت وترقی کے بلند ترین مدارج پر پہنچے۔''

(مغلیہ سلطنت کا عروج وزوال ص ۱۴۴)

☆''شیر شاہ کا شمار دہلی کے عظیم ترین حکمرانوں میں کیا جاتا ہے، وہ قسمت کا دھنی تھا، اس نے اپنی جدوجہد سے ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی، وہ ایک بہادر سپاہی، ایک شجاع سپہ سالار، غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک اور سیاسی اہلیتوں کا حامل تھا، ہندوستان کی تاریخ میں اس کا ایک بلند مقام ہے، وہ ناکامی وبدبختی سے گھبراتا نہ تھا اور ہر کام کو چاہے کتنا مشکل کیوں نہ ہو حوصلہ مندی اور امید کے ساتھ انجام دینے سے باز نہ آتا۔

دہلی کے سارے سلطان حکمرانوں میں صرف شیر شاہ سوری ہی ایک ایسا بادشاہ تھا، جس کو انتظام مملکت کی ہر سطح کے بارے میں پوری پوری معلومات حاصل تھیں۔''

(ایضاص ۱۵۹)

شیر شاہ کے اہم کارناموں کی نشان دہی ان الفاظ میں کی ہے۔''پرانے معمولی اور مخلوط دھات کے بنے ہوئے سکوں کی جگہ عمدہ قسم کے سونے چاندی اور تانبے کے معیاری سکے رائج کیے گئے، اس کا چاندی کا روپیہ اتنا کھرا تھا کہ اس کے بعد کئی صدی تک معیاری مانا جاتا رہا۔

شیر شاہ کا دوسرا اقدام سڑکوں اور سرایوں کی تعمیر تھا، ڈھاکہ، لاہور، مانڈو، برہان پور، آگرہ، جودھپور اور چتوڑ کے طویل اور دور دراز فاصلوں کے درمیان عمدہ سایہ دار سڑکیں تعمیر کرائیں، اس کے علاوہ جون پور، آگرہ و بیانہ، دہلی اور ملتان اور لاہور کو نسبتاً چھوٹی سڑکوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے ملا دیا گیا۔ یہ سڑکیں فوجی ضروریات اور تجارت کے لیے بڑی مفید تھیں، ان سڑکوں کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کنویں کھدوائے گئے، ہر چار میل کے فاصلہ پر سرائیں تعمیر کرائیں، جہاں ہندو اور مسلمانوں کے آرام کے لیے سہولتیں بہم پہنچائی گئیں۔ شیر شاہ نے تقریباً سترہ سو کارواں سرائیں تعمیر کرائیں، یہ سرائیں بیشتر شاہی ڈاک کی سہولتوں کے لیے تعمیر کرائی گئی تھیں۔'' (ایضاص ۱۷۰)

☆ ''اگر شیر شاہ اور مدت تک زندہ رہتا، تو وہ اکبر پر شفقت لے جاتا، اس کا شمار بلا شک وشبہ دہلی کے زبردست مدبر، سیاست داں سلاطین میں ہوتا ہے، اس نے اکبر کی اعلیٰ وارفع روشن خیال طرز حکومت کے لیے راستہ ہموار کر دیا اور یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ وہ اس کا پیش رو تھا۔

کوئی مورخ شیر شاہ کے اس حق سے انکار نہیں کر سکتا کہ وہ اکبر سے پہلے کے سارے مسلمان حکمرانوں میں سب سے زیادہ معروف روشن خیال اور بہادر تھا، شیر شاہ حقیقتاً دوسری افغان سلطنت کا بانی تھا، اس نے کم از کم اپنی حیات میں افغان قبیلوں کو ایک قوم میں تبدیل کر دیا اور ان کے کھوئی ہوئی سلطنت ان کو واپس دلا دی۔'' (ایضاص ۱۷۱، ۱۷۲)

کالکارنجن قانون گو اپنی مشہور کتاب ''شیر شاہ اور اس کا عہد'' میں اپنے تاثرات و احساسات اس طرح بیان کرتے ہیں:

''شیر نے محض پانچ سال حکومت کی، لیکن اتنے سے ہی قلیل عرصہ میں اس نے اپنے لیے قرون وسطیٰ کی تاریخ میں ایک ممتاز درجہ بنالیا، بلاشبہ اکبر اعظم کے بعد اگر کسی کو قابل حکمراں تسلیم کیا جاسکتا ہے تو وہ شیر شاہ ہی ہے یہ تصدیق طلب امر ہے کہ وہ پچاس سال اور زندہ رہتا تو وہ اکبر کا ثانی ہو جاتا یا اس سے بھی سبقت لے جاتا۔ شیر شاہ، اورنگ زیب اور اکبر کے اوصاف کا مجموعہ تھا.....اس کی حکومت چند روزہ تھی، لیکن آئندہ کی

www.muftiakhtarrazakhan.com

تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ اس حکومت کی اہمیت اکبر کی پچاس سالہ حکومت سے کسی طرح کم نہ تھی، اس کے بعد اس کے خاندان کی حکومت مشکل سے دس سال رہی، لیکن جس حکومت کو اس نے اپنی تلوار سے بنایا، عقل وسیاست سے سنوارا اور اس کے مختلف رکن اور ادارے آج تک زندہ ہیں۔

نہ صرف یہ بلکہ ارتقا کی منزلیں وسیع تر ہوتی چلی گئیں، ایک کے بعد ایک حکمراں آئے اور آتے گئے، سوری خاندان کے بعد مغل آئے اور مغلوں کے بعد انگریز لیکن اس کے ادارے جب تک ہندوستانی سکوں میں روپیہ پیسہ کا رواج رہے گا، خواہ ان کی اصلی قیمت کتنی ہی کم کیوں نہ ہو جائے اور جب تک ملک میں مال گزاری کا موجودہ طریقہ مروج ہے شیر شاہ کی یاد ہند میں ہمیشہ تازہ رہے گی، اس کی مدح سرائی میں نہ تو کسی بدایونی اور نظام الدین کے قصائد سے اقتباس کی ضرورت ہے، نہ اس کے مرتبہ پر تبصرہ کے لیے لوح مزار کی جستجو۔ اس نے سنارگاؤں سے نیلاب تک شاہ راہ عام بنوائی، مسافروں کے آرام کے لیے سرائیں بنائیں، زراعت کی فلاح و بہبود کے لیے نئی نئی اصلاحات کیں، اس کے یہ جملہ کارنامے زبان حال سے اس کی شہرت وعظمت کی گواہی دیتے ہیں۔'' (شیر شاہ ص ۶۸۲)

اسلام شاہ : شیر شاہ کی وفات ۲۲ رمئی ۱۵۴۵ء کے بعد اس کا چھوٹا لڑکا امرائے سلطنت کے اتفاق سے اسلام شاہ کا لقب اختیار کر کے سریر آرائے سلطنت ہوا، لیکن افغان امرا کا ایک گروہ شیر شاہ کے بڑے لڑکے عادل خاں کو تخت شاہی پر بیٹھانا چاہتا تھا، چنانچہ انہوں نے عادل خاں کو اسلام شاہ کے مقابلہ میں صف آرا کر دیا لیکن فتح اسلام شاہ کو حاصل ہوئی۔

افغان امرا کی اسلام شاہ مخالف پالیسی نے ان کے حق میں اسلام شاہ کے طرز عمل کو ناشائستہ اور سخت بنا دیا، جس کی وجہ سے امرا میں بے اطمینانی کی فضا عام ہوگئی اور اسلام شاہ کا رویہ برابر معاندانہ رخ اختیار کرتا گیا۔ وہ وقتاً فوقتاً امرا کو معمولی معمولی کوتاہیوں پر قتل کرتا یا سخت سے سخت سزائیں دیتا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ پٹھانوں میں اس کے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات پیدا ہوئے اور امرا، اسلام شاہ کے حکم سے بددل ہو کر امرائے ابراہیمی

www.muftiakhtarrazakhan.com

کی طرح حکومت کا تختہ الٹنے کے درپے ہوگئے۔

ان بغاوتوں اور نفرتوں کے باوجود اسلام شاہ اپنی جنگی صلاحیتوں اور سوجھ بوجھ کی وجہ سے ساری بغاوتوں اور شورشوں کو بزور شمشیر ختم کرتا رہا اور شخصی اقتدار کی تمام تر خصوصیات کے ساتھ پوری بساط حکومت پر اس طرح حاوی رہا، کہ شیر شاہی حدود ولایت پر اس کی حکمرانی تادم آخر قائم رہی۔ شیر شاہ کی قائم کردہ مرکزیت کو اس نے بہر قیمت بحال رکھا۔ اس کے زمانہ میں باوجودیکہ ہمایوں بادشاہ نے ایران کی مدد سے افغانستان میں اپنی حکومت قائم کرلی تھی، ہندوستان کی جانب پیش رفت کی جرأت نہ کی۔

آر پی ترپاٹھی اپنی کتاب میں اسلام شاہ کے اخلاق وعادات اور اس کی منظّم ومستحکم حکومت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اسلام شاہ اپنے باپ کا لائق جانشیں تھا، وہ ادب کا شائق اور ادیبوں کا مربی تھا، اس نے شریعت اور فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی اور ان موضوعات پر عالمانہ بحث میں حصہ لے سکتا تھا، اس کی شخصی زندگی بڑی منضبط تھی، وہ کوئی نشہ استعمال نہ کرتا تھا اور مسخروں، ڈومینوں، رقاصوں یا قابل اعتراض چال چلن والی عورتوں کی صحبت پسند نہ کرتا تھا، وہ خوش اخلاق مہذب اور شائستہ تھا، اس نے اپنی شاہزادگی کے زمانہ ہی میں ایک عمدہ سپاہی اور لائق سپہ سالاری کے جوہر دکھائے اور جب وہ بادشاہ ہوا تو اس نے اپنے ماضی کے کردار کی خصوصیات میں اور اضافہ کیا بحیثیت قائد وہ اپنے ماتحتوں کے دلوں میں جوش وشجاعت کے جذبات ابھارتا تھا۔ بحیثیت بادشاہ خدا ترس رعیت پر سخت گیر محتاط اور زبردست منتظم تھا، ان خوبیوں کے باوجود اس میں کچھ خامیاں بھی تھیں، وہ تندمزاج، شکی، انتقام جو اور شقاوت کی حد تک ظالم تھا۔

بہرحال اسلام شاہ کے دوران حکومت اعلیٰ درجہ کا ضبط ونظم قائم رہا، اس کے احکامات کی پوری طرح تعمیل کی جاتی رہی، قدرت نے اسلام شاہ کو بلند خیالات سے نوازا تھا، اس نے اس بات کی کافی کوشش کی کہ ساری سلطنت میں قوانین اور اس کے نفاذ میں یکسانیت پیدا ہو۔ اسلام شاہ نے نہ صرف شیر شاہ کی چھوڑی ہوئی سلطنت کو بحال رکھا اور بغاوت کی

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہر کوشش کو کچل دیا، بلکہ حدود سلطنت کو تھوڑا سا مشرقی بنگال کی طرف اور بڑھا لیا، اگر مغل خطرہ سر نہ اٹھاتا، تو شاید وہ اپنی سلطنت کی سرحدوں کو دوبارہ حاصل کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ (مغلیہ سلطنت کا عروج وزوال ص ۱۸۴،۸۷)

کالکارنجن کے احساسات درج ذیل اقتباسات میں ملاحظہ فرمائیں:

☆''اسلام شاہ کا عہد حکومت بظاہر تو طوفانی معلوم ہوتا تھا، لیکن اصل میں اس کا عہد بڑے ہی امن وامان، فارغ البالی اور خوش حالی، ترقی وعروج کا رہا، وہ اپنے والد کی طرح نظام حکومت میں سخت تھا، اسی کی طرح جفاکش اور محنتی تھا اور تفصیلی امور حکومت پر ایسی ہی کڑی نظر رکھتا تھا۔'' (شیر شاہ اور اس کا عہد ص ۶۹۸)

☆''تاریخی نقطہ نظر سے اسلام شاہ کا عہد شیر شاہ کے عہد کا تسلسل ہے اور اس کے پنج سالہ عہد کی ایک کامیاب تفسیر۔'' (شیر شاہ ص ۶۹۹)

مبارز خاں عدلی : اسلام شاہ نے ۳۰/اکتوبر ۱۵۵۳ء میں وفات پائی، تو امرا نے اس کے کم سن فرزند فیروز شاہ کو تخت شاہی پر بٹھایا، مگر اسلام شاہ کے چچازاد بھائی اور سالے مبارز خاں نے اپنے بھانجے فیروز کو اپنی حقیقی بہن بی بی بائی کے روبرو بے دردی کے ساتھ قتل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا، اسلام شاہ کے مخالف امرا نے اس کی تائید کی، مگر اس نااہل بادشاہ میں حکومت کی بالکل صلاحیت نہ تھی۔

آر پی ترپاٹھی لکھتے ہیں:

''مبارز خاں ایک ناواقف اور عیاش آدمی تھا، اس میں ماہر موسیقی ہونے کے سوا اور کوئی خوبی نہ تھی، وہ ایک نکمہ اور اوباش آدمی تھا، جس کو امور سلطنت سے قطعاً دل چسپی نہ تھی اور نہ وہ حکومت کا سربراہ ہونے کے لائق تھا۔ اس نے عادل شاہ کا لقب اختیار کیا، لیکن افغان اس کو اندھلی (اندھا) اور ہندو اس کو ادلی (احمق) کہہ کر پکارتے۔''

(مغلیہ سلطنت کا عروج وزوال ص ۱۸۰)

نااہل عدلی کے تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد مختلف صوبوں میں انتشار وافتراق کی فضا پیدا ہوگئی اور بادشاہ کی نااہلی سے فائدہ اٹھا کر ابراہیم خاں نے آگرہ اور دہلی پر قبضہ کر کے خود

مختاری کا اعلان کر دیا۔ سکندر خاں سور نے پنجاب میں اپنی حکومت کا اعلان کر دیا، اس طرح افغانوں میں شدید خانہ جنگی شروع ہوگئی، جس کی وجہ سے شیر شاہ اور اسلام شاہ کی مضبوط حکومت کا شیرازہ بالکل منتشر ہو گیا اور افغان سلطنت حد درجہ کمزور ہوگئی۔

ہمایوں بادشاہ جو موقع کی طاق میں تھا، افغانوں کی خانہ جنگیوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہندوستان کی جانب اپنی فوج کے ساتھ بڑھا اور نہایت آسانی کے ساتھ اس نے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا، عدلی کے سپہ سالار ہیمو بقال نے مغلوں سے آخری اور فیصلہ کن جنگ ۱۵۵۶ء میں پانی پت کے میدان میں کی، مگر اسے شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔

عدلی اس وقت بہار میں تھا، اس پر خضر خاں حاکم بنگالہ نے فوج کشی کی اور خضر خاں کے مقابلہ میں ایک جنگ میں عدلی قتل کر ڈالا گیا، اس طرح دوسری افغان حکومت جسے شیر شاہ نے قائم کیا تھا، ۱۵۵۷ء میں صفحہ ہند سے مٹ گئی اور سوری پٹھانوں کا روشن چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ گیا۔

افغان قوم چوں کہ فطری طور پر بہادر اور جنگ جو تھی، اس لیے مغلوں نے انہیں اپنے ساتھ ملا کر عسکری قوت کو مضبوط کیا اور تین سو سال تک ہندوستان پر حکومت کرتے رہے، ان کی عسکری تنظیم کا اہم رکن افاغنہ تھے، جن کی صلاحیتوں سے مغلوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور انہیں صلہ وانعام اور جاگیروں سے بھی سرفراز کیا، اس طرح اگرچہ پٹھانوں کی حکومت دہلی پر قائم نہ ہوسکی، مگر شاہان دہلی کی وہ اہم ضرورت بن گئے، جن کی بنا پر افغان پورے ہندوستان میں آباد ہوئے۔

سلطنت پنچالہ

عہد قدیم میں روہیل کھنڈ کے علاقے میں ایک عظیم سلطنت پنچالہ قائم ہوئی، جس کے حدود ہمالیہ پہاڑ سے دریائے چنبل تک وسیع تھے۔ اس کی راجدھانی اہچ ہترا تھی، جو موجودہ دور میں ضلع مراد آباد کی حد سے چند میل کے فاصلے پر پرگنہ سروی ضلع بریلی میں رام نگر کے نام سے مشہور ہے، جس کا ذکر مہابھارت میں ہے۔ یہ علاقہ ویدک عہد میں پانچال کے

www.muftiakhtarrazakhan.com

سولہ مہاجن پدوں میں سے ایک اہم خطہ تھا اور گوتم بدھ کے عہد میں علاقہ پانچال پر راجا اچک کا قبضہ تھا۔

۶۳۸ء میں ہیوین سانگ چینی سیاح نے اس علاقے کا سفر کیا، اس زمانے میں اس ملک پر شیلا دتیہ کی حکومت تھی، جو بدھ مت کا پیرو تھا، جسے بہادری کی بنا پر اشوک دوم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مگر اس سے بھی پہلے یہاں بدھوں کی حکومت تھی، لیکن کوئی قدیم عمارت ان کی یہاں ایسی نہیں ملتی، جس سے پورا پتہ چل سکے، البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مراد آباد اور اس کے حوالی میں بہت تہذیب یافتہ آرین ۱۰۰۰ء سے پہلے موجود تھے، شمال میں ہم دیکھتے ہیں، کہ جس زمانے میں ہیوین سانگ ادھر سے گزرا، کاشی پور جس کا قدیمی نام گوویسانہ ہے، ایک معتبر جگہ تھی اور وہ اڑھائی میل مربع میں آباد تھا، اس کے گرد مندر، شور تالاب اور پلاؤ مچھلیوں کے تالاب تھے، جنوب وشمال کے گوشے میں گنگا کے پار قدیمی شہر آباد تھا، جس جگہ اب کندیل پور ہے، جو کرشن کے عہد میں بھشمک کے متعلق تھا۔

سات آٹھ میل کے فاصلے پر جنوب وشمال کے گوشے میں انوپ شہر سے اندر پور قدیمی شہر آباد تھا، جس کے ویرانے کو کارلائل نے کھودا اور اس میں سے قدیمی سکے اور دوسری چیزیں یونانی اور بودھوں کے عہد کی ملیں۔

۱۱۸۰ء میں مشہور پرتھوی راج چوہان جو کہ ٹومری عورت سے پیدا ہوا تھا، دلی کے تخت پر بیٹھا اور اس نے غالباً مسلمانوں کے خوف سے سنبھل میں ایک مستحکم قلعہ بنایا تھا، جہاں اس وقت تحصیل ہے اور ایک قلعہ امروہہ میں بنایا، جس کی نسبت کہتے ہیں کہ اس کی بہن رانی انبا کے نام پر اس کا نام رکھا گیا تھا، صرف تاریخوں سے اس قدر حال معلوم ہوتا ہے، مگر یہ دونوں مقام اس سے بہت پہلے آباد ہوئے ہیں۔

کٹھیر حکومت

۱۰۲۱ء میں جب سلطان محمود غزنوی نے قنوج پر حملہ کیا، تو وہاں کے کٹھیر یہ راجپوت

www.muftiakhtarrazakhan.com

جوسورج بنسی راٹھوروں کی اولاد تھے، بھاگ کر اس علاقے میں داخل ہوئے اور یہاں کے باشندوں کو نکال کر اپنی حکومت قائم کر لی اور اس کا نام کٹھیر رکھ دیا، جس کے حدود میں موجودہ اضلاع بریلی، سنبھل، مراد آباد، رام پور، بدایوں، پیلی بھیت شامل تھے، یہ خطہ پنچالہ سلطنت کا ایک حصہ تھا۔

اس کے بعد شمس الدین التمش نے اس علاقے کو فتح کیا اور دہلی سلطنت کا ماتحت بنالیا۔ مسلمانوں نے کٹھیر میں بدایوں اور سنبھل نام کی دو ریاستیں قائم کیں، مگر یہ علاقہ بدستور کٹھیر یہ راجپوتوں کے قبضے میں رہا، یہ راجپوت نہ صرف یہاں کی زمینوں پر قابض تھے، بلکہ امرا کی جاگیریں بھی بہ حیثیت مستاجران کے قبضہ میں تھیں۔

مولف طبقات ناصری نے سب مورخوں سے پہلے کٹھیر کا تذکرہ کیا، وہ لکھتا ہے کہ ''نصیر الدین محمود غلام شاہان دہلی کی فوج نے روز پنج شنبہ ۱۳ر محرم الحرام ۶۲۵ھ میا پور (ضلع سہارن پور) کے قریب گنگا کو عبور کیا اور اس نے اپنے کوچ کو پہاڑ کی تلی میں (غالبا راجہ گنگا) کے کنکرے تک جاری رہا، ان فسادات کے درمیان عز الدین درمشی تنکلہ بالی (جسے تکیہ مانی کہتے ہیں) میں یک شنبہ ۱۵ر محرم الحرام کو مارا گیا۔ اس کی موت کے بدلے میں سلطان نے کٹھیر پر دوشنبہ ۱۶ر صفر کو بہت سخت حملہ کیا۔''

یہ کٹھیر بار بار باغی ہوجاتے، جن کی سرزنش دہلی کے بادشاہ کیا کرتے، بالآخر ۱۴۱۱ء میں مسلمان حکمران اس علاقے پر دوبارہ قابض ہوگئے، ۱۵۲۶ء میں بابر کے حملے کے وقت کٹھیر والوں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، مگر کچھ عرصہ کے بعد یہ علاقہ بھی مغلوں کے زیر اقتدار آ گیا، اس علاقے کا صدر مقام بریلی مقرر ہوا۔ یہاں کی بغاوتوں کو کچلنے کے لیے اکبر اعظم نے ۱۵۷۷ء میں حکیم عبد الملک شیرازی کو بریلی کا پہلا ناظم مقرر کیا۔

۱۶۲۵ء میں راجا رام سکھ کٹھیر یہ نے شاہجہاں کے نوکروں پر کچھ زیادتی کی اور کمایوں کے راجا نے بھی ان لوگوں کی شکایت بادشاہ سے کی، اس پر بادشاہ نے نواب رستم خاں دکنی کو اس مہم پر مامور کیا، رستم خاں نے حکمت عملی سے کٹھیر یوں پر تسلط حاصل کر لیا، اپنے رہنے کے واسطے ایک قلعہ اور ایک مسجد جو پالہ کی آبادی کے مقابل گنگا کے کنارے ۱۶۲۹ء مطابق

www.muftiakhtarrazakhan.com

۱۰۴۶ھ میں تعمیر کرائی اور اس کا نام رستم آباد رکھا، پھر نام بدل کر مراد آباد رکھ دیا، ۱۶۷۰ء تک اپنے عہدے پر قائم رہا اور عالم گیر کے عہد سلطنت میں ساموگڑھ کے ایک جھگڑے میں مارا گیا۔

۱۷۱۵ء میں فرخ سیر کے عہد میں چین قلیچ خاں نظام الملک دکن کی صوبہ داری سے قبل ایک بلوے کے فرو کرنے کے لیے بھیجا گیا اور یہ علاقہ اس کی جاگیر میں دیا گیا، کچھ دنوں کے بعد دربار کی سازشوں سے نظام الملک کی جاگیر چھین کر رکن الدولہ اعتقاد خاں وزیر سلطنت کو عطا کی گئی۔

آخر شیخ عظمت اللہ خاں خلف الصدق مولوی عصمت اللہ خاں نبیرہ مولانا عبدالقادر فاروق معروف بہ قاضی زادہ لکھنؤ، مراد آباد کے حاکم مقرر ہوئے، ان کی سرکار سے داؤد خاں اور ان کے متبنیٰ نواب سید علی محمد خاں نے توسل رکھا تھا اور یہی دونوں اولوالعزم افغان روہیلوں کی حکومت کے بانی تھے۔

جہانگیر کے عہد میں شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے تعلق رکھنے والے شیخ فرید بریلی روہیل کھنڈ کے گورنر مقرر ہوئے، شاہ جہاں کے عہد میں پہلا ناظم عبداللہ خاں اور راجا نالک چند کھتری ساکن دہلی مقرر ہوا، ۱۶۵۷ء میں مکرندرائے گورنر ہوگیا، دوبارہ اورنگ زیب عالم گیر کے زمانہ میں مکرندرائے بریلی کا گورنر ہوگیا اور بریلی کے مغرب کی جانب جنگل کٹوا کر شہر آباد کیا، جو نیا شہر مشہور ہوا، مکرندرائے نے عالم گیر کے حکم سے بریلی کی جامع مسجد تعمیر کرائی۔

روہیل کھنڈ

عالم گیر کے بعد مغل حکومت کے کمزور ہوجانے پر داؤد خاں نے افغانستان سے ہندوستان آکر متعدد زمینداروں کے یہاں ملازمت کی اور اپنی لیاقت کے جوہر دکھائے اور ترقی حاصل کی، داؤد خاں نے ایک ہونہار لڑکے علی محمد خاں کو اپنا متبنّیٰ بنایا تھا، جو ۱۷۲۰ء میں داؤد خاں کے مارے جانے کے بعد ان کا وارث ہوا۔ داؤد خاں روہیلہ نے اپنی حکمت عملی

www.muftiakhtarrazakhan.com

اورفوجی طاقت کے ذریعے علاقائی راجاؤں اور زمینداروں کو زیر کرکے اس علاقے پر اپنی حکومت قائم کرلی اور دہلی کے بادشاہ سے اس کی منظوری اور نواب کا خطاب بھی حاصل کرلیا۔

افغان سردار جو علی محمد خاں کے ملازم تھے، وہ ان کا حسب حیثیت احترام نہیں کرتے تھے، اس لیے وہ افغانوں کی بغاوت سے خائف رہتا تھا، چنانچہ اس نے شاہ عالم خاں کے فرزند حافظ رحمت خاں کو بلاکر انہیں اپنی حکومت کا معتمد علیہ اور مشیر خاص بنایا اور ان کی شجاعت وذہانت سے فائدہ اٹھا کر کٹھیر کے دوسرے علاقوں کو فتح کرکے روہیلہ ریاست میں شامل کرلیا۔اس طرح داؤں خاں روہیلہ کے زیرنگیں علاقے کا نام روہیل کھنڈ پڑ گیا۔

علی محمد خاں کے بعد ان کی وصیت کے مطابق حافظ رحمت خاں روہیل کھنڈ کے والی ونواب مقرر ہوئے۔

روہیل کھنڈ میں بریلی، پیلی بھیت، رام پور، مراد آباد اور بجنور کے اضلاع شامل تھے۔

حافظ رحمت بڑھیچ افغان تھے، امام احمد رضا کے جد امجد حضرت سعید اللہ خاں کی چھٹی پشت سے حافظ الملک حافظ رحمت خاں اور امام احمد رضا کا سلسلہ نسب ایک ہوجاتا ہے۔

حافظ رحمت نے تعمیر وترقی، علما وطلبہ اور فن کاروں کی سرپرستی، مدارس ومساجد، پلوں ونہروں، عمارتوں اور قلعوں کی تعمیر میں جو دل چسپی دکھائی، وہ انہیں ایک لائق حکمراں ثابت کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔ان کی مجموعی خدمات اور شاندار کارناموں کو دیکھتے ہوئے ہم انہیں شیر شاہ سوری، سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان کے سلسلہ کی ایک کڑی سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

حافظ رحمت خاں انگریزوں اور شجاع الدولہ کی باہمی سازش کا شکار ہوکر ۱۷۷۴ء میں شہید ہوئے۔انگریز اور اودھ کے مورخین نے ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے ہیں، جو اکثر تعصب وجانبداری کا نتیجہ ہیں۔

حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد روہیل کھنڈ مکمل طور سے والی اودھ شجاع الدولہ کے زیر اقتدار ہوگیا، شجاع الدولہ نے روہیل کھنڈ کو بری طرح پامال کیا، رعایا کو خوب لوٹا گیا،

www.muftiakhtarrazakhan.com

حد یہ کہ اسلامی شعائر اور مساجد کی توہین کی گئی۔ ۱۸۰۱ء میں انگریزوں نے بریلی (روہیل کھنڈ) پر اپنا اقتدار جمالیا، اس طرح ۱۸۰۱ء سے انگریز روہیل کھنڈ پر پوری طرح قابض ودخیل ہوگئے۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے عموماً اور علما وفضلا نے خصوصا وطن عزیز کے تحفظ وبقا کے لیے جو عظیم قربانیاں دی ہیں، اس کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی، چنانچہ روہیل کھنڈ کی عوام نے والی اودھ اور انگریزوں کے اقتدار کو کبھی گوارا نہیں کیا، اس لیے ۱۷۹۴ء میں دو جوڑا (فتح گنج پچھمی) کے مقام پر نواب آصف الدولہ اور اس کے حلیف انگریزوں سے روہیلوں کی جنگ ہوئی، جس میں روہیلوں نے اپنی روایتی دادشجاعت دی، لیکن قسمت نے یاوری نہ کی، یہاں کے عوام اپنی شکست پر بے چین رہے اور یہ بے چینی بریلی کی عوام نے ۱۸۱۶ء میں مفتی محمد فیض عثمانی کی قیادت میں ظاہر کی۔ مفتی محمد فیض عثمانی، حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی کے اجداد میں تھے، حافظ رحمت خاں کے عہد میں مفتی تھے اور مسند افتا پر فائز تھے۔ اپنی مذہبی ذمہ داری ادا کرنے کے ساتھ ساتھ سیاسی رہنمائی بھی کی۔ انگریزوں کے خلاف سبز ہلالی پرچم حسین باغ میں لہرایا، یہ باغ آج بھی شہر بریلی کے مغرب میں واقع ہے۔ ہزاروں ہتھیار بند مسلمان مفتی محمد فیض کے اردگرد جمع ہوگئے اور پیلی بھیت، رام پور، شاہجہاں پور جیسے دور دراز علاقوں کے عوام بھی اس جنگ میں شریک ہوئے، انگریزوں کے مقابلہ میں پہلی بار مجاہدین کو فتح حاصل ہوئی، مجاہدین نے بریلی میں پوری طرح قبضہ کرلیا، لیکن انگریزوں نے پھر قبضہ کرلیا، اس شکست کے بعد بھی روہیل کھنڈ کے غیور عوام نے ہمت نہ ہاری اور اپنا کھویا ہوا سیاسی اقتدار وملی وقار حاصل کرنے کے لیے برابر کوشش کرتے رہے، ان کی آخری کوشش ۱۸۵۷ء کا وہ معرکہ تھا، جس میں انہوں نے امام العلما مولانا رضا علی خاں (جد امام احمد رضا خاں) کی سرپرستی اور نبیرہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں، جناب خان بہادر خاں کی قیادت میں انگریزوں سے جنگ کی، دراصل ۱۸۵۷ء میں پلان کے مطابق پورے ملک میں ایک ساتھ ایک وقت میں انگریزوں کے خلاف صف آرائی ہونی تھی، لیکن تحریک حریت قبل از وقت شروع ہوگئی نتیجتاً حریت پسندوں کی یہ کوشش ناکام ہوگئی۔ لیکن بریلی میں یہ تحریک امام العلما

www.muftiakhtarrazakhan.com

مولانا رضا علی کی سرپرستی اور خان بہادر خاں کی قیادت میں شروع ہوگئی اور کامیاب ہوئی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ امام العلما کی ذات مقدسہ غیر متنازعہ اور عوام کے لیے معتبر و موثر تھی اور ان کے دست راست جنرل بخت خاں، امام العلما کے مشورہ اور منشا کے بغیر کوئی اقدام نہیں کرتے تھے، چنانچہ تقریباً چودہ ماہ تک روہیل کھنڈ کے حریت پسند عوام نے انگریزوں کو آزاد حکومت کے حدود کے قریب پھٹکنے نہ دیا۔ یہ روہیل کھنڈ کا سنہرا دور تھا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں امام احمد رضا کے والد ماجد امام الاتقیا مفتی نقی علی خاں نے بھی بنفس نفیس حصہ لیا۔ ملک سے انگریزوں کو نکال کر باہر کرنے کے لیے ہند کے علما نے ایک جہاد کمیٹی بنائی، اس جہاد کمیٹی نے جہاد کا فتوی صادر کیا، اس جہاد کمیٹی میں امام العلما مولانا رضا علی خاں و دیگر علما کے علاوہ امام الاتقیا مفتی نقی علی خاں کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا نقی علی خاں انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے مجاہدین کو مناسب مقامات پر گھوڑے پہنچاتے تھے، آپ نے انگریز مخالف تقریر سے مسلمانوں میں جوش جہاد کا ولولہ پیدا کیا۔ بریلی کا جہاد کامیاب ہوا۔ انگریزوں کو مسلمانوں نے بریلی چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ افسوس روہیل کھنڈ کی یہ فارغ البالی اور خوش حالی عارضی ثابت ہوئی، نواب رام پور نے انگریزوں کی غلامی کا قلادہ پہن رکھا تھا۔

مغلیہ خاندان کا آخری چشم و چراغ بہادر شاہ ظفر انگریزوں کی قید میں پہنچ چکا تھا۔ اکیلا بریلی انگریزوں کی طاقت کو کہاں تک جھیلتا؟ چنانچہ ۷/جون ۱۸۵۸ء کو انگریز، روہیلہ نواب کے مقابلہ پر زبردست طاقت لے کر آ گئے، تلوار بندوق کا مقابلہ نہ کر سکی، بریلی اور اس کے نواحی علاقوں پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ انگریز بلا شرکت غیر ہندوستان کے مالک بن گئے۔ نواب خاں بہادر خان کو نیپال سے گرفتار کیا گیا اور پرانی کوتوالی موجودہ شاستری مارکیٹ میں ان کو پھانسی دے دی گئی اور ان کو ضلع جیل بریلی میں بغیر کفن کے دفن کر دیا گیا۔

خانوادہ اعلیٰ حضرت

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بن رئیس الاتقیا مفتی نقی علی خاں بن امام العلما مولانا

www.muftiakhtarrazakhan.com

رضا علی خاں بن حافظ کاظم علی خاں بن محمد اعظم خاں بن سعادت یار خاں بن شہزادہ محمد سعید اللہ خاں (شجاعت جنگ) علیہم الرحمہ۔

شہزادہ محمد سعید اللہ خاں : آپ کا نسبی تعلق افغانوں کے مشہور قبیلہ بڑھیچ سے تھا۔ ریاست قندھار کے ولی عہد تھے، جو ہندوستان تشریف لائے اور لاہور میں قیام کیا۔ آپ کی شجاعت اور حسن تنظیم کے عوض لاہور کا شیش محل بادشاہ کی طرف سے دیا گیا، نیز شش ہزاری منصب پر بھی فائز ہوئے۔ چند دنوں کے بعد دہلی کی طرف رخ کیا۔ یہاں آپ کو ''شجاعت جنگ'' کا خطاب ملا۔

جب روہیل کھنڈ میں بغاوت کے آثار نمودار ہوئے تو باغیوں کی سرکوبی حکومت کی طرف سے آپ کے سپرد ہوئی، آپ نے یہاں آکر اس بغاوت کو ختم کیا، تو حکومت کی طرف سے آپ کو بریلی میں رہنے کا حکم ملا اور آپ کو یہاں کا صوبہ دار (گورنر) بنا دیا گیا اور یہاں آپ کو ایک جاگیر دی گئی تھی جس کا بڑا اور مشہور مقام دھنیلی تھا جو ضلع رام پور میں ہے۔

(سیرت اعلیٰ حضرت)

آپ نے جب بڑھاپے کی وجہ سے ملازمت چھوڑ دی تو آخری عمر یاد الٰہی میں گزار دی۔ جس میدان میں یاد الٰہی کے لیے آپ کا قیام تھا، وہیں وصال کے بعد دفن ہوئے، بعد میں مسلمانوں نے اس میدان کو قبرستان میں تبدیل کر دیا۔ آپ کی نسبت سے یہ قبرستان شہزادے کا تکیہ کہلاتا ہے اور محلّہ معماران میں واقع ہے۔ (سیرت اعلیٰ حضرت)

سعادت یار خاں : آپ کے بیٹے سعادت یار خاں آپ کی حیات ہی میں دہلی حکومت کے وزیر مالیات (وزیر خزانہ) ہو چکے تھے، آپ نہایت عزت کے ساتھ اس عہدہ پر فائز رہے اور پوری دیانت کے ساتھ اس عہدہ کو اعزاز بخشا۔ دہلی میں آپ نے اپنی وزارت کی دو نشانیاں چھوڑیں: ایک بازار سعادت گنج۔ دوسری سعادت خاں نہر۔ (سیرت اعلیٰ حضرت)

محمد اعظم خاں : آپ کے صاحب زادے محمد اعظم بھی حکومت کی طرف سے معزز عہدوں پر فائز ہوئے، مگر آپ کی طبیعت میں فقیری اور بے نیازی تھی، لہذا آپ بہت جلد بریلی واپس آ گئے اور عبادت و ریاضت اختیار کر لی، اپنے دادا جان حضرت سعید اللہ خاں کے

www.muftiakhtarrazakhan.com

مزار کے قریب گوشہ نشیں ہو گئے اور یہیں آپ کا وصال ہوا۔ (حیات اعلیٰ حضرت)

آپ جن دنوں تکیہ معماران میں گوشہ نشیں تھے، اس زمانہ میں آپ کے بیٹے حافظ کاظم علی خاں بدایوں کے تحصیل دار تھے، حافظ صاحب اپنے والد ماجد سے ملاقات کے لیے ہر جمعرات کو یہاں سلام کے لیے آتے اور گراں قدر رقم پیش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جاڑے کے موسم میں آئے، تو دیکھا، کہ والد صاحب ایک الاؤ کے پاس تشریف فرما ہیں اور کڑاکے کی سردی پڑ رہی ہے، مگر آپ کے جسم پر کوئی کپڑا نہیں، حافظ صاحب نے اپنی قیمتی چادر اتار کر آپ کو اڑھادی، آپ نے اس کو اتار کر آگ کے الاؤ میں ڈال دیا۔ حافظ صاحب نے دل میں سوچا کہ یہ تو قیمتی چیز ضائع ہو گئی، بہتر تھا، کہ اسے کسی غریب کو دے دیتا کہ اس کا بھلا ہو جاتا، یہ وسوسہ آنا تھا، کہ حضرت محمد اعظم خاں نے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں ہاتھ ڈال کر وہ چادر کھینچ لی اور فرمایا ''کاظم'' لے اپنی چادر، فقیر کے یہاں دھکر پھکر کا کام نہیں، دیکھا تو چادر بالکل صحیح سالم تھی، آگ نے اس پر کچھ بھی اثر نہیں کیا تھا۔

حافظ کاظم علی خاں : حافظ کاظم علی خاں جیسا کہ آپ نے پڑھا، بدایوں کے تحصیل دار تھے، دو سو سواروں کی بٹالین خدمت میں رہتی تھی، آٹھ گاؤں جاگیر معافی میں ملے تھے، جو آزادی ہند کے بعد ۱۹۵۴ء تک آپ کے خاندان میں رہے۔

آپ کے زمانہ میں مغلیہ حکومت کمزور ہو چکی تھی اور انگریزوں سے کچھ نوک جھونک شروع ہو گئی تھی، آپ چاہتے تھے کہ کسی طرح کوئی تصفیہ ہو جائے، اس کے لیے آپ نے کلکتہ کا سفر بھی کیا تھا۔

آپ حضرت مولانا انوار الحق فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ سے مرید تھے، جو اعلیٰ حضرت کے مرشد گرامی حضرت سیدنا شاہ آل رسول احمد مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔

حافظ کاظم علی خاں صاحب کے دو صاحب زادے تھے، ایک مولانا رضا علی خاں، دوسرے حکیم تقی علی خاں۔

حکیم تقی علی خاں نے فن طب میں مہارت حاصل کی اور ریاست جے پور میں طبیب خاص ہوئے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

مولانا رضا علی خاں : یہ اعلیٰ حضرت کے حقیقی دادا ہیں، آپ کی ولادت ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء میں ہوئی۔ شہر ٹونک (راجستھان) میں مولوی خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم ومغفور سے علوم دینیہ حاصل کر کے ۲۲ رسال کی عمر میں فراغت حاصل کی۔ پھر مسند افتا کو رونق بخشی، اطراف واکناف میں شہرت حاصل کی۔ صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے، اس خاندان میں آپ ہی دولت علم دین لائے، تو اس خاندان کے ہاتھ سے تلوار چھوٹی اور تلوار کی جگہ قلم نے لے لی، اب اس خاندان کا رخ ملک کی حفاظت سے دین کی حمایت کی طرف ہوگیا۔ آپ نے عربی زبان میں جمعہ اور عیدین کے خطبے لکھے جو بعد میں انہوں نے اپنے شاگرد مولوی محمد حسن علمی کو دے دیے اور انہوں نے اردو اشعار کا اضافہ کر کے شائع کر دیے، جو آج تک چھپ رہے ہیں۔

آپ شیخ المشائخ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے مرید تھے، جو سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کے عظیم بزرگ تھے اور علم حدیث میں سراج الہند حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے تلمیذ رشید تھے۔

آپ صاحب کشف تھے، آپ کی بعض کرامتیں یہ ہیں:

(۱) آپ کا گزر ایک مرتبہ بریلی شہر میں کوچہ سیتارام کی طرف سے ہوا، ہولی کا زمانہ تھا، ایک ہندو عورت نے دومنزلہ سے ہولی کا رنگ آپ پر ڈال دیا، ایک مسلمان نوجوان نے اوپر چڑھ کر کچھ سختی کرنا چاہی، تو آپ نے فرمایا: بھائی! اس پر کیوں تشدد کرتے ہو؟ اس نے مجھ پر رنگ ڈالا ہے، خدا اس کو رنگ دے گا، یہ فرمانا تھا کہ وہ عورت قدموں پر آ کر گر پڑی، معافی مانگی اور مسلمان ہوگئی، حضرت نے وہیں اس نوجوان کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔

(۲) حضرت کے رشتہ داروں میں ایک صاحب وارث علی خاں آزاد مزاج شخص تھے، ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوئے اور کچھ رقم بطور قرض مانگی، آپ نے رقم تو دے دی، مگر ساتھ ہی فرمایا: اس کو بے جا خرچ نہ کیا جائے، اقرار کیا اور چلے گئے۔ مگر اسی روز ان روپیوں کو لے کر ایک طوائف کے یہاں چلے گئے، جب زینے پر پہنچے، تو دیکھا، کہ حضرت کا عصا اور چھتری رکھی ہے، الٹے پاؤں واپس آئے۔ دوسرے بالاخانے پر گئے، وہاں بھی ایسا ہی

دیکھا، تیسرے بالا خانے پر پہنچے، تو وہاں بھی یہی ماجرا تھا، آخر کار واپس آئے، فوراً حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر سچے دل سے توبہ کی۔

آپ بہترین واعظ اور خطیب تھے، آپ کی تقریر دلوں پر اثر کرتی تھی، کسی سے باتیں کرتے تو نہایت نرمی سے کرتے، سلام میں پہل کرتے، قناعت پسند تھے، تواضع اور بردباری آپ کا شیوہ تھا، علم فقہ میں مہارت تامہ حاصل تھی۔

ردفرق باطلہ : مولوی اسماعیل دہلوی کی رسوائے زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان'' جب منظر عام پر آئی، تو بریلی میں آپ ہی کے حکم سے اس کا رد لکھا گیا اور تمام بریلی کے علمائے کرام سے اس کی تصدیق کرائی گئی، پھر کتابی شکل میں اس کو شائع کیا گیا، اس مجموعے کا نام ''تصحیح الایمان ردتقویۃ الایمان'' رکھا گیا، اس کے مرتب آپ کے شاگرد ملک محمد علی خاں ہیں، مطبوعہ نسخہ تو نایاب ہے البتہ قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں ہے۔

مرزا عبدالوحید بیگ لکھتے ہیں:

''۱۷۷۴ء میں حافظ الملک حافظ رحمت خاں رحمۃ اللہ علیہ کے شہید ہو جانے کے بعد روہیل کھنڈ کا علاقہ شجاع الدولہ اور اس کے بیٹے آصف الدولہ کے قبضہ واقتدار میں ۲۶ رسال رہا۔ روہیل کھنڈ کا مرکز بریلی تھا، آصف الدولہ کے عہد حکومت میں بریلی شہر کے اندر رافضیت کو بہت فروغ ملا، محلّہ چھپی ٹولہ میں کالا امام باڑا اور مسجد آصفیہ اسی زمانے کی یادگار ہیں۔ رافضیت کا فروغ اتنا ہوا، کہ بہت سے غیر پختہ عقیدے والے سنی بھی تعزیہ کی طرف راغب ہو گئے اور انہوں نے بریلی کی جامع مسجد کے صحن کے برابر میں ایک سہ دری میں تعزیے اور علم رکھ دیے۔ حکیم مرزا حسن جان بیگ عہد آصفیہ کے خاتمہ پر جامع مسجد کے متولی ہوئے، تو انہوں نے سہ دری میں تالا لگوا دیا تا کہ تعزیہ داری کی بدعت حدود مسجد میں نہ ہو سکے، ان کے انتقال کے بعد مولانا مرزا مطیع بیگ برادر مولانا مرزا غلام قادر بیگ استاذ اعلیٰ حضرت جامع مسجد کے متولی ہوئے، تو انہوں نے امام العلما مولانا رضا علی خاں کی ہدایت کے مطابق سہ دری سے تعزیے اور علم الگ کرا دیے اور اس سہ دری کا نام نبی خانہ رکھ دیا، جس کا نام پہلے کے لوگوں نے امام باڑا رکھ دیا تھا، شہر کے بعض جاہلوں نے متولی صاحب کے اس اقدام پر بہت

شور مچایا اور ان کو بدعقیدہ کہنا شروع کر دیا، امام العلما کا بریلی کے عوام بڑا ادب واحترام کرتے تھے، امام العلما نے رد بدعت اور رافضیت میں ایک فتوی جاری کیا اور تحریر فرمایا کہ متولی کا اقدام درست ہے اور یہ سنی حنفی مسلک پر ہیں، اس فتوے پر بریلی کے دوسرے علما نے بھی دستخط کیے، اس کے بعد امام العلما خود جامع مسجد تشریف لاتے تھے اور سہ دری جس کا نام نبی خانہ رکھ دیا گیا تھا اس میں محفل میلاد کا انعقاد ہر جمعرات کو کرتے اور اس میں وعظ فرماتے، آپ کے اس وعظ کی محفلوں کے ذریعہ بریلی کی جامع مسجد سے تعزیہ داری کا وبال ختم ہوا اور جہلا نے رافضیت سے توبہ کر لی۔ (حیات مفتی اعظم ص ۲۴)

جنگ آزادی میں نمایاں کردار : آپ حریت پسند تھے، انگریزی اقتدار کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے، علمائے کرام نے جب فتوی جہاد دیا، تو آپ نے اس کی بھرپور حمایت کی اور عوام کو انگریزوں کے خلاف تیار کیا۔ مجاہدین کی پوری مدد کی، مجاہدین کو گھوڑے پہنچانے میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا۔

انگریز آپ کو بڑے بڑے حریت پسند علما کی صف میں شمار کرتے تھے، انگریز مورخ ملی سن لکھتا ہے:

''برطانوی حکام جب تمام ہند پر قبضہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے، تو اس وقت فضل حق خیر آبادی، احمد اللہ شاہ مدراسی، امام بخش صہبائی اور رضا علی بریلوی جیسے مولوی تسلط کے خلاف اپنی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔''

علمائے اہل سنت کے فتوی جہاد کا تمام ہندوستان میں اثر تھا، مگر کچھ انگریزوں کے دلال اور نجدی وہابی عقائد کے علم بردار اس کے خلاف تھے۔ خاص طور پر بریلی میں مولوی احسن نانوتوی جو بریلی کالج کے ملازم تھے، ان کو امام العلما سے دشمنی تھی، اس لیے کہ آپ ہی کی تحریر پر بریلی میں تقویۃ الایمان کا رد لکھا گیا تھا اور بریلی بلکہ روہیل کھنڈ میں وہابیت دم توڑ چکی تھی۔ ان حالات میں جب کہ امام العلما انگریزوں کے خلاف میدان میں آچکے تھے، احسن نانوتوی کو اچھا موقع ملا، کہ فتوی جہاد کی مخالفت کر کے اپنے آقا انگریزوں کو خوش کیا جائے اور امام العلما کا اثر ورسوخ بھی ختم کر دیا جائے، یا پھر اگر میدان میں آئیں گے تو

www.muftiakhtarrazakhan.com

انگریز کے ظلم کا شکار ہو کر دم توڑ دیں گے اور میدان صاف ہو جائے گا۔ پھر وہابیت کے جراثیم پھیلانے کے مواقع خوب خوب میسر آئیں گے۔

یہ تمام باتیں سوچ کر نانوتوی نے پروگرام بنایا کہ بریلی کی نومحلّہ مسجد میں جمعہ کے دن تقریر کی جائے، جہاں مجمع بھی خوب بڑا ہوتا ہے۔ لہذا نانوتوی نے انگریزوں کی حمایت میں فتویٔ جہاد کے خلاف جمعہ میں تقریر کر ڈالی۔ امام العلما نے بریلی کے عوام کو پیغام بھیج دیا، کہ اس مولوی کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔ یہ پیغام اتنا پر اثر تھا کہ سارے شہر کے مسلمان اس کے خلاف ہو گئے، بلکہ جان کے بھی دشمن بن گئے۔ لہذا نانوتوی صاحب کو جان بچا کر بریلی سے بھاگنا پڑا۔

پروفیسر ایوب قادری جو احسن نانوتوی کے سوانح نگار ہیں لکھتے ہیں:

''اگر شہر کوتوال شیخ بدرالدین کی فہمائش پر مولانا بریلی نہ چھوڑتے تو ان کی جان کو بھی خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔'' (سوانح احسن نانوتوی ص ۵)

اس کے بعد ایوب قادری نے لکھا ہے:

''پھر نانوتوی کی تقریر کے ردعمل میں انگریزوں کے خلاف نومحلّہ مسجد میں مولوی رحیم اللہ خاں نے عید کے دن سخت تقریر کی جس کی وجہ سے مسلمانوں میں بہت جوش پیدا ہو گیا، اس موقع پر جنرل بخت خاں بھی موجود تھے، اسی موقع پر انگریزوں کے تسلط کو ختم کرنے کے لیے جہاد کمیٹی بنائی گئی، جس میں سرفہرست امام العلما مولانا رضا علی خاں کا نام رکھا گیا اور آپ کو سرپرست بنا دیا گیا اور جنرل بخت خان کو مجاہدین کی فوج کا کمانڈر ان چیف نامزد کیا گیا۔ خان بہادر جونواب حافظ رحمت خاں کے پوتے تھے، وہ ان تمام کارروائی کے سربراہ تھے۔''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب جنگ آزادی کا بگل بجا تو ہر جگہ انگریزوں سے جنگ چھڑ گئی، مگر بریلی ہی ایسا مقام تھا، جہاں انگریزوں کو شکست ہوئی، باقی مقامات کے حالات ناگفتہ بہ تھے۔ بہرحال بریلی کی فتح کے بعد امام العلما کی تجویز پر خان بہادر خاں کو بریلی کا حکمراں مقرر کیا گیا اور ان کی تاج پوشی بریلی کے بازار چوک میں ہوئی۔ اس کے بعد جلد ہی

www.muftiakhtarrazakhan.com

پورے روہیل کھنڈ کو انگریزوں سے آزاد کرالیا گیا اور ایک مضبوط حکومت قائم ہوگئی۔

مگر یہ آزادی کا دور صرف ایک سال ہی رہا، ۲۱ر جون ۱۸۵۷ء میں بریلی فتح کیا گیا تھا اور ۷ر جون ۱۸۵۸ء کو دوبارہ انگریزوں نے ہر طرف سے جمع ہوکر پوری طاقت سے حملہ کیا اور بریلی پر قبضہ کرلیا۔

بتایا جاتا ہے کہ سیکڑوں لوگوں کو پھانسی دے دی گئی اور ان کی لاشوں کو درختوں پر لٹکا دیا گیا۔

امام العلما کی گرفتاری بلکہ آپ کا سر قلم کرنے پر انعام بھی رکھا گیا، مگر یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بندہ اپنے رب کی حفاظت میں رہا اور کوئی ان تک پہنچ ہی نہ سکا۔ آخر کار آپ کی ایک بڑی جائداد جو ضلع رام پور میں تھی، جس کا مرکزی مقام دھنیلی تھا، وہ ضبط کرلی گئی۔

(حیات مفتی اعظم ص ۲۷)

وصال : آپ کا وصال ۲ر جمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ کو ہوا، سٹی قبرستان بریلی میں دفن ہوئے۔

رئیس الاتقیا مفتی نقی علی خاں : آپ کی ولادت ۱۲۴۶ھ میں بریلی شہر کے محلّہ ذخیرہ جسولی میں ہوئی۔

اپنے والد ماجد مولانا رضا علی خاں سے علوم ظاہری وباطنی حاصل کیے۔ کسی دوسری جگہ آپ کو علم حاصل کرنے کے لیے نہیں جانا پڑا۔

آپ جلیل القدر عالم وفاضل، گہری نگاہ رکھنے والے مفکر، بے مثال مصنف اور کامیاب مناظر تھے، ہندوستان کے جید علما میں آپ کو نمایاں مقام حاصل تھا۔

اعلیٰ حضرت نے آپ کو تاج العلما، راس الفضلا، حامی سنت، ماحی بدت، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف فرمایا اور ساتھ ہی تحریر کیا کہ فراست صادقہ کی یہ حالت تھی کہ جس معاملہ میں جو فرمایا، وہی ظہور میں آیا، اس کے علاوہ سخاوت، شجاعت، علوئے ہمت، کرم ومروت، صدقات خفیہ، مبرات جلیہ، بلندی اقبال، دبدبہ وجلال، موالات فقرا، امر دینی میں عدم مبالات، اغنیا وحکام سے عزت، رزق موروث پر قناعت وغیرہ۔

پھر فرمایا: مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس ذات گرامی صفات کو خالق عزوجل نے

www.muftiakhtarrazakhan.com

حضرت سلطان رسالت علیہ افضل الصلوۃ والتحیۃ کی غلامی وخدمت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر شدت وغلظت اور سختی کے لیے بنایا تھا۔(جواہر البیان)

ردفرق باطلہ : رئیس الاتقیا مولانا نقی علی خاں نے خاص طور پر وہابیت کے رد وابطال میں کتابیں لکھیں، جن میں اصول الرشاد، ازالۃ الاوہام اور تزکیۃ الایقان ردتقویۃ الایمان نہایت اہم ہیں۔ آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے تعلق سے احسن نانوتوی نے جب شش مثل کا شوشہ چھوڑا تو آپ نے اس کی سرکوبی میں پوری جرأت ایمانی کے ساتھ مقابلہ کیا اور آخر میں ایک مناظرہ دینی ''اصلاح ذات بین'' کا اعلان شائع فرمایا، جس کے جواب میں نانوتوی اور اس کے حمایتیوں کی طرف سے خاموشی کے سوا کچھ بھی سامنے نہ آیا، پھر یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے دفن ہوگیا۔(حیات مفتی اعظم ص ۲۵)

آپ کے بہت سے کارناموں میں سب سے مشہور کارنامہ اعلیٰ حضرت جیسے جلیل القدر امام کی تعلیم وتربیت ہے، جو صدیوں ان کا نام نامی زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔

آپ اپنے خاندان اور احباب میں سلطان عقل مشہور تھے اور اعلیٰ حضرت کی والدہ وزیر عقل کہی جاتی تھیں۔ والدہ کا نام ''حسینی خانم'' تھا، اور آپ مغلیہ خاندان کی بڑی غیور، انتہائی ہوش منداور رائے صائب رکھنے والی خاتون تھیں۔

اعلیٰ حضرت کے نانا کا نام نواب اسفندیار بیگ تھا، آپ لکھنؤ کے رہنے والے تھے، پھر بریلی میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے والد ماجد امام المتکلمین، خاتم المحققین، رئیس الاتقیا وغیرہا القاب سے یاد کیے جاتے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے آپ کی تصانیف کی تعداد ۲۵ لکھی ہے۔

ان میں سے کچھ اہم اور مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں:

الکلام الاوضح (تفسیر سورہ الم نشرح دو جلدیں)، جواہر البیان (ارکان اسلام کی فضیلت)، سرورالقلوب، اصول الرشاد، ہدایۃ البریہ، اذاقۃ الآثام، احسن الوعا۔

آپ بریلی بلکہ روہیل کھنڈ کے عظیم مفتی تھے اور فتوی نویسی آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔

آپ مارہرہ مطہرہ میں آقائے نعمت، دریائے رحمت، سید الواصلین، سند الکاملین، قطب اوانہ، امام زمانہ، حضرت سیدنا شاہ آل رسول قدس سرہ سے بیعت ہوئے اور اسی وقت

www.muftiakhtarrazakhan.com

خلافت سے بھی نوازے گئے۔

آپ ۲۲ رشوال ۱۲۹۵ھ کو بیماری کی حالت میں ہی حج بیت اللہ اور زیارت روضہ انور کے لیے روانہ ہوئے، اعلیٰ حضرت آپ کی والدہ ماجدہ اور چند احباب ساتھ تھے، گھر سے روانہ ہوکر ممبئی پہنچے اور جہاز پر سوار ہوگئے۔

حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیما میں شیخ الاسلام حضرت علامہ سید احمد زینی دحلان مکی شافعی، شیخ حرم حضرت علامہ عبدالرحمٰن سراج حنفی، امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح جمل اللیل علیہم الرحمۃ والرضوان سے خاص طور پر ملاقات کا شرف حاصل رہا اور حدیث وفقہ کی سندیں بھی ان حضرات سے حاصل کیں۔

آخری ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ بروز جمعرات ۵۱ ربرس ۵ رماہ کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔

خانوادہ رضا میں فتوی نویسی کی روایت

خانوادۂ رضا صدیوں سے اپنی شجاعت وبسالت، دلیری اور بہادری میں ممتاز تھا، اس خانوادے نے جب میدان کارزار اور تیغ وسناں کو خیرآباد کہا اور اپنی جولان گاہ علم وعرفان کا وسیع میدان منتخب کیا، تو اس شعبہ میں بھی بڑے اہم کارنامے انجام دیے۔ علم وحکمت، شعروادب، معقولات ومنقولات کے جامع ہوئے۔ ان کے رشحات قلم نے علمی خزانوں کو نادرشہ پاروں سے بھر دیا۔ حق گوئی وبے باکی، احقاق حق اور ابطال باطل کی جہد وسعی میں یہ خاندان اپنی مثال آپ تھا۔ عشق رسالت میں سرشار اور حب نبی کے جام وسبو سے مسلمانوں کو مسرور کرنے کی جدوجہد میں ہندوستان کے ان خانوادوں میں سے ہے، جن کو عظمت ووقار کی نگاہ سے دیکھا گیا، اللہ اور اس کے رسول کے گستاخوں کے لیے شمشیر بکف رہا اور جہاد بالقلم کا اہم فریضہ انجام دیا۔ اس علمی خاندان کی ایک اہم خصوصیت فقہ وفتوی کی خدمت ہے، جس کے ممتاز علما نے مسند تعلیم وارشاد کے ساتھ فقہ وفتوی کی باوقار مجلس قائم کی اور ۱۲۴۴ھ سے ۱۴۳۹ھ تک تقریباً دوسو سال بریلی شریف کے اس دارالافتا میں فقہ وفتوی کی جو خدمت انجام دی گئی، مشکل ہی سے اسلامی ہند کی تاریخ میں اس کی مثال مل سکے گی۔

ذیل میں ہم اس خانوادے کے اہم فقہا اور مفتیان کرام کا تذکرہ کریں گے:

مولوی رضا علیٰ خاں بن محمد کاظم علی خاں بن محمد اعظم خاں بن محمد سعادت یار خاں بریلی (روہیل کھنڈ) کے مشہور عالم اور بڑھیچ پٹھان تھے، ان کے بزرگ سلاطین دہلی کے یہاں شش ہزاری وغیرہ مناصب جلیلہ پر ممتاز تھے، ۱۲۲۴ھ ۱۸۰۹ء میں پیدا ہوئے۔ مولوی خلیل الرحمٰن مرحوم سے ٹونک میں علوم درسیہ کی تحصیل کی اور ۲۳ سال کی عمر میں علوم مروجہ سے فراغت حاصل کرلی۔ اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہوئے، خصوصا علم فقہ میں بڑی مہارت تھی۔ ان کا وعظ تاثیر میں مشہور تھا۔ ۲ جمادی الاول ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء میں انتقال ہوا۔

(مولوی رحمان علی تذکرہ علمائے ہند مترجم ڈاکٹر ایوب قادری، مطبوعہ کراچی ص ۱۹۳)

مولوی رحمان علی نے مولانا رضا علی کے تعارف میں اہم ترین نشاندہی یہ فرمائی ہے کہ آپ اگرچہ ۲۳ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے تھے، مگر ہم عصروں میں ممتاز علم فقہ کی وجہ سے ہوئے تھے اور بحیثیت مفتی شہرت پائی اور یہ علم فقہ نسل در نسل اس خاندان میں پچھلے ۲ سو سال سے جاری ہے اور ہر کوئی اپنے زمانے میں علم فقہ کا ماہر رہا۔ مولوی رحمان علی نے اس بات کی نشاندہی نہیں فرمائی کہ مولانا رضا علی خاں بریلوی نے اپنے آبائی شہر میں کوئی دارالافتا قائم کیا تھا یا نہیں، البتہ اس کا ذکر آپ کے پوتے امام احمد رضا نے کئی مواقع پر کیا۔

مولوی عبدالحئی لکھنوی نے بھی اپنی تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' جلد ۷ میں مولانا رضا علی بریلوی کا تذکرہ ان لفظوں میں کیا ہے:

''مولانا محمد رضا علی خاں نے ۲۳ برس کی عمر میں علوم منقولہ و معقولہ سے فراغت حاصل کی، اپنے ہم عصروں میں بہت ممتاز ہوئے اور علم فقہ میں بڑی مہارت حاصل تھی۔''

(مولوی عبدالحئی لکھنوی نزہۃ الخواطر، جلد ۷، ص ۱۷۹، مطبوعہ کراچی)

امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جہاں اور علوم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، جس کا اظہار اپنی تصانیف میں کرتے ہیں، وہیں آپ اپنے آپ کو تاریخ کا مستند مورخ بھی ظاہر کرتے ہیں اور اپنے خاندان کی تاریخ موقع بموقع اپنے فتاوی یا دیگر تحریروں میں کرتے ہیں۔ آپ نے پچھلے صفحوں میں پڑھا کہ آپ کے جدامجد حضرت علامہ مولانا مفتی

محمد رضا علی خاں اپنے ہم عصروں میں علوم فقہ میں ممتاز تھے، مگر کسی مورخ نے اس بات کی نشاندہی نہیں کی کہ آپ نے اپنے خاندان میں دارالافتا کی بنیاد ڈالی، مگر امام احمد رضا خاں نے اپنے کئی فتاوی اور تحریروں میں اس بات کا ذکر کیا کہ ان کے جدامجد نے اپنے خاندان میں دارالافتا کی بنیاد رکھی تھی، جس پر جدامجد کے بعد ان کے والد گرامی حضرت مولانا مفتی محمد نقی علی خاں قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمہ یہ خدمت انجام دیتے رہے اور اس کے بعد خود امام احمد رضا نے مسلسل ۵۵/برس اس خدمت کو جاری رکھا۔ امام احمد رضا کی جب عمر ۴۸/سال کی تھی، آپ ایک کمیشن (۱۹۰۳ء/۱۳۲۰ھ) میں جج کو جواب دیتے ہوئے اپنے خاندان کے علوم دین کی خدمت کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''میں آباواجداد سے علوم دین کا خادم ہوں۔ ۷۴/سال سے میرے یہاں سے فتوی جاری ہے۔ تمام ہندوستان اور کشمیر برما سے مسائل کے سوالات آتے ہیں۔ ابھی ملک چین سے ۱۴/مسئلے دریافت کیے ہیں، چنانچہ لفافۂ مرسلہ چین داخل کرتا ہوں۔''

(اظہار الحق الجلی (۱۳۲۰ھ) سوال نمبر ۲ ص ۸، مطبوعہ لاہور)

امام احمد رضا نے اپنے جواب میں واضح طور پر بتایا کہ میرے خاندان سے فتوی جاری ہوئے ۷۴/سال ہوگئے اور آپ نے یہ بات اپنی عمر کے ۴۸/ویں سال میں بتائی اور وہ ہجری کا سال ۱۳۲۰ تھا، اس اعتبار سے آپ کے جدامجد نے جب اپنے خاندان میں ''دارالافتا'' کی بنیاد ڈالی ہوگی تو وہ زمانہ ۱۲۴۶ھ بنتا ہے۔

امام احمد رضا اپنے قلم سے فتوی جاری کرنے کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''بحمد اللہ تعالیٰ فقیر نے ۱۴/شعبان ۱۲۸۶ھ کو ۱۳/برس کی عمر میں پہلا فتوی لکھا، اگر سات دن اور زندگی بالخیر رہے، تو اس شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاوی لکھتے ہوئے بفضلہٖ تعالیٰ پورے پچاس سال ہوجائیں گے، اس نعمت کا شکریہ فقیر کیا ادا کرسکتا ہے۔''

(مکتوب بنام مولانا ظفر الدین بہاری، محررہ ۷/شعبان ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء بحوالہ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول ص ۲۸۰، مطبوعہ انڈیا)

امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی کے جدامجد نے خاندان بریلی میں مسند افتا کی

www.muftiakhtarrazakhan.com

بنیاد ۱۲۴۶ھ میں رکھی، مولانا مفتی محمد رضا علی خاں کی ولادت ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء ہے اور وصال ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء، اس اعتبار سے امام احمد رضا کے جد امجد نے لگ بھگ ۳۶/سال خود فتوی نویسی فرمائی، اس کے بعد آپ کے صاحب زادے مولانا مفتی نقی علی خاں قادری برکاتی بریلوی نے ۱۲۹۷ھ تک یہ خدمت جاری رکھی، مگر امام احمد رضا نے اپنے والد کی حیات ہی میں یہ خدمت اپنے ذمہ لے لی اور ۱۲۸۶ھ تا ۱۳۴۰ھ تا حیات یہ خدمت انجام دیتے رہے اور مسلسل ۵۵/سال کی اس خدمت کے باعث ۱۲/کبیر اور ضخیم جلدیں فتاوی رضویہ کے نام سے ترتیب پا گئیں۔

امام احمد رضا کی حیات میں آپ کے سب سے چھوٹے بھائی مولانا مفتی محمد رضا خاں بریلوی (م ۱۳۳۹ھ) بھی فتوی نویسی فرماتے رہے۔ آپ وراثت کے مسائل کے ماہر تسلیم کیے جاتے تھے۔ امام احمد رضا کی حیات ہی میں آپ کے دونوں صاحب زادگان حجۃ الاسلام مولانا مفتی محمد حامد رضا خاں (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) اور مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری بریلوی (م ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) اپنی اپنی حیات تک خاندان کی علمی وراثت کی خدمت افتا انجام دیتے رہے۔ امام احمد رضا خاں کے چھوٹے صاحب زادے حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں نے طویل عمر پائی، جن کی پیدائش ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء ہے اور وصال ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء ہے۔ ایک مستند روایت کے مطابق جس کو مولانا شہاب الدین رضوی نے اپنی کتاب ''مفتی اعظم ہند اور ان کے خلفا'' کے مقدمہ میں تحریر فرمائی ہے، کہ مفتی اعظم ہند نے فتوی نویسی کا آغاز ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں امام احمد رضا کے سامنے ہی کر دیا تھا اور امام احمد رضا نے آپ کو پہلا فتوی لکھنے پر مفتی کی مہر بنوا کر عطا کر دی تھی۔ چنانچہ لگ بھگ ۷۵/سال ہجری اعتبار سے آپ فتاوی لکھتے رہے اور آپ کے فتاوی بھی فتاوی مفتی اعظم ہند کے نام سے ۷/جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

امام احمد رضا کے بعد مفتی حامد رضا کو زیادہ وقت نہ ملا اور بمشکل آپ ۳۲/سال زندہ رہے، اس دوران آپ سجادہ نشیں اور دار العلوم منظر اسلام کے مہتمم ہونے کے ساتھ ساتھ دار الافتا کے بھی مفتی اعظم تھے، مگر افسوس کہ آپ کے فتاوی محفوظ نہ کیے جا سکے اور چند فتاوی مختلف جرائد میں البتہ شائع شدہ مل جاتے ہیں، لیکن اس میں دو رائے نہیں کہ فتوی نویسی میں

آپ اپنے والد گرامی کے پرتو تھے، اسی طرح مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری بریلوی بھی امام احمد رضا کی فتوی نویسی کے آئینہ تھے۔

امام احمد رضا کے بڑے صاحب زادے کے یہاں مولانا مفتی ابراہیم رضا خاں ۱۳۲۵ھ میں پیدا ہوئے اور چھوٹے صاحب زادے مفتی مصطفیٰ رضا کے گھر بڑی صاحب زادی پیدا ہوئیں، ان دونوں کا نکاح ۱۳۴۷ھ میں منعقد ہوا اور ۲۶ر محرم الحرام ۱۳۶۲ھ ر ۲ فروری ۱۹۴۳ء میں حضرت علامہ مولانا محمد اسماعیل رضا المعروف مفتی اختر رضا خاں قادری بریلوی پیدا ہوئے، اس اعتبار سے مولانا حامد رضا آپ کے جدامجد ہوئے اور مفتی اعظم ہند آپ کے سگے نانا ہوئے۔ حضرت مفتی اختر رضا خاں بچپن ہی میں مفتی اعظم سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہو گئے تھے اور ایک محفل میلاد میں حضرت مفتی اعظم نے ۱۵ر جنوری ۱۹۶۲ء ر ۱۳۸۱ھ میں آپ کو خلافت واجازت عطا فرمائی، مفتی اعظم کا چوں کہ کوئی بیٹا نہ تھا اور مفتی اختر رضا بڑے داماد کے بیٹے تھے اور علمی اعتبار سے بھی بہت مضبوط تو آپ کو اپنا جانشین بھی بنا دیا تھا، چنانچہ آپ کے وصال کے بعد آپ جانشین مفتی اعظم کے لقب سے مشہور ہوئے۔

مولانا مفتی اختر رضا خاں علیہ الرحمہ نے دارالعلوم منظر اسلام سے تعلیم حاصل کی، اسلامیہ انٹر کالج بریلی میں ریاضی، ہندی، سنسکرت، انگریزی کی تعلیم پائی اور مصر جا کر جامع ازہر سے اصول دین میں سند حاصل کی اور ۱۹۶۷ء میں بریلی شریف واپس آ کر درس وتدریس کا آغاز کیا اور ۱۹۶۷ء سے فتوی نویسی شروع کی اور مفتی اعظم ہند نے جلد ہی بریلی کے دارالافتا کی ذمہ داری آپ کو سونپ دی، چنانچہ مفتی اختر رضا خاں خود ہی اپنی فتوی نویسی کی ابتدا کی تاریخ یوں بیان کرتے ہیں:

''میں بچپن سے ہی حضرت (مفتی اعظم ہند) سے داخل سلسلہ ہو گیا ہوں، جامع ازہر سے واپسی کے بعد میں نے اپنی دلچسپی کی بنا پر فتوی کا کام شروع کیا۔ شروع میں مفتی سید افضل حسین صاحب علیہ الرحمہ اور دوسرے مفتیان کرام کی نگرانی میں یہ کام کرتا رہا اور کبھی کبھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر فتوی دکھایا کرتا تھا، کچھ دنوں کے بعد اس کام میں میری دل چسپی زیادہ بڑھ گئی اور پھر میں مستقل حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے لگا، حضرت کی توجہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

سے مختصر مدت میں اس کام میں مجھے وہ فیض حاصل ہوا، کہ جو کسی کے پاس مدتوں بیٹھنے سے بھی نہ ہوتا۔'' (ماہنامہ استقامت کان پور مفتی اعظم نمبر ص ۱۵۱، مطبوعہ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء)

حضرت مفتی اعظم ہند کے وصال ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء کے بعد آپ سلسلہ نوریہ رضویہ کے جانشین رہے اور ساتھ ہی مفتی اعظم کے مسند افتا کے بھی جانشین رہے اور آپ نے اپنے وصال تک یہ خدمت افتا جاری رکھی، اس اعتبار سے آپ نے ۱۹۶۷ء تا ۲۰۱۸ء کل ۵۰/سال فتوی نویسی فرمائی اور مفتی اعظم ہند کے جانشین کے اعتبار سے آپ نے ۳۷/سال فتوی نویسی فرماتے ہوئے ہزاروں فتاوی جاری کیے، جس کی اب تک ۴/جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور مزید جلدیں شائع کی جارہی ہیں، فتوی نویسی میں مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی مصطفیٰ رضا خاں نوری قادری علیہ الرحمہ کے بعد جو اہم ترین خدمت مفتی اختر رضا خاں نے انجام دی ہے، وہ کسی اور کے حصے میں نہ آئی اور فتوی نویسی کا سلسلہ جو مفتی رضا علی خاں سے اس خاندان میں ۱۲۴۶ھ سے شروع ہوا، امام احمد رضا کے زمانے میں اس نے عروج پایا، دور حاضر میں خانوادہ رضا کے ایک روشن چراغ شریعت کے تاج حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں قادری بریلوی الازہری کا مجموعہ فتاوی ہے جو ۵۰/سال پر محیط ہے، اس کی اشاعت ۲۰۱۴ء میں شروع ہوئی، پہلی جلد ''فتاوی تاج الشریعہ'' کے عنوان سے بریلی شریف کے مرکز الدراسات الاسلامیۃ جامعۃ الرضا سے شائع ہوئی، آپ نے اپنے فتاوی کا نام ''المواہب الرضویہ فی الفتاوی الازہریۃ'' تجویز کیا تھا، جس کو فتاوی تاج الشریعہ کے نام سے شائع کیا جارہا ہے۔

اس میں اب کوئی کلام نہیں کہ خاندان رضا پچھلی دو صدیوں سے فتوی نویسی کی خدمت انجام دے رہا ہے۔

محمد عاصم اعظمی

www.muftiakhtarrazakhan.com

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں

قدس سرہ العزیز

نام ونسب

اسم گرامی محمد، تاریخی نام المختار، جدامجد نے اسم گرامی احمد رضا تجویز فرمایا اور یہی نام مشہور عالم ہوا۔ سلسلہ نسب یہ ہے: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بن حضرت مولانا نقی علی خاں بن مولانا رضا علی خاں بن مولانا حافظ کاظم علی خاں بن مولانا شاہ محمد اعظم خاں بن حضرت محمد سعادت یار خاں بن حضرت محمد سعید اللہ خاں علیہم الرحمۃ والرضوان۔

ولادت

امام احمد رضا کی ولادت ۱۰/شوال المکرّم ۱۲۷۲ھ /۱۴/جون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ شہر بریلی کے محلّہ جسولی کے آبائی مکان میں ہوئی۔ آیت کریمہ ’’اولٓئک فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منه‘‘ سے سال ولادت مستخرج ہوتا ہے۔

تعلیم وتربیت

امام احمد رضا نے ایک علمی وروحانی خاندان میں آنکھ کھولی تھی، ابتداہی سے سعادت مندی وارجمندی اور غیر معمولی علمی استعداد کے آثار پیشانی سے ظاہر تھے۔ کشادہ پیشانی پر فراست ودانائی کا نور دیکھنے والے بآسانی سمجھ لیتے کہ یہ بچہ آگے چل کر علم وفضل کا امام اور دانش وبینش کا تاجدار بنے گا، جس کی علمی وروحانی عبقریت سے ایک عالم مستفید ہوگا۔ آپ کی رسم بسم اللہ خوانی ۱۲۷۵ھ کے اوائل میں ادا ہوئی۔ اس وقت ایک حیرت انگیز علمی

واقعہ پیش آیا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد استاذ محترم کے پڑھانے کے مطابق آپ تمام ابجدی حروف پڑھتے رہے، مگر جب ''لا'' (لام الف) کی باری آئی، تو خاموش ہوگئے۔ استاذ نے کہا، پڑھو! آپ نے فرمایا: الگ الگ تو دونوں حرفوں کو پڑھ چکا ہوں، دوبارہ کیوں؟ جدامجد مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمہ موجود تھے، آپ نے فرمایا، کہ بیٹا! استاذ کا کہا مانو! حسب حکم پڑھ لیا۔ پھر جدامجد نے الجھن دور کرنے کے لیے فرمایا، بیٹا! تمہارا پوچھنا بجا ہے، مگر بات یہ ہے کہ شروع میں تم نے جس کو الف پڑھا، حقیقت میں وہ ہمزہ ہے اور لام کے ساتھ ''الف'' ہے۔ چوں کہ الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، اس لیے ''لام'' کے ساتھ لایا گیا۔ آپ نے پھر فرمایا، اس کو کسی بھی حرف کے ساتھ لانا کافی تھا، لام ہی کے ساتھ کیوں لایا گیا؟ جدامجد نے فرط محبت میں گلے لگا کر فرمایا، بیٹا! دراصل ''لام'' اور ''الف'' میں صورتاً اور سیرتاً مناسبت ہے۔ بظاہر لکھنے میں دونوں کی صورت ایک سی ہوتی ہے اور سیرتاً اس وجہ سے کہ ''لام'' کا قلب ''الف'' ہے اور ''الف'' کا قلب ''لام'' ہے۔ یعنی وہ اس کے بیچ میں ہے اور وہ اس کے درمیان۔ آپ مطمئن ہوئے اور استاذ سے درس لینے لگے۔ (حیات اعلیٰ حضرت ص ۳۱)

رسم بسم اللہ میں تھا کس قدر اونچا سوال
محو حیرت انجمن تھی واہ یہ نوری ذہن

قرآن شریف ناظرہ پڑھنے کے بعد اردو فارسی کی کتابیں پڑھیں، پھر مرزا غلام قادر بیگ سے میزان ومنشعب وغیرہ پڑھی، اس کے بعد والد گرامی حضرت مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ سے تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، فرائض، علم کلام، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، منطق، مناظرہ، ہیئت، حساب وہندسہ کی تحصیل کی اور ان علوم وفنون کو پوری تحقیق اور بصیرت کے ساتھ حاصل کیا۔ ۱۴/شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ/۱۹/نومبر ۱۸۶۹ء کو جب آپ کی عمر تیرہ سال دس ماہ پانچ دن کی ہوئی، علوم وفنون سے فارغ التحصیل ہوئے اور دستار فضیلت سر پر باندھی گئی۔ اسی دن آپ نے رضاعت سے متعلق ایک استفتا کا جواب تحریر فرمایا۔ والد گرامی نے فقہی بصیرت اور درک فی العلم دیکھ کر مسند افتا کی ذمہ داریاں تفویض فرمادیں۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

علم وفضل

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے علوم متداولہ کی تحصیل اپنے والد بزرگوار سے کی اور ۱۲۸۶ھ میں مسند درس وافتا کو زینت بخشی، مگر تحصیل علم کا ذوق بے کراں اور تحقیق وجستجو کا شوق تاحیات باقی رہا اور خداوند تعالیٰ کی ودیعت کردہ استعداد علم وفن سے ہمیشہ اپنے علمی خزانہ میں اضافہ فرماتے رہے۔ ۱۲۹۴ھ میں استاذ العارفین حضرت مولانا سید شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور معرفت وسلوک کی تعلیم پائی۔ پھر استاذ السالکین حضرت مولانا سید ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ سے بعض تعلیم طریقت نیز ابتدائی علم تکسیر وابتدائی علم جفر وغیرہ حاصل کیا۔ شرح چغمینی کا بعض حصہ حضرت مولانا عبدالحئ رامپوری سے پڑھا، پھر فیض الٰہی نے آپ کی قوت ادراک پر علوم وفنون کے دروازے کھول دیے اور کسی استاذ کی رہنمائی کے بغیر جس علم وفن کی تحصیل کا ارادہ کرتے ادنیٰ توجہ سے اس میں مہارت تامہ حاصل کر لیتے اور اس فن پر جب کلام کرتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ کوئی مجتہد فن داد تحقیق دے رہا ہے۔ آپ نے مندرجہ ذیل علوم وفنون میں دسترس حاصل کی:

فقہ، حدیث، تفسیر، قرأت، تجوید، تصوف، سلوک، علم اخلاق، اسماء الرجال، جرح وتعدیل، سیر، تواریخ، لغت، ادب مع جملہ فنون، ارثماطیقی، جبر ومقابلہ، حساب، ستینی، لوغارثمات ولاگارثم، علم التوقیت، مناظرہ، علم الاکر، زیجات، مثلث کروی، مثلث مسطح، فلسفہ جدیدہ، مربعات، منتہی علم جفر، علم زائچہ، علم فرائض، نظم عربی، نظم فارسی، نظم ہندی، انشا نثر عربی، انشا نثر فارسی، نثر اردو، انشا نثر ہندی، خط نسخ، خط نستعلیق، منتہی علم حساب، علم ہیئت، منتہی علم ہندسہ، منتہی علم تکسیر، علم رمل خط قرآن مجید۔ (ماخوذ از سوانح اعلیٰ حضرت)

امام احمد رضا نے پچاس کسبی وہبی علوم وفنون پر گرانقدر تصانیف یادگار چھوڑیں۔ آپ کی علمی جلالت اور عبقری شخصیت کا اعتراف ملت کے اکابر علما اور دانشوروں نے کیا ہے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

☆ **شیخ محمد مختار بن عطاردی الجاری مسجد حرام مکہ معظمہ:** وان المولف من سلطان العلماء المحققین فی ھذ االزمان وان کلامه کله حق صراح فکانه من معجزات نبینا صلی الله علیه وسلم اظهره الله تعالیٰ علی ید ھذاالامام الا وحد سیدنا ومولانا خاتمة المحققین وعمدة العلماء السنیین سید احمد رضا خان متعنا الله ببقائه وحماه من جمیع من اراد به سوء.(الدولة المکیه ص ۷۲)

بے شک مولف (الدولۃ المکیہ مولانا احمد رضا خاں) اس زمانے میں علمائے محققین کے بادشاہ ہیں اوران کی ساری باتیں سچی ہیں، گویا ہمارے نبی کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہیں، جواس یگانہ امام کے دست مبارک پر حق تعالیٰ نے ظاہر فرمایا (یعنی) ہمارے سردار ہمارے آقا علمائے محققین کے خاتم، علمائے اہل سنت کے پیشوا، سیدنا احمد رضا خاں اللہ تعالیٰ ہم کوان کی زندگی سے متمتع فرمائے اوران سب سے ان کی حمایت فرمائے جوان کی بدخواہی کا ارادہ رکھتے ہیں۔

شیخ مصطفیٰ بن تازری مسجد نبوی مدینہ منورہ: الاستاذ الکامل الجامع الغیث الوابل النافع لقد افاد واجاد وارشد العباد ونور البلاد وذلک دلیل علی شرفه وجمیل سیرته وطول باعه واخلاص طوته وطیب سریرته وغزارة علمه وتبحر علمه.(الدولة المکیه ص ۱۴۶، ۱۴۷)

استاذ کامل، برستی گھٹا، فائدہ رساں نے اللہ کے بندوں کی خوب رہنمائی فرمائی اور آبادیوں کو منور کیا، یہ ان کی عظمت، سیرت جمیلہ، کامل دسترس، اخلاص نیت، پاکیزگی فطرت، حسن کمال، علم اور پاکیزہ واقفیت کی نشانی ہے۔

☆ **شیخ احمد ابوالخیر بن عبداللہ میرداد خطیب مسجد حرام:** فهو کنز الدقائق المنتخب من خزائن الذخیرة وشمس المعارف المشرقة فی الظهیرة کشاف مشکلات العلوم فی الباطن والظاهر یحق لکل من وقف علی فضله ان یقول کم ترک الاول للاخر.(حسام الحرمین ص ۱۲۷، ۱۲۸)

تو وہ حقائق کا خزانہ ہے اور محفوظ خزانوں کا انتخاب، معرفت کا آفتاب جو دوپہر کو چمکتا

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہے، علوم کی ظاہر و باطن مشکلات کھولنے والا جو شخص اس کے علم و فضل سے واقف ہو جائے اس کو کہنا چاہیے کہ اگلے، پچھلوں کے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے۔

☆ **شیخ محمد سعید بن محمد یمانی مدرس مسجد حرام** : فان من جلائل النعم التی لا نثبت فی مساحة شکرها ان قیض الشیخ الامام والبحر الهمام برکة الانام وبقیة السلف الکرام واحد ائمة الزهاد والکاملین العباد احمد رضا خان. (حسام الحرمین ص ۱۹۲)

بے شک یہ اللہ کی ان عظیم نعمتوں میں سے ہے، جس کا شکر ادا کرنے سے ہم عاجز وقاصر ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام، دریائے بلند ہمت، تمام عالم کے لیے رحمت و برکت، یادگار سلف، زاہدوں اور کاملوں میں یکتا و یگانہ یعنی احمد رضا خاں کو بھیجا۔

☆ **مجیب اللہ ندوی** : مولانا احمد رضا خاں مرحوم صاحب علم و نظر علمائے مصنفین میں تھے۔ دینی علوم خصوصا حدیث وفقہ پر ان کی نظر وسیع و گہری تھی، مولانا نے جس وقت نظر اور تحقیق کے ساتھ علما کے استفسارات کے جوابات تحریر فرمائے ہیں، اس سے ان کی جامعیت علمی بصیرت، قرآنی استحضار، ذہانت وطباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے، ان کے عالمانہ محققانہ فتاوی موافق ومخالف ہر طبقہ کے لیے مطالعہ کے لائق ہیں۔

(ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ستمبر ۱۹۶۲ء)

☆ **نیاز فتح پوری** : مولانا احمد رضا خاں کو دیکھ چکا ہوں، وہ غیر معمولی علم و فضل کے مالک تھے، ان کا مطالعہ وسیع بھی تھا اور گہرا بھی، ان کا نور علم ان کے چہرے بشرے سے ہویدا تھا، فروتنی، خاکساری کے باوجود ان کے روئے زیبا سے حیرت انگیز حد تک رعب طاری ہوتا تھا۔ (ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی شمارہ نومبر ۱۹۷۵ء)

☆ **جسٹس غلام علی** : ان کی بعض تصانیف اور فتاوی کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی، وہ بہت کم علما میں پائی جاتی ہے اور عشق خدا اور رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے۔ (ہفت روزہ شہاب لاہور ۲۰ نومبر ۱۹۶۲ء)

☆ **ڈاکٹر سید عبداللہ** : وہ بلاشبہ جید عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحب نظر مفسر

www.muftiakhtarrazakhan.com

قرآن، عظیم محدث اور سحر بیان خطیب تھے، لیکن ان تمام درجات رفیعہ سے بھی بلند تر ان کا ایک درجہ ہے اور وہ ہے عاشق رسول کا۔ (پیغامات یوم رضا ص ۳۵)

☆ **ڈاکٹر عبادت بریلوی** : مولانا احمد رضا خاں بہت بڑے عالم دین، مفکر اسلام اور عاشق رسول تھے، ان کا نام علمائے اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا، انہوں نے اپنی تصانیف سے علوم اسلامی میں گرانقدر اضافہ کیا ہے۔ (خیابان رضا ص ۴۷)

☆ **رئیس احمد امروہوی** : ان جیسا عاشق رسول، نعت گو، منقبت سرا، محدث، عالم، مصنف اور فقیہ وشارح قرآن مجید کہاں پیدا ہوتا ہے، ان کی تصانیف نثر اور ان کی شاعری کیف وسرور سے لبریز ہے، جس سے عجیب طرح کا انشراح صدر ہوتا ہے۔ وہ ایک صوفی باصفا اور عالم جلیل تھے، ایسی کمیاب شخصیتیں تاریخ ساز بھی ہوتی ہیں، عہد آفریں بھی۔

(خیابان رضا ص ۶۵)

☆ **محمد دین کلیم** : آپ اپنے عہد کے زبردست عالم بلکہ اس صدی کے مجدد ہیں، فقہ میں تو آپ کو ایک منفرد مقام حاصل تھا اور اس قدر فقہی رسائل لکھے کہ ان علمی کارناموں کی وجہ سے آپ آسمان علم وفضل کے آفتاب کی حیثیت سے جلوہ گر رہیں گے۔ آپ کی تبحر علمی کی صرف برصغیر ہندو پاک کے علما نے ہی تعریف نہیں کی بلکہ عرب وعجم کے علما وفضلا نے آپ کے علوم وفنون سے استفادہ کیا..... تمام عمر دین متین کی خدمت میں مصروف کار رہے، آپ کے مجتہدانہ کمالات کی علمائے عرب وعجم نے تعریف وتوصیف کی ہے۔ بلاشبہ آپ ایک جامع کمالات بزرگ اور نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔

(ماہنامہ عرفات لاہور ستمبر واکتوبر ۱۹۷۵ء)

☆ **پروفیسر مسعود احمد** : اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ چودھویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم، عدیم النظیر فقیہ، ولی کامل اور فقید المثال شاعر تھے۔ آپ کی بے مثال شخصیت نے اپنے عہد کو متاثر کیا..... نہ صرف علمائے ہند بلکہ علمائے حجاز بھی آپ کے تبحر علمی کے قائل ومعترف تھے۔ سرزمین حجاز میں جس والہانہ انداز سے آپ کو خوش آمدید کہا گیا، آپ کی فاضلانہ تحاریر پر جو شاندار تقاریظ قلم بند کی گئیں، ان کے مطالعہ سے آپ کی رفعت شان کا

www.muftiakhtarrazakhan.com

بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔آپ کی جملہ تحاریر بالخصوص آپ کے محققانہ فتاوی آپ کی علمیت اور تفقہ پر شاہد عدل ہیں .....ایسی جامع الصفات اور جامع الکمالات شخصیت شاذ ونادر ہی پیدا ہوتی ہے۔(پیغامات یوم رضا طبع دوم ۱۹۷۱ء ص ۳۶، ۳۸)

☆ **علامہ پیر کرم شاہ ازہری** : اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی زندگی کے یہ چند سال جس کا گوشہ علم وعمل کے نور سے منور ہے ۔جس کا لمحہ لمحہ ذکر خدا اور یاد مصطفیٰ سے معمور ہے، جو دو ہزار تالیفات کی تصنیف سے مشرف ہوئے جو پند وموعظت اور ذکر وارشاد کی محفلوں سے گونج رہا ہے جو پھیلا تو کائنات کی پہنائیوں کو شرمسار کرتا اور جو سمٹا تو عشق بن کر رہ گیا۔(مقالات یوم رضا دوم ص ۳۲)

☆ **ابوالحسن علی ندوی** : وہ حرمت سجدہ تعظیمی کے قائل تھے،اس موضوع پر انہوں نے ایک کتاب بنام ''الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ ''تصنیف کیا، یہ کتاب اپنی جامعیت کے ساتھ ان کے وفور علم اور قوت استدلال پر دال ہے۔.....وہ نہایت کثیر المطالعہ، وسیع المعلومات اور متبحر عالم تھے، رواں دواں قلم کے مالک اور تصنیف وتالیف میں جامع فکر کے حامل تھے، فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر معلومات کی حیثیت سے اس زمانہ میں ان کی نظیر نہیں ملتی، ان کے فتاوی اور الکفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم (۱۳۲۳ھ مکہ مکرمہ) اس پر شاہد عدل ہیں، علوم ریاضی، ہیئت، نجوم، توقیت، رمل ،جفر میں انہیں مہارت تامہ حاصل تھی، وہ اکثر علوم کے حامل تھے۔

(نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۴۱)

☆ **ابوالاعلیٰ مودودی** : مولانا احمد رضا خاں صاحب کے علم وفضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی نظر رکھتے ہیں۔میری نگاہ میں مولانا احمد رضا خاں مرحوم ومغفور دین علم وبصیرت کے حامل اور مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کے قابل احترام مقتدا تھے، اگرچہ ان کے بعض فتاوی وآرا سے مجھے اختلاف ہے لیکن میں ان کی دینی خدمات کا معترف بھی ہوں۔(المیزان امام احمد رضا نمبر ۱۹۷۶ء ص ۱۶)

امام احمد رضا جیسی عبقری شخصیتیں ہمیشہ پیدا نہیں ہوتیں، بلکہ سیکڑوں سال کی گردش

www.muftiakhtarrazakhan.com

لیل ونہار کے بعد ایسے بلند قامت صاحب علم وتقوی، فقیہ ومحدث، مفسر ومتکلم، صاحب طرز شاعر، بلند پایہ مصنف پیدا ہوتے ہیں اور ان کے منبع علم سے علم وفن کے صدہا چشمے جاری ہوتے ہیں، جن سے کشور علم کی کھیتیاں شاداب ہوتی ہیں اور اسلام کے باغ میں بہار تازہ آتی ہے۔

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

امام احمد رضا کی تنہا ایک ذات گوناگوں علوم وفنون کا مخزن تھی، علوم وفنون متداولہ کے علاوہ وہ ایسے علم وفن کے بھی رمز شناس تھے، جن کے جاننے والے تقریباً مفقود ہو چکے تھے، آپ صرف پچاس علوم وفنون کے جاننے ہی والے نہ تھے، بلکہ ان میں امامت کے درجہ پر فائز تھے۔ جس علم وفن پر قلم اٹھاتے ایسا محسوس ہوتا کہ پوری زندگی اس کے مطالعہ اور اس کے اسرار وغوامض کی تحقیق میں بسر ہوئی ہے۔ امام احمد رضا جیسی علمی شخصیت ہندوستان ہی نہیں، بلکہ پوری دنیائے اسلام میں ان کے عہد بلکہ ان سے صدی دو صدی پیشتر اور ان کے بعد آج تک پیدا نہ ہوسکی، وہ یقیناً عطیہ ربانی تھے اور انہیں علم لدنی کی دولت عطا ہوئی تھی۔ ان کے لیے صرف ملک سخن کی بادشاہت ہی مسلم نہ تھی بلکہ وہ علم وفن کی جس قلم رو سے گزرے اپنی علمی عظمتوں کا سکہ بٹھاتے چلے گئے۔

تدریس

اعلیٰ حضرت نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنی پوری زندگی درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تجدید دین اور اصلاح امت کے اہم فرائض کے لیے وقف کردی۔ ابتدا میں دارالافتا کی ذمہ داریاں اور دوسرے دینی امور کی وجہ سے باقاعدہ حلقہ درس قائم نہ کرسکے، مگر انفرادی طور پر تشنگان علوم نبوی آپ کے علمی فیوض سے اکتساب کرتے رہے۔ ۱۹۰۴ء میں جب مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف آپ نے قائم فرمایا، تو باقاعدہ حلقہ درس قائم ہوا اور اس ادارہ میں صحیح بخاری شریف کا درس دینا شروع کیا۔ جب مدرسہ نے ترقی کی تو صحیح

بخاری کے علاوہ، اقلیدس، تصریح، تشریح الافلاک، شرح چغمینی اور (تصوف میں) عوارف المعارف، رسالہ قشیریہ کا درس دیتے تھے، آخر الذکر دونوں کتابوں کے اسباق میں طلبہ کے علاوہ علما کی جماعت بھی شریک ہوتی تھی۔ ۱۹۰۴ء سے ۱۹۲۱ء تک منظر اسلام میں اور اس سے قبل کاشانہ اقدس پر جوق در جوق باذوق طلبہ آپ کی بارگاہ علم سے مستفیض ہوتے رہے۔ آپ کی تدریسی مہارت اور تبحر علمی کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ آپ کی درسگاہ علم وحکمت سے ایسے ایسے اعیان علم وحکمت پیدا ہوئے، جو اپنے دور کے ممتاز عالم، فقیہ، مفسر اور دانشور ہوئے۔ اس چشمہ علم سے فیض یاب ہونے والوں کی تعداد کا شمار از بس دشوار ہے، چند مشاہیر تلامذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا حسن رضا خاں، مولانا محمد رضا خاں، مولانا حامد رضا خاں، مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی، مولانا سید محمد جیلانی کچھوچھوی، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا عبد الواحد پیلی بھیتی، مولانا حسنین رضا خاں، مولانا سلطان احمد خاں، مولانا سید احمد امیر، مولانا حافظ یقین الدین، مولانا عبد الکریم، مولانا سید نور احمد چاٹگامی، مولانا منور حسین، مولانا واعظ الدین، مولانا عبد الرشید عظیم آبادی، مولانا غلام محمد بہاری، مولانا حکیم عزیز غوث، مولانا نواب مرزا، مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری، مفتی اعجاز ولی خاں، مولانا سید ایوب علی رضوی، مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری، مولانا عبد العلیم میرٹھی، مولانا برہان الحق جبل پوری، مفتی ابو یوسف محمد شریف سیالکوٹی، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا امام الدین سیالکوٹی، مولانا غلام جان ہزاروی۔

قرآن وتفسیر

امام احمد رضا قرآنی علوم اور تفسیر وترجمانی قرآن میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ فن تفسیر میں ان کی دقیقہ سنجی اور درک کا یہ عالم تھا کہ ایک موقع پر مسلسل چھ گھنٹہ تک سورۂ والضحیٰ کی تفسیر بیان کی۔ اس سورہ مبارکہ کی بعض آیات کی تفسیر لکھی تھی، جو اسی اجزا پر مشتمل تھی۔ قرآن حکیم کی ایک مکمل تفسیر لکھنی شروع کی، جو سورۂ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی بارہ آیات تک پہنچ سکی، یہ تفسیر

www.muftiakhtarrazakhan.com

مکمل ہوجاتی تو قرآن مجید کی بلند پایہ تفسیر ہوتی۔اعلیٰ حضرت نے مختلف فقہی ،کلامی اور دینی مسائل میں آیات قرآنیہ اوران کی تفاسیر سے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا،اس فن میں ان کے کمال کی بین شہادت ہے،مولانا محمد حنیف خاں قادری نے اس تفسیری کام کو یکجا کرنے کی سعی بلیغ کی ہے،وہ لکھتے ہیں:

''اب تک تقریبا چھ سوآیات کے تفسیری مباحث جمع ہوچکے ہیں ، ان کی ترتیب وتبویب جاری ہے اور درحقیقت یہ (جامع الاحادیث) کا ایک باب ہوگا ،جو کتاب التفسیر کے نام سے تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہوگا۔''(تجلیات رضا اپریل ۲۰۰۳ء)

امام احمد رضا کا ترجمہ قرآن حکیم اس بات کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ وہ فن تفسیر اور کتب تفسیر پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے۔انہوں نے دوسری مشغولیات کے باوجود قرآن حکیم کا ترجمہ زبانی املا کرایا۔لغت یا تفسیر کی کتاب پیش نظر نہ ہوتی ،مگر جب ان کا مقابلہ کتب تفاسیر سے کیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ یہ ترجمہ معتبر تفاسیر کے عین مطابق ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں الفاظ وآیات قرآنیہ کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی عجیب وغریب صلاحیت عطا فرمائی تھی ،کنزالایمان قرآنی حقائق ومعارف کا آئینہ ہے۔ایجاز واختصار کے باوجود مفہوم قرآن کو دل کی گہرائیوں تک اتار دیتا ہے اور شان الوہیت وشان رسالت کا احترام پورے طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔زبان وبیان کے لحاظ سے بھی یہ ترجمہ سلیس ،شگفتہ اور رواں ہے جو روح قرآن اور عربیت سے بہت قریب ہے۔تفسیر اور علوم قرآن پر آپ کی ۱۶/کتابیں فہرست تصانیف امام احمد رضا میں درج کی گئی ہیں،جن میں **کنز الایمان،تفسیر سورۃ والضحیٰ ، تفسیر باء بسم اللہ ، النفحۃ الفاتحۃ من مسک سورۃ الفاتحۃ، معالم التنزیل ، حاشیۃ الاتقان للسیوطی** قابل ذکر ہیں۔

علم حدیث

امام احمد رضا احادیث رسول کے حافظ اور اصول روایت ودرایت کے زبردست عالم

www.muftiakhtarrazakhan.com

تھے،فن اسماء الرجال اور جرح وتعدیل کے امام تھے،آپ نے جس دینی موضوع پر قلم اٹھایا، حق کی تائید اور باطل کی تردید میں احادیث نبویہ اس کثرت سے پیش فرمائیں کہ اہل ایمان کی نگاہیں روشن اور مخالفین کو یارائے سخن نہ رہا۔آپ کو والد ماجد مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ اور سید شاہ آل رسول مارہروی علیہ الرحمہ وحضرت سید عابد سندھی اور شیخ الاسلام حضرت علامہ احمد زینی دحلان مفتی مکہ مکرمہ سے سند حدیث کی اجازت حاصل تھی،علوئے اسناد کے لحاظ سے ہند ہی نہیں بلکہ حجاز کے محدثین میں بھی کوئی آپ سے فائق نہ تھا۔خود فرماتے ہیں:

میں نے خیال کیا، کہ حدیث میں کسی کی سند میری سند سے عالی ہو تو میں ان سے سند لے کر علوم حاصل کروں،مگر بفضلہٖ تعالیٰ تمام علما سے میری سند عالی تھی۔

(الملفوظ ج۲ص۲۸)

۱۳۲۳ھ میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت دوسری بار حرمین شریفین تشریف لے گئے تو علمائے حرمین نے آپ کا بڑا اعزاز واکرام کیا،مکہ اور مدینہ کے بڑے بڑے علما نے آپ سے سندات حدیث حاصل کیں۔علمائے مکہ نے آپ کی جو قدر ومنزلت کی اس کا اندازہ شیخ اسماعیل خلیل علیہ الرحمہ کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے۔

''اہل مکہ جوق در جوق آپ کے اردگرد جمع ہوگئے،بہت سے حضرات نے آپ سے التجا کی کہ ان کو سند اجازت مرحمت فرمائی جائے،چنانچہ ان کے اصرار کی وجہ سے ایسا ہی کیا گیا۔(فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں،ص۷۵)

جن علمائے حرمین کو زبانی وتحریری سندیں عطا ہوئیں ان میں کچھ اہم نام یہ ہیں:

مولانا سید عبدالحئ مکی م۱۳۳۲ھ،شیخ حسین جمال بن عبدالرحیم،مولانا شیخ صالح کمال م۱۳۲۵ھ،مولانا سید اسماعیل خلیل م۱۳۳۰ھ،سید مصطفیٰ خلیل م۱۳۳۹ھ،شیخ احمد خضر راوی، شیخ عبدالقادر کردی م۱۳۴۶ھ،شیخ فرید م۱۳۳۵ھ،سید محمد عمر،شیخ عمر بن حمدان محرسی،سید مامون بری،شیخ الدائل شیخ محمد سعید۔

اعلیٰ حضرت کے تبحر فی الحدیث کے بارے میں محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:علم حدیث کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں،ہر وقت

پیش نظر اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے، اس کی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت از بر، علم حدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے، اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح وتعدیل کے جو الفاظ فرمادیتے تھے، اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب وتہذیب اور تذہیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا۔ یحییٰ نام کے سیکڑوں راویان حدیث ہیں، لیکن جس یحییٰ کے طبقہ واستاذ وشاگرد کا نام بتادیا تو اس فن کے خود اعلیٰ حضرت موجد تھے، کہ طبقہ واسما سے بتادیتے تھے کہ راوی ثقہ ہے یا مجروح، اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت اور خداداد علمی کرامت۔ (خطبہ صدارت ناگ پور ۱۳۷۹ھ)

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: اعلیٰ حضرت علم حدیث میں فرد تھے، اپنا ہمتا نہ رکھتے تھے اور علم رجال میں ان کو وہ دست گاہ حاصل تھی کہ ایک ایک راوی کے حالات نوک زبان پر تھے اور معنی میں بحث ناسخ ومنسوخ کی تمیز یہ تو ان کا خاص فن تھا۔ (ماہنامہ اشرفیہ ستمبر ۱۹۷۷ء ص ۳۴)

متقدمین ومتاخرین حفاظ حدیث کی طرح امام احمد رضا کا حافظہ بھی نہایت قوی تھا، جو بات ایک بار پڑھ لیتے یا سن لیتے نقش کالحجر بن کر ان کے حافظہ میں محفوظ ہوجاتی، آپ کی قوت حفظ وضبط کا اندازہ اوپر کے بیانات سے ہوچکا ہے مزید ایک واقعہ ہدیہ ناظرین ہے:

ایک بار پیلی بھیت میں حضرت محدث سورتی کے یہاں **العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ** کی بات آئی، جو اتفاق سے حضرت فاضل بریلوی کے کتب خانہ میں اس وقت تک نہیں تھی، اس لیے اسے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا اور فرمایا کہ بریلی واپس ہوتے وقت اسے مجھے عنایت کردیجیے گا، حضرت محدث سورتی نے بخوشی وہ کتاب حاضر کردی اور کہا کہ بعد مطالعہ اسے ارسال فرمادیں اسی روز واپسی کا عزم تھا، مگر ایک عقیدت مند کی دعوت اور اس کے اصرار پر رک گئے عقود الدریہ دوجلدوں میں تھی آپ نے شب بھر میں دونوں جلدوں کا مطالعہ فرمالیا اور دوسرے روز بعد نماز ظہر جب واپسی کی تیاری ہونے لگی تو آپ نے عقود الدریہ کے بارے میں ملک العلما حضرت مولانا ظفر الدین بہاری سے فرمایا، یہ

کتاب محدث صاحب کو دے آؤ، انہیں تعجب تو ہوا مگر احتراماً کچھ بول نہ سکے، وہ الوداع کہنے کے لیے گھر سے نکلنے ہی والے تھے، انہوں نے کتاب واپس کرتے ہوئے وہی جملہ دہرایا۔ مختصر یہ کہ محدث سورتی نے فرمایا کہ رات بھر کے مطالعہ سے اس کی ضرورت ختم ہوگئی، بس ایک مرتبہ دیکھ لینا کافی ہوگا؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ دو تین مہینہ تک تو جہاں کی عبارت کی ضرورت ہوگی فتاوی میں لکھ دوں گا اور مضمون تو ان شاء اللہ عمر بھر کے لیے محفوظ ہوگیا۔ (حیات اعلیٰ حضرت جلد ا ص ۳۹)

شیخ المحدثین حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ امام احمد رضا کو امیر المومنین فی الحدیث کہا کرتے تھے اور مجلسوں میں اپنے پیرومرشد مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہ کرتے، بلکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ذکر جمیل ہمیشہ کیا کرتے، آپ کے شاگرد محدث اعظم ہند کا بیان ہے، کہ میں نے عرض کی، میں آپ کے پیرومرشد کا تذکرہ نہیں سنتا اور اعلیٰ حضرت کا آپ خطبہ پڑھتے رہتے ہیں؟ فرمایا، کہ جب میں نے پیرومرشد سے بیعت کی تھی، بایں معنیٰ مسلمان تھا، کہ میرا سارا خاندان مسلمان سمجھا جاتا تھا، مگر جب میں اعلیٰ حضرت سے ملنے لگا، تو مجھ کو ایمان کی حلاوت مل گئی، اب میرا ایمان رسمی نہیں، بلکہ بعونہ تعالیٰ حقیقی ہے، جس نے حقیقی ایمان بخشا، اس کی یاد سے اپنے دل کو تسکین دیتا رہتا ہوں، میں نے عرض کیا، کیا وہ علم حدیث میں آپ کے برابر ہیں؟ فرمایا، ہرگز نہیں، پھر فرمایا، شہزادہ صاحب آپ کچھ سمجھے کہ ہرگز نہیں کا کیا مطلب؟ سنیے کہ اعلیٰ حضرت امیر المومنین فی الحدیث ہیں، اگر میں سالہا سال ان سے اس فن میں تلمذ کروں، تو بھی ان کا پاسنگ نہ ٹھہروں۔ (خطبہ صدارت یوم اعلیٰ حضرت منعقدہ شوال ۱۳۷۹ھ بمقام ناگ پور)

محدث سورتی نے ایک بار عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں استفسار کیا اور حدیثیں دریافت کیں تو فاضل بریلوی نے اس کے جواب میں بیس احادیث ذکر فرمائیں۔ (حجاز دہلی ستمبر ۱۹۷۹ء)

امام احمد رضا حفظ حدیث کے ساتھ اس کے اسناد ورجال اور صحت وسقم، قوت وضعف

www.muftiakhtarrazakhan.com

کے ماہر اور معانی حدیث کی گہرائیوں سے کماحقہ واقف تھے، جو ایک مجتہد اور فقیہ کی خصوصیت ہوا کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی بلند پایہ مصنفات کا ورق ورق احادیث وآثار کے موتیوں سے تابندہ ہے، فاضل بریلوی کی محدثانہ عظمت کو ظاہر کرتی ہے، اس سلسلے میں فتاوی رضویہ کی بارہ ضخیم جلدیں ثبوت مسائل پر پیش کی گئی حدیثوں کا بحر بے کراں ہیں، اس کے علاوہ حدیث اور متعلقات حدیث سے متعلق آپ کی مندرجہ ذیل مصنفات قابل ذکر ہیں:

منیر العینین فی حکم تقبیل الابھامین ، الھاد الکاف فی حکم الضعاف ، حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین ، الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی، صفائح اللجبین فی کون التصافح بکفی الیدین، الروض البھیج فی آداب التخریج ، النجوم والثواقب فی تخریج احادیث الکواکب، فصل القضاء فی رسم الافتاء، مدارج طبقات الحدیث ، حاشیة البخاری ، حاشیة مسلم، حاشیة نسائی، حاشیة ابن ماجة، حاشیة تیسیر شرح جامع صغیر، حاشیة طحاوی ، حاشیة جامع ترمذی، حاشیة مسند امام اعظم، حاشیة کتاب الحجج، حاشیة کتاب الآثار، حاشیة مسند امام احمد بن حنبل، حاشیة سنن دارمی، حاشیة الخصائص الکبری للسیوطی، حاشیة کنز العمال ، حاشیة الترغیب والترھیب، حاشیة القول البدیع للامام السخاوی، حاشیة نیل الاوطار، حاشیة المقاصد الحسنة ، حاشیة عمدة القاری شرح بخاری، حاشیة فتح الباری شرح بخاری، حاشیة ارشادالساری شرح بخاری، حاشیة جمع الوسائل فی شرح الشمائل، حاشیة مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، حاشیة التعقبات علی الموضوعات، حاشیة اشعة اللمعات شرح مشکوة، حاشیة اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة ، حاشیة ذیل اللآلی، حاشیة الموضوعات الکبیر للعلی القاری ، انباء الحذاق بمسالک النفاق، تلالؤ الافلاک بحلال حدیث لولاک، سمع وطاعة فی

احادیث الشفاعة، الاحادیث الروایة لمدح الامیر معاویة، ذیل المدعاء لاحسن الوعاء، اسماء الاربعین فی شفاعة سید المحبوبین، القیام المسعود بتنقیح المقام المحمود، الاجازة الرضویة لمبجل مکة البهیة، الاجازة المتینة بعلماء بکة والمدینة، النور والبهاء فی اسانید الحدیث وسلاسل اولیاء الله، الافادات الرضویة، شرح نخبة الفکر، حاشیة فتح المغیث، البحث الفاحص عن طرق احادیث الخصائص ، حاشیة نصب الرایة لتخریج احادیث الهدایة، حاشیة کشف الاحوال فی نقد الرجال، حاشیة العلل المتناهیة، حاشیة تقریب التهذیب، حاشیة تهذیب التهذیب، حاشیة الاسماء والصفات، حاشیة الاصابة فی معرفة الصحابة، حاشیة تذکرة الحفاظ حاشیة میزان الاعتدال ، حاشیة خلاصة تهذیب الکمال ، حاشیة مجمع بحار الانوار .(تصانیف امام احمد رضا ص ۱۸ ،تا ۲۱)

امام احمد رضا نے حدیث کی کوئی ضخیم کتاب تصنیف نہیں کی ،لیکن مسائل کے ثبوت میں بکثرت احادیث رسول پیش کرتے ہیں اور حدیث کے الفاظ ومعانی اس کی سند کی تحقیق اور رجال کی جرح وتعدیل اور اصول حدیث کے جو مباحث ذکر کرتے ہیں ان کی محدثانہ بصیرت اور تعمق فی الحدیث کا واضح ثبوت ہیں۔

(۱) **الامن والعلیٰ**: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دافع البلاء ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔ وجہ اول میں متعدد آیات کریمہ اور ساٹھ احادیث پیش کی گئی ہیں۔ وجہ دوم میں ۴۴/ آیات اور ۲۴۰/ احادیث کریمہ درج فرمائی گئی ہیں۔

(۲) **جزاء الله عدوه بابائه ختم النبوة** : میں تیس نصوص قطعیہ کے علاوہ ایک سو تیس احادیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی وضاحت کی ہے۔

(۳) **دوام العیش فی الائمة من قریش** : میں بانوے اقوال مفسرین وفقہا کے علاوہ پچاس حدیثوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ خلافت شرعیہ کے لیے قرشیت قطعی

www.muftiakhtarrazakhan.com

اجماعی ہے۔

(٤)منیر العینین فی تقبیل الابہامین اور **(٥)حاجز البحرین** کے مطالعہ سے بھی یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اعلیٰ حضرت اپنے زمانہ کے عظیم محدث، ماہرفن رجال اور دانائے رموز واسرار حدیث تھے۔

حضرت مولانا حنیف خاں قادری نے اعلیٰ حضرت کی دستیاب کتابوں کے مطالعہ سے مسائل کے ثبوت میں آپ کی بیان کردہ احادیث کی تخریج کی ہے اوران احادیث کودس ضخیم جلدوں میں مرتب کیا ہے، جسے امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف نے شائع کرایا ہے، موصوف کی اس علمی کاوش نے ان معاندین کا منہ بند کردیا، جو یہ کہا کرتے تھے کہ مولانا احمد رضاعلم حدیث میں قلیل البضاعت ہیں۔

فقہ

امام احمد رضا فقہ میں اعلیٰ بصیرت کے حامل تھے اور وہ اس فن میں مجتہدانہ شان کے مالک تھے، اس علم میں آپ کا سلسلہ سند مفتی احناف مکہ مکرمہ حضرت شیخ عبدالرحمٰن سراج سے شروع ہوکر سات واسطوں سے ہوتا ہوا شیخ احمد بن یونس شلبی تک پہنچتا ہے۔ پھر وہاں سے سولہ واسطوں سے امام اعظم ابوحنیفہ کے ساتھ منسلک ہوجاتا ہے، پھر وہاں سے تین واسطوں سے مشہور صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، پھران کے واسطہ سے شارع اسلام حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات پر منتہی ہوتا ہے، اس طرح ستائیس واسطوں سے اعلیٰ حضرت کی فقہی سند صاحب شریعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔

امام احمد رضا ایسے عبقری فقیہ تھے، جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، اس علم میں ان کی جامعیت وکمال اور فقہ کے مصادر ومآخذ نیز اقوال ائمہ وفقہا پر کامل عبور کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ محض تیرہ سال کی عمر میں مسند افتا پر جلوہ افروز ہوئے اور پوری عمر ہندو بیرون ہند سے آنے والے استفسارات کا مدلل اور مبرہن جواب تحریر فرماتے رہے۔ اکثر

www.muftiakhtarrazakhan.com

وبیشتر فتوے ایسے بھی ہیں جو ایجاز کے باوجود عقلی ونقلی شواہد ودلائل کی کثرت سے مستقل کتاب کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔فقہ میں آپ کا عظیم کارنامہ ''العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویه '' ہے جو بارہ ضخیم جلدوں میں ہزاروں صفحات پر پھیلا ہوا ہے، جسے بجا طور پر گنجینۂ علوم ومعارف اور فقہی انسائیکلو پیڈیا قرار دیا جاسکتا ہے، جن اہل علم کی نگاہوں سے یہ کتاب گزرتی ہے وہ آپ کی فقہی بصیرت اور مجتہدانہ صلاحیت کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔

حضرت شیخ سید اسماعیل محافظ کتب خانہ حرم شریف مکہ مکرمہ، فاضل بریلوی کی فقہی تحقیق پر اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

واللہ اقول والحق اقول انه لو رآه ابو حنیفة النعمان لاقرت عینه ویجعل مولفها من جملة الاصحاب.(الاجازة المتینة ص ۹)

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور بالکل سچ کہتا ہوں کہ اگر اسے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ دیکھتے تو بلاشبہ یہ مسئلہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا اور یقیناً اس کے مولف کو اپنے اصحاب (امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر رضی اللہ عنہم) میں شامل فرما لیتے۔

(امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں ص ۲۵)

ڈاکٹر سر محمد اقبال اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ''وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے، فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا، ان کے فتوی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور ہندوستان کے کیسے نابغۂ روزگار فقیہ تھے، ہندوستان کے اس دور متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا۔'' (حیات مولانا احمد رضا خان ص ۱۸)

مولانا عبدالحئ حسنی نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں: ''فقہ حنفیہ اور اس کی جزئیات پر مولانا احمد رضا خاں کو جو عبور حاصل ہے، اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے اور اس دعوی پر ان کا مجموعہ فتای شاہد ہے، نیز ان کی تصنیف **کفل الفقیه الفاهم** جو ۱۳۲۳ھ میں مکہ مکرمہ میں لکھی گئی تھی، انہوں نے حرمین شریفین کے قیام کے زمانہ میں بعض رسائل بھی لکھے اور علمائے حرمین

www.muftiakhtarrazakhan.com

نے بعض سوالات کیے، تو ان کے جوابات بھی تحریر کیے، متون فقہ اور اختلافی مسائل پر ان کی ہمہ گیر معلومات، سرعت تحریر اور ذہانت کو دیکھ کر سب کے سب حیران و ششدر رہ گئے۔''

(نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۴۱)

کاغذ کے نوٹ کا مسئلہ عرب و عجم میں تشنہ تحقیق تھا، بڑے بڑے علما اس کی شرعی حیثیت کا قطعی حکم دینے سے قاصر تھے، چنانچہ مکہ مکرمہ کے مفتی احناف مولانا جمال رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جزئیہ کا کما حقہ حکم شرع بیان کرنے سے اپنا عذر **العلم امانۃ فی اعناق العلماء** کہہ کر پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت کا فقہی کمال ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ کی صحیح صورت دلائل و براہین کی روشنی میں جزئیات کے حکم کے ساتھ پیش فرمایا تھا۔ قیام مکہ ۱۳۲۳ھ کے دوران مولانا عبداللہ میرداد اور مولانا محمد احمد جداوی نے نوٹ سے متعلق ایک استفتا پیش کیا، جس میں بارہ سوالات تھے، اعلیٰ حضرت نے ان سوالوں کے جوابات تحریر فرمائے، جو **کفل الفقیۃ الفاھم فی احکام القرطاس الدراھم** کے نام سے شائع ہوا، علمائے عرب و عجم اس تحقیق سے انگشت بدنداں رہ گئے اور خدا کا شکر ادا کیا کہ انہیں ایسا نابغۂ روزگار فقیہ میسر آیا۔

کتب خانہ حرم میں مکہ کے جلیل القدر عالم مولانا عبداللہ بن صدیق مفتی حنفیہ نے کتاب کے مسودہ کا مطالعہ کیا اور اس مقام پر پہنچے جہاں اعلیٰ حضرت نے فتح القدیر سے یہ عبارت نقل فرمائی: ''**لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ**'' یعنی اگر کوئی شخص اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو بلا کراہت جائز ہے تو پھڑک اٹھے اور اپنے زانو پر ہاتھ مار کر بولے ''**این جمال ابن عبداللہ من ھذا النص الصریح**'' یعنی حضرت جمال بن عبداللہ کہاں اس نص صریح سے غافل رہ گئے؟

(سوانح اعلیٰ حضرت ص ۳۰۷)

امام احمد رضا کی فقہی عظمت اور مجتہدانہ قوت استدلال اور مسائل کے دقیق جزئیات تک رسائی ان کا وہ ملکہ اور خاصہ ہے، جو معاصرین علما تو درکنار دسویں صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک ایسا کوئی بالغ نظر فقیہ دکھائی نہیں دیتا، مسائل کی تحقیق، دلائل

www.muftiakhtarrazakhan.com

کی قوت پر پوری فتاوی رضویہ شاہد عدل ہے۔ تیمّم کی تعریف و ماہیت شرعیہ سے متعلق ایک سوال پوچھا گیا، اعلیٰ حضرت نے جو محققانہ مفصل اور بسیط جواب تحریر فرمایا، وہ فتاوی رضویہ جلد اول کے ص ۵۸۶ سے ۸۵۰ تک دوسو چونسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ دلائل سے معمور ہے۔ پہلے تیمّم کی سات تعریفیں ذکر کیں۔ کتب فقہ میں تیمّم سے متعلق جو عبارتیں ہیں، انہیں بیان کیا اور سیر حاصل تبصرہ فرمایا۔ مطابقت و موافقت ظاہر کیں، اجمال کی تفصیل اور ابہام کی توجیہ ایسے محققانہ انداز سے فرمائی، کہ ائمہ دین اور فقہائے امت کی جملہ تصریحات کو پیش نظر رکھ کر اپنے کمال اور زور استدلال سے تاریخ فقہ میں ایک نیا ریکارڈ قائم کر دیا۔ کتب فقہیہ میں جواز تیمّم کے لیے پانی نہ ملنے کی چالیس پچاس سے زیادہ صورتیں نہ دیکھی گئیں، جن میں عذر عند الشرع مقبول ہو، لیکن فاضل بریلوی نے پانی سے عجز کی پونے دوسو صورتیں بالتربیت بیان فرمائیں۔

فقہ میں آپ کی چند کتابوں کا نام ملاحظہ فرمائیں:

فتاوی رضویه باره جلدیں، جد الممتار علی ردالمحتار کامل پانچ جلدیں، کفل الفقیة الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم، حاشیة فواتح الرحموت ، شرح مسلم الثبوت، حاشیة الحموی شرح الاشباه والنظائر، حاشیة فتاوی عالم گیری، حاشیة کتاب الخراج ، حاشیة هدایة، حاشیة فتح القدیر، حاشیة الجوهر النیرة، کاسر السفیه الواهم فی ابدال قرطاس الدراهم، التاج المکلل فی انارة مدلول کان یفعل، النهی الاکید فی نهی الصلوة وراء عدی التقلید، سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلوة العید، النیرة الوضیة شرح الجوهرة المضیئة، السنیة الانیقة فی فتاوی افریقة، احکام شریعت.

فقہ اور اصول فقہ پر اعلیٰ حضرت کی معلوم کتابوں کی فہرست تصانیف امام احمد رضا میں ملاحظہ فرمائیے جن کی مجموعی تعداد ۲۵۹ رہے، یہ وہ عظیم فقہی کارنامہ ہے جس کی نظیر مشکل ہی سے پیش کی جاسکتی ہے۔

عقائد وکلام

خلافت راشدہ کے دور آخر میں اعتقادی فرقے وجود میں آنے لگے، پھر ہر دور میں مسلم سوسائٹی کے اندر ایسے مفسد عناصر پیدا ہوتے رہے، جنہوں نے قرآن وسنت کے علی الرغم گمراہ کن عقیدے گڑھے، ان کے ثبوت میں دلائل پیش کیے اور ان کی اشاعت کی۔ مسلمانوں کے اندر دین سے انحراف کی راہ نکالی، ہر دور میں علمائے حق نے گمراہ فرقوں کے مزعومات کی تردید فرمائی اور باطل عقائد ونظریات کی قلعی کھول دی، ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے زیر اثر کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے، جنہوں نے سلف صالحین کے عقائد سے انحراف شروع کیا اور طرح طرح کے باطل افکار ونظریات شائع کر کے مسلمانوں کو بد دین اور گمراہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ امکان کذب باری تعالیٰ، تنقیص شان انبیاء ومرسلین، امتناع نظیر، شیطان کے علم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے بڑھانا، ختم نبوت سے انکار وغیرہ جیسے باطل نظریات پھیلنے لگے، تو امام احمد رضا فاضل بریلوی نے ان باطل عقائد ونظریات کی تردید فرمائی اور صحیح اسلامی عقائد ونظریات کو کتاب وسنت کی روشنی میں پیش کیا اور باطل کی دھجیاں بکھیر دیں۔

امام احمد رضا نے احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے جو قلمی کاوش فرمائی ''تصانیف امام احمد رضا'' کی رو سے اس فن میں ان کی کتابوں کی تعداد ۱۲۴ ر ہے۔ چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:

العقائد والکلام، السعی المشکور، قوارع القهار علی المجسمة الفجار، الجرح الوالج فی بطن الخوارج، مطلع القمرین فی ابانة سبقة العمرین، الصمصام الحیدری، مبین الهدیٰ فی نفی امکان المصطفیٰ، الفرق الوجیز بین السنی العزیز والوهابی الرجیز، حاشیة شرح فقه اکبر، سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح، الکوکبة الشهابیة، خالص الاعتقاد.

www.muftiakhtarrazakhan.com

کلامی مباحث کا ایک بنیادی مقصد غیر اسلامی تصورات وافکار خاص طور پر فلسفہ یونان کے باطل مزعومات کی تردید ہے جو اسلامی عقائد سے متصادم ہوتے ہیں۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی میں ہے:

لما نقلت الفلسفة عن اليونانية الى العربية وخاض فيها الاسلاميون .....حاولوا الرد على الفلاسفة فيما خالفوا فيه الشريعة..... وهذا كلام المتاخرين.

جب فلسفہ یونانی زبان سے عربی میں منتقل ہوا اور مفکرین اسلام نے اس پر غور کیا .....تو فلسفہ کے (ان مسائل کے) رد کی کوشش کی جن میں وہ شریعت (حصہ اسلامیہ) سے مختلف ہیں اور یہی کلام متاخرین ہے۔

علمائے اسلام نے فلسفہ یونان کے اثرات بد سے بچانے کے لیے اس کی تردید میں اپنی کلامی کاوشیں صرف کیں۔ امام غزالی نے ''تھافۃ الفلاسفۃ'' لکھ کر ارسطو کے فلسفیانہ نظریات کی بیخ کنی کی، اس طرح انہوں نے دنیائے اسلام پر ایک عظیم احسان کیا اور وہ مسلمانوں میں حجۃ الاسلام کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ہندوستان کی تاریخ میں مغل سلاطین کا عہد علمی اور فنی ترقی کا زریں عہد خیال کیا جاتا ہے، اس دور میں معقولات کو خاص اہمیت دی گئی اور یونانی منطق وفلسفہ کو درسگاہوں میں اتنا رسوخ حاصل ہوا کہ نصاب تعلیم میں منطق وفلسفہ کا عنصر غالب آ گیا، اس معقولاتی رجحان نے علم کے دوسرے شعبوں کو پیچھے چھوڑ دیا اور یونانی ہفویات غالب آنے لگے۔ مغلیہ حکومت تو ختم ہوگئی، مگر عقل پرستی کا ناسور مسلم سوسائٹی میں باقی رہ گیا، اس فلسفیانہ مرعوبیت اور عقل پرستی کے رجحان کا قلع قمع کرنے کے لیے امام احمد رضا نے قلم اٹھایا اور فلسفہ قدیم کے رد میں اکتیس مقامات پر مشتمل کتاب ''**الكلمة الملهمة في الحكمة والمحكمة لوهاء الفلسفية المشئمة**'' تصنیف فرمائی۔ اعلیٰ حضرت نہ فلسفی تھے اور نہ فلسفہ کی طلب میں عمر گنوائی تھی بلکہ وہ تو دین حق اور علوم اسلامیہ کے سچے خادم تھے، مگر انہوں نے جس محققانہ اسلوب میں حکمائے یونان کے باطل نظریات کی دھجیاں بکھیری ہیں، انہیں دیکھ کر امام غزالی

www.muftiakhtarrazakhan.com

کی ''تھافۃ الفلاسفۃ '' کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔کتاب کی اہمیت کا اندازہ عظیم محقق جناب علامہ شبیر احمد خاں غوری مرحوم کے ان تاثرات سے کیجیے:

''اکیسویں سے چوبیسویں مقام تک قدیم فلسفہ الٰہیات کے اہم مواقف کا ابطال ہے ۔ بعد کے چھ مسئلے زمانہ کے ابحاث سے متعلق ہیں اور حق یہ ہے کہ ان کے اندر اعلیٰ حضرت نے جس خوش اسلوبی سے اس باب میں اسلامی تعلیمات کی ترجمانی فرمائی ہے، وہ انہیں کا حق ہے۔کاش کوئی خدا کا بندہ اس زمانہ میں اس کتاب کے ان ابواب کا تذکرہ علامہ اقبال سے کردیتا جو مسئلہ زمان کے باب میں اسلام اور اسلامی مفکرین کے مواقف سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ان لوگوں کی ہدایت ورہنمائی طلب کررہے تھے جو''اوخویشتن گم است کرارہبری کند'' کے مصداق تھے۔(ماہنامہ حجاز دستمبر،اکتوبر ۱۹۸۹ء ص ۶۳)

امام احمد رضا نے قدیم فلسفہ کی شہ رگ پر نشتر زنی کے ساتھ ساتھ فلسفہ جدیدہ کے باطل نظریات کا بھی رد فرمایا اور حرکت زمین کے نظریہ کے خلاف ''فوز مبین در رد حرکت زمین'' تالیف فرمائی اور اس میں ایک سو پانچ دلائل سے حرکت زمین کے نظریہ کو باطل قرار دیا اور دیگر بہت سے مزعومات فلسفہ جدیدہ کے پرخچے اڑادیے۔

شاعری

امام احمد رضا نے حب رسول کے جذبات کو پوری صداقت اور بارگاہ رسالت کے احترام کے ساتھ پیکر شعر میں ڈھالا ہے،ان کا دل سوز عشق سے گریاں اور ان کے رگ وپے میں عشق نبی کے شرارے خون کی طرح گردش کررہے تھے۔ ہر سانس سے سوز دروں ہویدا اور ہر لفظ محبت کی صداقت کا ترجمان ہوتا۔امام احمد رضا کا شیوہ شعر وشاعری نہ تھا،عشق وارادت کے جذبات اور واردات قلب نے اظہار کے لیے شعر کا قالب اختیار کیا اور انہوں نے ثنائے حبیب میں حضرت حسان کی پیروی کی ؎

پیشہ مرا شاعری نہ دعوی مجھ کو
ہاں شرع کا البتہ ہے جنبہ مجھ کو

www.muftiakhtarrazakhan.com

مولیٰ کی ثنا میں حکم مولیٰ کے خلاف
لو زینہ میں سیر نہ بھایا مجھ کو

☆☆☆

توشے میں غم و اشک کا سامان بس ہے
افغان دل زار حدی خوان بس ہے
رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حسان بس ہے

مضامین نعت درحقیقت قرآن سے ماخوذ ہیں، جنہیں شاعر جدت اسلوب کے ساتھ اپنی زبان میں ادا کرتا ہے، وہ اپنے جذبات کے اظہار میں دوسری اصناف کی طرح آزاد نہیں ہوتا۔ امام احمد رضا نے شعور نعت اسی نہج سے حاصل کیا اور اس کو توشۂ آخرت بنایا۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

امام احمد رضا بایں ہمہ صرف اردو ہی نہیں بلکہ فارسی اور عربی کے نعت گو شعرا کی صف اول میں نظر آتے ہیں اور ان کی شاعری فن کا اعلیٰ نمونہ ہے، ان کے کلام میں شاعری کے جملہ محاسن، معیاری کلام کی ساری خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ لسانی صحت، بیان کی سلاست، جذبات کی شدت وصداقت، زبان کی حلاوت، طرز ادا کی جدت، حسن بیان کی لطافت ان ساری چیزوں نے مل کر رضا کے کلام کو کلام الامام امام الکلام بنا دیا ہے۔ کلام رضا بلاریب بلند پایہ شاعری کا شاہکار ہے، فکر وفن، زبان وبیان کے جس زاویۂ نظر سے اس کا مطالعہ کیا جائے۔

ع کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

علمی دنیا کی تاریخ میں لاکھوں باکمال ہستیاں گزریں، مگر اپنے علم وفضل اور مخصوص فن میں ممتاز ہونے کے ساتھ عمر خیام کے علاوہ شاید ہی کسی نے شاعری میں بھی معراج کمال

حاصل کیا ہو، تاہم اسے بھی صرف صنف رباعی ہی میں کمال فن نصیب ہوا، مگر امام احمد رضا علمی دنیا کے وہ تاجور ہیں، جنہوں نے علم وفن کے ہفت اقلیم طے کرنے کے ساتھ ساتھ فن شاعری میں بھی معراج کمال حاصل کیا اور اس فن میں بھی انفرادیت اور امتیاز سے سرفراز ہوئے۔ حمد، نعت، رباعی، قصیدہ، منقبت، مثنوی، ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی یکساں صلاحیت رکھتے تھے، مگر ان کا فطری محور مذہبی شاعری تھا اور انہوں نے ثنائے مصطفیٰ کو اپنی شاعری کا بنیادی موضوع قرار دیا۔ وہ اہل دول کی مدح وستائش سے پارۂ ناں کے کبھی طالب نہ ہوئے، وہ اپنے کریم ہی کے در پر ہمیشہ نظر آتے ہیں۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارہ ناں نہیں

☆☆☆

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

امام احمد رضا سچے عاشق رسول تھے، یوں تو روز وشب کے بیشتر لمحات زبان وقلم کے ذریعہ دین مصطفیٰ کی نصرت وحمایت میں بسر ہوتے، مگر جب عشق کی خلش بے تابی کی حدوں کو چھونے لگتی اور ہجر کی کسک صبر وشکیبائی کی حدوں کو پار کرنے لگتی، محبت کا جذبہ بحر زخار بن جاتا تو بے ساختہ داخلی کیفیات موزوں الفاظ کے جامہ میں خوبصورت شعر کا قالب اختیار کر لیتے۔ سارے کلام میں آمد ہی آمد ہے، جذبہ کی صداقت کے ساتھ نغمگی، موزونیت اور اثر آفرینی لفظ لفظ سے نمایاں ہوتی ہے۔

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن و جاں مجھ کو
پھر دکھادے وہ رخ، اے مہر فروزاں مجھ کو

☆☆☆

آنکھ وہ آنکھ کہ ناکام تمنا ہی رہی
ہائے وہ دل جو ترے در سے پر ارمان گیا

www.muftiakhtarrazakhan.com

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا
انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا
جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینہ پہنچے
کیوں نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

☆☆☆

سر تا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول
دندان و لب و زلف و رخ شہ کے فدائی
ہیں در عدن لعل یمن مشک ختن پھول

☆☆☆

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

☆☆☆

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
ترا قد تو نادر دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
کہ ہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں

www.muftiakhtarrazakhan.com

کلام رضا پر چند ارباب نقد ونظر کی رائیں ملاحظہ فرمائیں:

نیاز فتح پوری : شعروادب میرا خاص موضوع اورفن ہے، میں نے مولانا بریلوی کا نعتیہ کلام بالاستیعاب پڑھا ہے، ان کے کلام سے پہلا تاثر جو پڑھنے والوں پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کی بے پناہ وابستگی رسول عربی کا ہے، ان کے کلام سے ان کے بے کراں علم کے اظہار کے ساتھ ان کے افکار کی بلندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا کے بعض اشعار میں نعت مصطفوی میں اپنی انفرادیت کا دعوی بھی ملتا ہے، جو ان کے کلام کی خصوصیات سے ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلّی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل حق ہیں۔ (ماہنامہ ترجمان نومبر ۱۹۷۵ء ص ۲۸)

ڈاکٹر حامد علی خاں : علامہ رضا کی شاعری وہبی تھی۔ شاعری میں آپ کو کسی کا تلمذ نہیں تھا، خلاق عالم نے آپ کی طبیعت میں ایسی موزونیت ودیعت فرمائی تھی کہ آپ سخن فہمی، سخن سنجی اور سخن گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ اسی لیے آپ کے کلام میں آمد ہی آمد ہے آورد کا نام نہیں۔ (المیزان امام احمد رضا نمبر ص ۴۴۹)

فارسی شاعری

فارسی شاعری کے انحطاط کے دور میں نعتیہ روایت کو امام احمد رضا نے بڑی حسن وخوبی کے ساتھ قائم رکھا۔ امام احمد رضا نے اپنے جذبات عشق وارادت کو پیکر شعر میں ڈھالا، ان کی پاکیزہ شخصیت نے مروجہ شعری موضوعات واصناف کے برخلاف حمد ونعت، منقبت، مناجات تک محدود رکھا۔ ہیئت کے اعتبار سے غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی شامل ہیں۔ آپ کے کلام کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کا کامل ملکہ رکھتے تھے اور شاعرانہ ذوق اور فکر وفن سے کامل بہرہ مند تھے، لیکن صلاحیت شعری کو اپنے پسندیدہ موضوعات تک محدود رکھا۔

سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق، جذبہ محبت کا اظہار، شان عظمت کا بیان، پیکر تراشی کا لطیف انداز اور عاجزانہ فریاد کا اظہار امام احمد رضا نے بڑے اچھوتے انداز سے کیا ہے۔ انہوں نے اگرچہ اردو کی بہ نسبت فارسی کلام مختصر یادگار چھوڑا،

اس کے باوجود فارسی شعروادب میں آپ کی قادرالکلامی شعرائے ہندوایران کی فنکاری کو آئینہ دکھاتی ہیں۔غزل کی ہیئت میں یہ نعت شریف ملاحظہ فرمائیں ؎

اے شافع تر دامناں وے چارہ دردنہاں
جان دل وروح رواں یعنی شہ عرش آستاں
اے مسندت عرش بریں وے خادمت روح امیں
مہر فلک ماہ زمیں شاہ جہاں زیب جناں
اے مرہم زخم جگر یاقوت لب والا گہر
غیرت دہ شمس وقمر رشک گل وجان جہاں
اے جان من جانان من ہم دردہم درمان من
دین من وایمان من امن وامان امتاں

امام احمد رضا نے حسن عقیدت کے ساتھ شافع محشر رحمت للعالمیں ،ملجاوماوائے عاصیاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بڑی تواضع اور انکساری کے ساتھ مندرجہ ذیل نعت میں استغاثہ پیش کیا ہے،جس کے لفظ لفظ سے عشق وارادت کے دریچے واہوتے ہیں۔لطافت بیان کے ساتھ سوز دروں اور اخلاص کامل کا ایسا جیتا جاگتا نمونہ ہے، جسے پڑھنے کے بعد ہر مومن کا دل سینے میں تڑپنے لگتا ہے اور جذب واثر کا سیلاب اس کے وجود کو اپنے حصار میں لے لیتا ہے۔یہ نعت پاک جذبات عشق کی ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ ان کم نصیبوں کے فاسد خیالات کی تردید بھی کرتی ہے، جو غیراللہ سے استمداد اور استغاثہ کی نکیر کرتے ہیں، کچھ منتخب اشعار ہدیہ قارئین ہیں ؎

بکار خویش حیرانم اغثنی یارسول اللہ
پریشانم پریشانم اغثنی یارسول اللہ
ندانم جز تو ملجائے ندانم جز تو ماوائے
توئی خود ساز و سامانم اغثنی یارسول اللہ
شہا بیکس نوازی کن طبیبا چارہ سازی کن

www.muftiakhtarrazakhan.com

مریض درد عصیانم اغثنی یارسول اللہ
گنہ بر سر بلا بارد دلم درد ہوا دارد
کہ داند جز تو درمانم اغثنی یارسول اللہ

امام احمد رضا صنف منقبت میں ممتاز اور نمایاں نظر آتے ہیں، آپ نے حضرت علی، حضرت امام حسین، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہم اور اپنے خانوادہ طریقت کے مشائخ کی منقبتیں پیش کیں اور عقیدت وارادت کے جذبات کے ساتھ ان بزرگوں کے محاسن وفضائل اور کرامتوں کا تذکرہ کیا، جن کے ہر ہر شعر سے عقیدت وارادت کی خوشبو مشام جاں کو معطر کرتی ہے۔ امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حسن وجمال، سیرت واوصاف، صبر استقامت اور دیگر محاسن اخلاق کو امام احمد رضا نے مندرجہ ذیل اشعار میں بڑی سلاست وروانی اور دل سوزی کے ساتھ پیش کیا ؎

اے حسین اے مصطفیٰ راحت جاں نور عین
راحت جاں نور عینم دہ بیا امداد کن
اے زحسن خلق وحسن خلق احمد نسخۂ
سینہ تا پا شکل محبوب خدا امداد کن
جان زہرا و شہید زہر را زور وظہیر
زہرت ازہار تسلیم و رضا امداد کن
اے گلویت گہہ لبان مصطفیٰ را بوسہ گاہ
گہہ لب تیغ لعیں را حسرتا امداد کن

محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلسلہ عالیہ قادریہ کے بانی ہیں، ان کے فضائل ومناقب کا بلند منار عقد ثریا کو چھوتا ہے۔ امام احمد رضا نے ان کی شان اقدس میں ایک طویل منقبت تحریر کی ہے، جو قصیدے کی ہیئت میں ہے، جس کے اندر اس شعری صنف کے ارکان اربع پائے جاتے ہیں، حسن عقیدت، خوبی بیان، نزاکت خیال کے لحاظ سے یہ منقبت امتیازی شان رکھتی ہے۔ تشبیب اور گریز سے قطع نظر کرتے ہوئے ذیل

www.muftiakhtarrazakhan.com

میں غوث اعظم کی مدح میں منتخب اشعار پیش کیے جاتے ہیں ۔

پیر پیراں میر میراں اے شہ جیلاں توئی
انس جان قدسیان وغوث انس وجاں توئی
سر توئی سرور توئی سر را سر و ساماں توئی
جاں توئی جاناں توئی جاں را قرار جاں توئی
ظل ذات کبریا و عکس حسن مصطفیٰ
مصطفیٰ خورشید و آں خورشید را لمعاں توئی
من رانی قد رأالحق گر بگوئی می سزد
زانکہ ماہ طیبہ را آئینہ تاباں توئی

امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے فارسی میں متعدد قصیدے لکھے، جوانہیں فارسی قصیدہ نگار شعرا کی صف میں اونچا مقام عطا کرتے ہیں، ان قصیدوں میں غوث پاک اور اپنے سلسلے کے بزرگوں کے مناقب وفضائل حسن ارادت کے ساتھ پیش کیے، اس سلسلے میں سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی مدح میں لکھے گئے ، قصیدے کا تعارف پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ قصیدے میں ایک سودس اشعار ہیں، جو فارسی قصیدے کی روایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے تشبیب سے شروع کیا گیا، پھر گریز، مدح اور بارگاہ غوثیہ میں عرض مدعا پر ختم ہوتا ہے اس قصیدے میں چند مطالع ہیں، مطلع اول تشبیب میں ہے۔ امام احمد رضا نے اپنے ممدوح حضور غوث الثقلین کے فضائل ومحامد بڑے والہانہ انداز میں بیان کیے اور پورے جوش عقیدت اور قوت بیان کے ساتھ مدح سرائی کی جس کے لفظ لفظ سے عشق وارادت کی کرن پھوٹتی ہے، غوث اعظم کی عظمت شان ، رفعت ولایت کے تابندہ نقوش غلامان بارگاہ غوثیت کے قلوب واذہان میں جگمگانے لگتے ہیں ۔ قصیدہ اکسیر اعظم میں جابجا علمی وتاریخی تلمیحات کی ضوفشانیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

اولیا را گر گہر باشد تو بحر گوہری
در بدست شاں زرے دادند زر را کاں توئی

www.muftiakhtarrazakhan.com

واصلاں را در مقام قرب شانے دادہ اند
شوکت شاں شد زشان وشان شان شاں توئی

قصیدہ غوثیہ: قصیدہ غوثیہ ایک مقبول انام الہامی کلام ہے، جسے قصیدہ لامیہ بھی کہتے ہیں، اس عربی قصیدے کی نسبت سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کی طرف ہے، جس کے برکات وفیوض سے ہر دور میں استفادہ کیا گیا۔ امام احمد رضا نے قصیدہ غوثیہ منظوم ترجمہ وشرح فارسی نظم میں ''وظیفہ قادریہ'' کے نام سے پیش کیا ہے، جو بلا شبہ آپ کی قادرالکلامی پر شاہد عدل ہے۔ اعلیٰ حضرت کو اردو کے ساتھ عربی وفارسی زبانوں پر بھی حاکمانہ قدرت حاصل تھی، قصیدہ غوثیہ کے برکات وحسنات کی روح ''وظیفہ غوثیہ'' میں در آئی ہے۔

امام احمد رضا نے صنف رباعی کو بھی اپنے خامہ فیض رقم سے انفرادی اسلوب وآہنگ عطا فرمایا، شعرائے فارسی نے مختلف النوع مضامین وخیالات کو اپنی رباعیات کا موضوع بنا کر رباعیاں نظم کیں، ان میں فلسفہ وحکمت، اخلاق، تصوف، حسن وعشق، مے وساقی، شاہد گل اندام، ہجر ووصال، گلہ وشکوہ، فرحت ونشاط، رنج وغم، بے ثباتی عالم، پند وموعظت، خمریات ہر قسم کے افکار وخیالات کی مثالیں میسر آتی ہیں، مگر کسی ایک خاص موضوع کو محور فکر بنا کر ایک ہی باعظمت شخصیت کے فضائل ومحامد پر مسلسل رباعیات کے گوہر آبدار کو ایک ہی رشتہ میں کسی شاعر نے پرویا ہو، اس کی مثال میرے محدود مطالعہ میں نظر سے نہیں گزری، عمر خیام فارسی رباعی کا سب سے بڑا شاعر خیال کیا جاتا ہے، بالخصوص اس کی خمریہ رباعیاں رباعی نگاروں میں اسے امتیازی شان عطا کرتی ہیں، مگر اس نے بھی اپنے محبوب موضوع کو تسلسل کے ساتھ بیان نہیں کیا۔

رباعی گو شعرائے فارسی میں یہ امتیاز وانفرادیت صرف امام احمد رضا فاضل بریلوی کو حاصل ہے جنہوں نے محبوب سبحانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں ۶۸/ رباعیاں جو قافیہ وردیف کے لحاظ سے الف با سے یا تک بہ شکل دیوان مرتب کی گئیں جن میں عقیدت وارادت کے گلہائے رنگا رنگ پیش کیے گئے ہیں، اسلوب بیان اور طرز ادا کے اعتبار سے ۶۸/ رباعیوں پر مشتمل یہ مجموعہ مناقب غوث اعظم کا مختصر

www.muftiakhtarrazakhan.com

دیوان بھی ہے اور امام احمد رضا کی شاعرانہ عظمت کی انفرادیت کا نشان بھی ہے۔ جس کا عنوان ''نظم معطر'' ہے۔

بطور نمونہ چند رباعیاں ملاحظہ ہوں۔

در حشر گہ جناب عبدالقادر — چوں نشر کنی کتاب عبدالقادر
از قادریاں مجو جداگانہ حساب — مدے شمر از حساب عبدالقادر

تنزیل مکمل ست عبدالقادر — تکمیل منزل ست عبدالقادر
کس نیست جز او در کنار ایں سیر — خود ختم و خود اول ست عبدالقادر

پاک است ز باک طرح عبدالقادر — وجبی ست بری ز جرح عبدالقادر
جرحش کہ تو اندر کلک قدرت — احمد متن ست و شرح عبدالقادر

محبت وارادت میں ڈوبی ہوئی یہ رباعیاں بڑی ولولہ انگیز ہیں ان میں فنی محاسن کے ساتھ تخیلات کی وسعت اور فکر ونظر کی گہرائی فارسی نامور رباعی نگاروں سے کم نہیں۔ ''نظم معطر'' کی تمام رباعیاں مقفی اور مردف ہیں خوبی تو یہ ہے کہ ساری رباعیوں کی ردیف عبدالقادر ہے جو امام احمد رضا کے کمال رباعی گوئی کی دلیل ہے۔

امام احمد رضا نے ایک مثنوی شعرائے فارسی کی نہج پر نظم فرمائی، جس کا موضوع داستان حسن وعشق نہیں، بلکہ شان رسالت میں گستاخی کرنے والے اور ان کی عظمت کو گھٹانے والے نام نہاد مسلمانوں کے باطل مزعومات کا رد وابطال ہے، چوں کہ ان باطل پرستوں نے دین و تقوی کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو دجل وفریب کے جال میں گرفتار کرنے کی کوشش کی اور اہل اسلام کے درمیان فساد عقیدہ اور شقاق کی بنیاد رکھی، جن کے اثر سے امت اسلام کی خاتمیت کا انکار کیا اور ان کے مثل دوسرے رسول کے ہونے کا دعوی کیا، انکار علم غیب کے رو میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو صبی اور مجنون کے علم کے برابر قرار دیا، اپنے جیسا بشر بتایا بڑے بھائی کی طرح سمجھا، کذب جیسی شنیع صفت امکان ذات باری تقدس شانہ کے لیے

www.muftiakhtarrazakhan.com

تسلیم کیا، ان جیسے بہت سے مذموم ایمان سوز افکار وعقائد مسلمانوں کے درمیان پھیلا کر سادہ لوح مسلمانوں کو دام تزویر میں پھنسا کر امت میں تفرقہ اور شقاق کو عام کیا، جس کی بنا پر امت مسلمہ کی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی۔

ان پر آشوب حالات کو دیکھ کر امام احمد رضا کا دردمند دل تڑپ اٹھا، اپنے سوز غم کا اظہار مثنوی کے مندرجہ ذیل ابتدائی اشعار میں کیا۔

گریہ کن بلبلا از رنج و غم — چاک کن اے گل گریباں از الم
سنبلا از سینہ بر کش آہ سرد — اے قمر از فرط غم شوروی زرد
ہاں صنوبر خیز و فریادی بکن — طوطیا جز نالہ ترک ہر سخن
چہرہ سرخ از اشک خونی ہر کلیست — خوں شو اے غنچہ زماں خندہ نیست
پارہ شو اے سینہ مہ ہمچو من — داغ شو اے لالہ خونیں کفن

ان الم انگیز ابتدائی اشعار میں امت مسلمہ کی زبوں حالی کا ذکر بڑی سلاست وروانی کے ساتھ کیا گیا ہے اور درد واثر کی کیفیت سے ہر شعر مملو ہے۔

تصانیف

اسلامی علوم وفنون کی تاریخ میں لاکھوں اصحاب قلم، مصنف اور مولف گزرے ہیں، ان میں بیشتر مصنفین ایسے ہیں، جنہوں نے صرف ایک موضوع اور اس کے متعلقات پر قلم کی توانائی صرف کی ہے۔ ایسے عظیم مصنفین خال خال ہی نظر آتے ہیں، جنہوں نے متعدد علوم وفنون پر کتابیں تحریر کیں، اس خصوص میں چودہویں صدی کے مجدد امام احمد رضا نمایاں نظر آتے ہیں، جنہوں نے تقریباً اکیاون علمی ودینی موضوعات پر گراں قدر مصنفات یادگار چھوڑیں، جو کمیت وکیفیت ہر لحاظ سے علمی دنیا کا گنج شائگاں ہیں۔ کمیت کتب کے لحاظ سے اسلامی تاریخ کے بعض مصنفین کو آپ کا ہم سر قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن مضامین کے تنوع اور علوم وفنون کی کثرت وجامعیت کے لحاظ سے اسلامی دنیا کا شاید ہی کوئی مصنف آپ کا ہم پلہ ہو۔ امام احمد رضا نے عنفوان شباب سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک قرطاس وقلم سے سروکار رکھا اور

تدریس وتبلیغ کے کاموں کے علاوہ سارا وقت مطالعہ کتب اور اکناف واطراف عالم سے آنے والے استفسارات کے جوابات تحریر فرمانے اور مستقل کتابوں کی تصنیف وتالیف اور تحشیہ میں بسر ہوتا۔ خصوصیت کے ساتھ عمر شریف کی آخری دہائیاں تصنیفی مصروفیات کے لحاظ سے بہت اہم ہیں، ایک ایک دن میں کئی کئی سوالات پیش ہوتے، جن کے جوابات پوری شرح وبسط اور دلائل کی روشنی میں تحریر فرماتے اور ایک ایک دو دو دن میں پورا رسالہ تیار فرما دیتے۔

امام احمد رضا علم لدنی سے مالا مال تھے، انہیں ہر علم وفن میں اتنا عبور اور مسائل وجزئیات کا ایسا استحضار تھا کہ وہ بڑے سے بڑے اہم مسائل وموضوعات پر قلم برداشتہ کتابیں تحریر فرماتے جس کا ع ''ہر سخن موقع وہر نکتہ مقامے دارد'' کا مصداق کامل ہوتا۔

الدولة المكية : دوسرے سفر حج کے موقع پر مکہ مکرمہ کے دوران قیام، وہابیہ کی جانب سے علم غیب مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے بارے میں پانچ سوالات شریف مکہ علی پاشا کی وساطت سے بارگاہ رضا میں بھیجے گئے، وہابیوں کا خیال تھا، حالت سفر میں جب کہ کتابیں دستیاب نہیں، فرصت کے اوقات بھی کم ہیں، امام احمد رضا جواب دینے سے عاجز رہیں گے۔ لیکن امام احمد رضا نے بخار کی حالت میں اپنے تمام معمولات کو برقرار رکھتے ہوئے صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے میں اپنی مایۂ ناز کتاب ''الدولۃ المکیۃ'' تصنیف فرمائی۔ مولانا بدرالدین قادری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''رسالہ دولت مکیہ اعلیٰ حضرت کی زندۂ جاوید کرامت ہے کہ آپ نے بخار کی شدت میں بغیر کسی کتاب کی مدد کے محض اپنی خداداد یادداشت کے بل پر تفاسیر، احادیث اور کتب ائمہ کی اصل عبارتوں کے حوالجات کثیرہ نقل فرماتے ہوئے صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے کی قلیل مدت میں تصنیف فرمایا، جس میں حقائق ودقائق، معارف وعوارف کے بحر زخار لہریں مار رہے ہیں، اس کے دلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ باغیوں کی سرکوبی کے لیے تازہ دم لشکر ہیں۔'' (سوانح اعلیٰ حضرت ص ۲۹۸)

علمائے حجاز نے اس کتاب کو سینے سے لگایا اور اپنے گراں قدر تاثرات سپرد قلم فرمائے:

www.muftiakhtarrazakhan.com

شیخ یوسف بن اسماعیل مبہانی : میں نے اس کتاب (الدولۃ المکیۃ) کو شروع سے آخر تک پڑھا اور تمام دینی کتابوں میں بہت زیادہ نفع بخش اور مفید پایا۔ اس کی دلیلیں بڑی قوی ہیں، جو ایک امام کبیر، علامہ اجل کی طرف سے ظاہر ہو سکتی ہیں۔ اللہ راضی ہے اس رسالے کے مصنف سے اور اپنی عنایتوں سے ان کو راضی کرے اور ان کی تمام پاکیزہ امیدوں کو بر لائے۔ (الدولۃ المکیۃ ص ۷۷، مطبوعہ کراچی)

شیخ عبداللہ بن حمید مکہ معظّمہ : میں نے یہ رسالہ دیکھا جسے ہر سردار نے قبول کے ساتھ لیا، تو میں نے اس کے دلائل یقینیہ کے آفتابوں کو پایا، کہ انہوں نے ہر تاریکی دور کر دی اور اس کی ہدایت کے نور اس امت پر چمکے تو اس رسالے پر یہ قول صادق آیا ؂

و لا عیب فیھم غیر ان سیوفھم

بھن فلول من قراع الکتائب

(ایضا)

رئیس الائمۃ والمدرسین شیخ احمد ابوالخیر بن عبداللہ میر داد مکہ مکرمہ : میں نے یہ رسالہ تدقیق اور غور کامل کی نگاہ سے دیکھا تو میں نے اسے نہایت حسن تحقیق و استحکام میں پایا۔ بے شک اس کے بیان سے دل کشادہ ہوئے اور آسمان تحقیق میں اس کی یقینی دلیلیں بلند ہوئیں اور کیوں نہ ہو کہ وہ اس کی تصنیف ہے جو علامہ عقیل ذکی بلند ہمت ہے اور اپنے زمانے کے تمام مولفوں کا سردار ہے اور خود اپنے معاصرین کی شہادت سے سب مصنفوں کا امام ہے۔

(ایضا ص ۸۱)

شیخ سید احمد علوی بن سید احمد فقیہ مدینہ منورہ : وانہ لجدیر بان تکتب بالتبر بدل المداد و الحبر یعنی وہ (الدولۃ المکیہ) بے شک اس لائق ہے کہ سیاہی اور روشنائی کے بدلے سونے سے لکھی جائے۔ (ایضا ص ۹۲)

شیخ یٰسین احمد خیاری مدینہ منورہ : یہ کتاب مسائل شریفہ کی تحقیق کے لیے ایک قاموس ہے، یہ بزرگ اور بلند معارف کی تفتیش کے لیے ایک حصار ہے۔

امام احمد رضا کی کل مصنفات کتنی ہیں؟ ان کا کاملاً احصا اب تک نہ ہو سکا، انہوں

www.muftiakhtarrazakhan.com

نے اکیاون علوم وفنون پر قیمتی مصنفات یادگار چھوڑیں، جن کی تعداد ایک محتاط اندازہ کے مطابق تقریباً ایک ہزار ہے۔ ملک العلما مولانا ظفر الدین علیہ الرحمہ نے ۱۳۲۷ھ تک کی مصنفات ساڑھے تین سو تحریر فرمائیں، مگر یہ فہرست ۱۳۲۷ھ تک کی تمام کتابوں کا احاطہ نہیں کرتی، حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب نے پیہم کوشش اور جدوجہد سے مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابوں کی ایک فہرست ''تصانیف امام احمد رضا'' کے نام سے مرتب کر کے شائع کی ہے، تاہم یہ فہرست بھی اعلیٰ حضرت کی تمام مصنفات کا احاطہ نہیں کرتی، اس میں کتابوں کی مجموعی تعداد ۶۸۰ ہے۔ اسی فہرست کی مدد سے ذیل میں کتابوں کی تعداد فن وار درج کی جاتی ہے:

تفسیر ۱۵، اصول تفسیر ۱، رسم خط قرآن ۱، حدیث ۳۶، اسانید حدیث ۳، اصول حدیث ۶، تخریج حدیث ۴، جرح وتعدیل ۲، اسماء الرجال ۷، لغت حدیث ۱، فقہ ۲۵۳، اصول فقہ ۶، رسم المفتی ۳، فرائض ۴، تجوید ۴، عقائد وکلام ۱۲۴، مناظرہ ۷، فضائل وسیرت ۲۳، مناقب ۱۱، نصائح ومواعظ ۵، ملفوظات ۲، مکتوبات ۳، خطابت ۲، ادب ۲۲، نحو ۲، صرف ۱، لغت ۳، عروض ۱، تعبیر ۱، اوفاق ۱، تکسیر ۴، جفر ۸، توقیت ۱۸، لوگارثم ۲، زیجات ۹، ہندسہ ۵، حساب ۴، ریاضی ۶، علم مثلث ۴، ہیئت ۱۶، نجوم ۵، جبر ومقابلہ ۳، ارثماطیقی ۳، منطق ۳، فلسفہ ۶، شتی ۴۔

روحانیت وتصوف

امام احمد رضا کی ذات والا صفات صرف علم ظاہری کی جامع نہ تھی، بلکہ باطن میں بھی ان کو بہت اونچا مقام حاصل تھا، علمی عبقریت کے ساتھ تصوف وسلوک کے میدان میں بھی انفرادی اور امتیازی شان رکھتے تھے، زہد واتقا کا جذبہ فطری تھا، اپنے ذاتی علم وتجربہ کی روشنی میں عنفوان شباب ہی سے راہ طریقت پر گامزن ہوئے، چوں کہ اس میدان میں مرشد برحق کی رہنمائی ناگزیر ہوتی ہے، لہذا تقریباً ۲۲ رسال کی عمر ۱۲۹۴ھ میں والد گرامی حضرت مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ اور تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ کے ساتھ مرشد برحق حضرت سید آل رسول احمدی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مارہرہ مقدسہ حاضر ہوئے۔ خانقاہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

برکاتیہ کے سجادہ نشیں سید آل رسول نے انہیں دیکھ کر فرمایا، آیئے ہم تو کئی روز سے انتظار کررہے تھے۔ پھر آپ نے مولانا نقی علی خاں اور فاضل بریلوی کو سلسلہ قادریہ برکاتیہ میں بیعت کیا اور خلافت سے نوازا۔ وہ عطیات وتبرکات جو سلف سے ملے تھے، انہیں عنایت فرمایا اور اوراد ووظائف کی اجازت عطا کی۔ مرید ہونے کے بعد ہی خلافت واجازت مزید عنایات والطاف کا انداز خسروانہ دیکھ کر حضرت سید ابوالحسین نوری علیہ الرحمہ نے عرض کیا: حضور آپ کے یہاں تو بڑی ریاضت ومجاہدہ کے بعد خلافت دی جاتی ہے، ان کو ابھی کیسے دے دی گئی؟ فرمایا اور لوگ میلا کچیلا رنگ آلود دل لے کر آتے ہیں، اس کے تزکیہ کے لیے ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے، یہ مصفّٰی ومزکّٰی قلب لے کر آئے ہیں، انہیں ریاضت ومجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اتصال نسبت کی ضرورت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہوگئی۔ نیز فرمایا:

''مجھے بڑی فکر تھی کہ بروز حشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا، کہ آل رسول تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں کیا پیش کروں گا؟ مگر خدا کا شکر ہے کہ آج وہ فکر دور ہوگئی، اس وقت میں احمد رضا کو پیش کردوں گا۔''

اصل مرشد کی عنایت ہے جس کے بغیر سلوک ومعرفت کا راستہ طے کرنا ممکن نہیں ہے اور مرشد نے اسی دن اسی وقت توجہ تشبیہی اور دوسری عنایات سے ظاہر کردیا کہ ہم نے احمد رضا کو تمام معارف وحقائق عطا کرکے اپنا نائب وخلیفہ ہی نہیں بلکہ اپنا مظہر اتم اور پرتو کامل بنادیا۔

فاضل بریلوی کو مندرجہ ذیل سلاسل میں اجازت وخلافت حاصل تھی: (۱) سلسلہ عالیہ قادریہ جدیدہ (۲) سلسلہ عالیہ قادریہ قدیمہ (۳) سلسلہ عالیہ رزاقیہ اسماعیلیہ (۴) سلسلہ عالیہ قادریہ رزاقیہ انواریہ (۵) سلسلہ عالیہ قادریہ منوریہ معمریہ (۶) سلسلہ عالیہ چشتیہ قدیمہ (۷) سلسلہ عالیہ چشتیہ جدیدہ (۸) سلسلہ عالیہ سہروردیہ قدیمہ (۹) سلسلہ عالیہ سہروردیہ جدیدہ (۱۰) سلسلہ عالیہ نقشبندیہ صدیقیہ (۱۱) سلسلہ عالیہ نقشبندیہ علویہ صدیقیہ (۱۲) سلسلہ عالیہ علویہ منامیہ۔

مسائل تصوف وسلوک

وہ نو وارد بساط تصوف جس کو پہلی ہی مجلس میں شیخ کامل نے اپنا خلیفہ خاص اور منظور نظر بنالیا ہو، اس کی عظمت روحانی کا اندازہ بھلا کون کرسکتا ہے؟ اس نے آگے چل کر معرفت کا کتنا بلند مقام حاصل کیا، اسے سمجھنا کوئی آسان کام نہیں۔

فاضل بریلوی ایک عظیم صاحب علم، فقیہ ہی نہیں، بلکہ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کے ایسے جامع تھے، جن پر انہیں کامل دستگاہ تھی، علم ظاہر کے اس تاجدار نے علم باطن کی دنیا میں بھی اسی شان کے ساتھ قدم رکھا، تصوف اعتقادی ہو یا نظری وعملی ہر شعبہ میں آپ کا مثالی کردار صوفیہ متقدمین وصلحائے کاملین کی سیرتوں کا مظہر ہے۔ امام احمد رضا اعتقادیات میں عرفائے کاملین اور صوفیائے واصلین ہی کے مسلک پر کاربند رہے۔

وحدۃ الوجود

صوفیہ کے نزدیک مسئلہ وحدۃ الوجود بہت اہمیت رکھتا ہے، چوں کہ موجودات کا سارا دارومدار اسی واجب الذات پر ہے، جس کے وجود سے مخلوق متفرع ہوئی ہے، ہر چیز اس سے ہے، سب پر اس کا فیض وجود ہے، بعض صوفیہ ''از ہمہ اوست'' کے قائل ہیں اور بعض ''ہمہ اوست'' کے۔ کہا جاتا ہے کہ ''از ہمہ اوست'' سالکین کا مرتبہ ہے اور ''ہمہ اوست'' فانی فی اللہ کا۔ وحدۃ الوجود کی بحث بڑی پیچیدہ اور اہم ہے۔ امام احمد رضا نے اپنی متعدد کتابوں میں اس مسئلے پر گفتگو کی ہے اور اس مسئلے کو بڑے آسان انداز میں پیش کیا ہے۔ ایک مقام پر رقم طراز ہیں:

''مرتبہ وجود میں صرف حق عزوجل ہے، یہ ہستی حقیقتاً اس کی ذات پاک سے خاص ہے، وحدۃ الوجود کے جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں، یہی ہیں کہ وجود واحد، موجود واحد، باقی سب مظاہر ہیں، کہ اپنی حد ذات میں اصلا وجود ہستی سے، بہرہ نہیں رکھتے، کل شئ ھالک الا وجھہ اور حاشا، یہی معنی ہرگز نہیں کہ من تو زید وعمر ہر شی خدا ہے، یہ اہل اتحاد کا قول ہے، جو ایک فرقہ کافروں کا ہے اور پہلا اہل توحید کا مذہب ہے، جو اہل اسلام وایمان

www.muftiakhtarrazakhan.com

حقیقی ہیں۔'' (کشف حقائق واسرار ودقائق بحوالہ امام احمد رضا اور تصوف ص ۱۰۹)

دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

''حقیقی وجود صرف اللہ کے لیے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے سچی بات جو عرب نے کہی، وہ لبید شاعر کا یہ قول ہے:

ع الا کل شی ء ماخلا اللہ باطل

ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی عوام کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور خواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں اور اخص الخواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشہود نہیں اور جو مقام نہایت تک پہنچ گئے، ان کے نزدیک یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی موجود نہیں اور سب حق ہے، مدار ایمان اول پر ہے، مدار اصلاح دوم پر، کمال سلوک سوم پر اور وصول الی اللہ کا مدار چہارم پر ہے۔''

(الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ ص ۳۲۷)

مقام مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی باعث کن فکاں اور وجہ تخلیق کائنات ہیں، انہیں کے دم قدم سے زمین وآسمان، عرش وکرسی اور دیگر موجودات ومخلوقات قائم ہیں، اگر ان کا قدم درمیان سے نکل جائے تو کائنات فنائے محض ہو جائے، کون ومکاں پر وجود محمدی کا وجود اثر ونفوذ ہے، اس کو حقیقت محمدی کہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ''حقیقت محمدی'' کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

جس طرح مرتبہ وجود میں صرف ذات حق ہے، باقی سب اس کے پرتو وجود سے موجود، یوں ہی مرتبہ ایجاد میں صرف ایک ذات مصطفیٰ ہے، باقی سب پر اس کے عکس کا فیض وجود، مرتبہ کون میں نور احمدی آفتاب ہے اور تمام عالم اس کے آئینے، مرتبہ تکوین میں نور احمدی آفتاب اور سارا جہاں اس کے آبگینے۔ وفی ھذا اقول

خالق کل الوری ربک لاغیرہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

نورک کل الوری غیرک لم لیس لن

ای لم یوجد ولیس موجودا ولن یوجد ابدا.

نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا جس طرح عالم اپنی ابتدائے وجود میں محتاج تھا، کہ وہ نہ ہوتا تو کچھ نہ بنتا، یوں ہی ہر شی اپنی بقا میں اس کی دست نگر ہے۔ آج کا قدم درمیان سے نکال لیں تو عالم دفعتاً فنائے محض ہو جائے۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

(صلوۃ الصفا فی نور المصطفی ص ۵۹، ۶۱)

شریعت وطریقت

عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ شریعت وطریقت دو الگ الگ راستے ہیں، اہل شرع، طریقت کو نہیں سمجھتے اور اہل طریقت، شریعت کا ادراک نہیں رکھتے، یہ بات سراسر کج فہمی کا نتیجہ ہے، حالاں کہ شریعت کے بغیر طریقت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ جسے علم شریعت نہیں، وہ راہ طریقت کا مسافر نہیں ہو سکتا۔ شریعت کو چھوڑ کر راہ طریقت میں استقامت وکامیابی کا دعوی سراسر الحاد وزندقہ ہے، طریقت مکارم اخلاق کا سرچشمہ ہے اور روح عبادت ہے۔ امام احمد رضا نے شریعت وطریقت کے اتحاد کو ''مقال عرفا'' میں جس خوبی سے بیان کیا ہے، وہ رہنما اصول ہے:

''یہ کہنا کہ طریقت نام ہے وصول الی اللہ کا محض جنون وجہالت ہے، ہر دو حرف پڑھا ہوا جانتا ہے کہ طریق، طریقہ، طریقت راہ کو کہتے ہیں۔ نہ کہ پہنچ جانے کو۔ تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے۔ اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو شہادت قرآن مجید خدا تک نہ پہنچائے گی، بلکہ شیطان تک۔ جنت میں نہ لے جائے گی، بلکہ جہنم میں کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن مجید باطل ومردود فرما چکا، لامحالہ ضرور ہوا کہ طریقت ہی شریعت ہے کہ اس راہ روشن کا ٹکڑا ہے اس کا اس سے جدا ہونا محال وناسزا ہے جو اسے شریعت سے جدا جانتا ہے اسے راہ

خدا سے توڑ کر راہ ابلیس مانتا ہے، مگر حاشا طریقت حقہ راہ ابلیس نہیں، قطعا راہ خدا ہے، تو یقیناً وہ شریعت مطہرہ کا ٹکڑا ہے۔''

علم

علم کی اہمیت اللہ تعالیٰ، انبیا واولیا کے نزدیک مسلم ہے۔ قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر علم وعلما کی فضیلت وبرتری بیان کی گئی ہے۔ علم انبیا کی امانت ومیراث ہے، علما وصوفیہ جس کے وارث وامین ہیں۔ یہ لوگ درہم ودینار نہیں، بلکہ علم کے وارث ہیں، علم کے بغیر کسی کو حقیقی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی، جس کی بنا پر صوفی بنے، لیکن اسے علم ناگزیر ہے، بے علم صوفی وزاہد کو شیطان اپنی انگلیوں پر نچاتا ہے، علم کے بغیر حقائق عرفان حاصل نہیں ہوسکتے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی حقیقت علم کی وضاحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

صوفیائے کرام فرماتے ہیں، بے علم صوفی شیطان کا مسخرہ ہے، وہ جانتا ہی نہیں کہ شیطان اپنی باگ ڈور پر لگالیتا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

المتعبد بغير فقه كالحمار فى الطاحون.

بغیر فقہ کے عابد بننے والا ایسا ہے جیسے چکی میں (گھومنے والا) گدھا کہ محنت شاقہ کرے اور حاصل کچھ نہیں۔

کشف ومکاشفہ

دل جب صفات ذمیمہ سے پاک وصاف ہوجاتا ہے تو اس وقت قلب میں ایک نور ظاہر ہوتا ہے، اسے مکاشفہ کہتے ہیں، جسے یہ نور حاصل ہوتا، اس پر بہت سے ایسے امور منکشف ہوجاتے ہیں، جن کے ادراک سے پہلے وہ قاصر تھا، یہی وہ مقام ہے، جہاں عارف کو ذات باری تعالیٰ کی حقیقی معرفت حاصل ہوجاتی ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے، کہ مکاشفہ صدیقین اور بارگاہ الٰہی کے مقربین کا حصہ ہے۔ امام احمد رضا نے ''کشف ومکاشفہ'' کے

سلسلہ میں صوفیہ کے واقعات بیان کیے ہیں، جن سے تصوف ومعرفت کے علم میں ان کی وسعت نگاہ کا ثبوت ملتا ہے۔

ایک مسئلہ کے جواب میں امام احمد رضا نے ارشاد فرمایا:

''لاالـہ الااللـہ ان کے غلاموں، اولیائے کرام کے پیش نظر عرش سے تحت الثریٰ تک ہوتا ہے۔ پھر صحابہ کی شان کا کیا پوچھنا۔''

حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے دریافت فرمایا:

کیف اصبحت؟

تو نے صبح کیسے کی؟

عرض کی:

اصبحت مومنا حقا.

میں صبح کی اس حال میں کہ میں سچا مومن تھا۔

ارشاد فرمایا: ہر دعوی کی ایک دلیل ہوتی ہے، جس سے اس دعویٰ کی سچائی ثابت ہوتی ہے، تمہارے دعوے کی کیا دلیل ہے؟

عرض کی: میں نے صبح کی اس حال میں کہ عرش سے تحت الثریٰ تک تمام موجودات عالم میرے پیش نظر رہے، جنتیوں کو جنت میں عیش کرتے دیکھ رہا ہوں اور جہنمیوں کو جہنم میں چیختے چلاتے، عذاب پاتے دیکھ رہا ہوں۔

فرمایا: تم پہنچ گئے ہو اطمینان رکھو۔ (معجم کبیر طبرانی ج ۳، ص ۲۶۶)

اس کے بعد امام احمد رضا نے فرمایا:

ماضی تو ماضی مستقبل بھی ان کے پیش نظر رہتا ہے۔

اولیائے کرام فرماتے ہیں، کوئی پتہ سبز نہیں ہوتا مگر عارف کی نگاہ میں۔ سیدی شریف عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اولیائے کرام فرماتے ہیں:

مـاالسـمـوات السبـع والارضـون السبـع فـی نـظر العبد المومن الا کحلقة ملقاة فی فلاة من الارض.

www.muftiakhtarrazakhan.com

ساتوں آسمان اور ساتوں زمین مومن کامل کی وسعت نگاہ میں ایسے ہیں، جیسے کسی لق ودق میدان میں ایک چھلا پڑا ہو۔

اللہ اکبر جب غلاموں کی یہ شان ہے تو عظمت شان اقدس کو کون خیال کر سکے۔

(الملفوظ چہارم ص ۶۶۰۔۶۶۱)

ریاضت ومجاہدہ

ریاضت ومجاہدہ کے بغیر نہ تزکیہ قلب ہوسکتا ہے، نہ ولایت وعرفان کی منزل مل سکتی ہے، مجاہدہ کی تعلیم وترغیب قرآن وحدیث دونوں میں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے صحابہ کو مجاہدہ کا سبق دیا، خاص طور سے اصحاب صفہ اسی کے لیے وقف تھے۔ اولیائے امت کے لیے اصحاب صفہ کا عمل مجاہدہ، نفس کشی کے لیے اصل ہے، اس کے لیے طویل مدت درکار ہے، لیکن اگر فضل ربانی ہوجائے تو فاصلے سمٹ جائیں گے، نفس کو خواہشات کی تکمیل سے روکنے کا نام مجاہدہ ہے، میدان میں کفار سے جنگ کرنا جہاد اصغر اور نفس سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہے۔

مجاہدہ کی اصل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی ایک آیت اور ایک حدیث پیش کرتے ہیں، سارا مجاہدہ اس آیت میں جمع فرمادیا ہے:

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى.

جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور نفس کو خواہشوں سے روکے تو بے شک جنت ہی ٹھکانہ ہے۔

یہی جہاد اکبر ہے۔ حدیث میں ہے، جہاد کفار سے واپس آتے ہوئے فرمایا:

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر.

ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف پھرے۔ (الملفوظ اول ص ۲۰۱)

مجاہدہ کی تکمیل کے لیے اسی برس درکار ہیں، چوں کہ اس میں قدم بقدم منازل طے ہوتے ہیں، اس لیے طویل مدت کا ہونا لازم ہے۔ صوفیہ کی تاریخ زندگی بھی یہی بتاتی ہے، کہ

انہوں نے مدتوں کی تطہیر قلوب کے بعد وعظ وتذکیر شروع کی، پھر ان کے سیل رواں کو دنیا کی کوئی طاقت نہ روک سکی۔ مادی طاقتوں پر ان کی روحانیت غالب آ گئی، ان کے روحانی جمال سے مادیت کی ظلمت وتاریکی کافور ہوگئی۔

مدت مجاہدہ کے بارے میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

مجاہدہ کے لیے کم از کم اسی برس درکار ہوتے ہیں، باقی طلب ضرور کی جائے، مقصود یہ ہے کہ جس طرح اس عالم میں مسببات کو اسباب سے مربوط فرمایا گیا ہے، اسی طریقہ پر اگر چھوڑ دیں اور جذب وعنایت ربانی بعید کو قریب نہ کر دے تو اس راہ کی قطع کو اسی برس درکار ہیں اور رحمت توجہ فرمائے تو ایک آن میں نصرانی سے ابدال کر دیا جاتا ہے اور صدق نیت کے ساتھ یہ مشغول مجاہدہ ہو تو امداد الٰہی ضرور کارفرما ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت : ۶۹)

وہ جو ہماری راہ میں مجاہدہ کریں، ہم ضرور انہیں اپنا راستہ دکھا دیں گے۔

ذکر اللہ

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں جتنی چیزیں بنائی ہیں، خواہ انسان ہو یا جن، حیوانات ہوں یا نباتات وجمادات وغیرہ، ہر شئ اس کے ذکر وتسبیح میں مشغول ہے۔ شجر وحجر، جمادات ونباتات وغیرہ ہر شئ کی تسبیح وذکر سے متعلق ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

رب عزوجل فرماتا ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ . (بنی اسرائیل ۴۴)

اس کی تسبیح کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو، مگر تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

یہ کلیہ عامہ عالم کے جمیع اشیا کو شامل ہے۔ ذی روح ہو یا بے روح، اجسام محض جن

www.muftiakhtarrazakhan.com

کے ساتھ کوئی روح نباتی بھی متعلق نہیں دائم تسبیح ہیں کہ ''ان من شیٔ'' کے دائرے سے خارج نہیں، مگر ان کی تسبیح بے منصب ولایت نہ مسموع نہ مفہوم۔

کلمہ طیبہ کے ذکر و درود اور اس کے وظیفہ سے متعلق امام احمد رضا بریلوی ایک مقام پر فرماتے ہیں:

وظیفہ کے لیے پورا کلمہ طیبہ مناسب تر ہے، مگر اس کے ساتھ درود شریف لانا ضرور ہے، یعنی ورد کرے **لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** اور صرف جزو ثانی مع درود کا بھی ورد کرسکتا ہے، مگر مبتدی یا طالب محتاج تصفیہ ہے، اسے صرف جز اول کا ذکر و شغل بتاتے ہیں، اس میں حرارت ہے اور دوسرا جزو کریم ٹھنڈا، لطیف اور تزکیہ گری پہنچانے کا محتاج۔ ہاں! جب جزو اول سے حرارت حد سے متجاوز ہو تو تعدیل کے لیے بتاتے ہیں کہ مثلاً ہر سو بار ''لاالہ الا اللہ'' کے بعد ایک بار ''محمد رسول اللہ'' کہہ دے کہ تسکین پائے۔ (فتاوی رضویہ مترجم ج ۲۶ ص ۵۸۵)

صوفیہ کرام جہاں ذکر اللہ میں شب و روز مصروف رہتے، وہیں وہ تلاوت قرآن بھی بکثرت کرتے تھے، کیوں کہ قرآن کی تلاوت بھی ذکر اللہ ہے، بلکہ ذکر اللہ کے تمام طریقوں میں قرآن عظیم کی تلاوت سب سے بڑا طریقہ ہے۔ حدیث پاک سے یہ ثابت ہے کہ جو تلاوت قرآن میں مشغول رہے، اسے پھر کسی ذکر و دعا کی حاجت نہیں، اللہ تعالیٰ اسے مانگنے سے زیادہ عطا فرماتا ہے۔

تلاوت قرآن کے ذکر اللہ ہونے کے متعلق ایک مقام پر امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

اگرچہ قرآن عظیم و تہلیل و تکبیر و تسبیح و ذکر شریف حضور پرنور سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سب ذکر الٰہی ہیں، مگر قرآن عظیم اذکار الٰہیہ میں بڑا طریقہ ہے۔

اخلاص

اخلاص اور حسن نیت کو تصوف میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اور خلوص نیت پر ہی سارے عقائد و اعمال کا انحصار ہے، اخلاص سے خالی ہر عقیدہ و عمل باطل و مردود ہے۔ صوفیہ

اخلاص اور حسن نیت پر بہت زور دیتے ہیں، صحت ایمان کے بعد حسن عمل اسی وقت کارآمد ہے، جب اس کی بنیاد للّٰہیت اور خلوص نیت پر ہو۔ امام احمد رضا کے خانگی معاملات علمی خدمات اور عملی مجاہدات میں بھی اخلاص جلوہ فرما تھا، ان کا ارشاد ہے:

لاکھوں مسائل واحکام فرق نیت سے متبدل ہوجاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی.

علم نیت ایک عظیم واسع علم ہے، جسے علمائے ماہرین ہی جانتے ہیں، عوام بے چارے فرق پر مطلع ہوکر ان کے افعال کو اپنی حرکات پر قیاس کرتے اور حکم لگاتے اور کار پاکاں را قیاس از خود مگیر کے مورد بنتے ہیں۔ (فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۵۹۶)

توکل وقناعت

توکل اور قناعت تصوف کا سرمایہ اور صوفیہ کی زندگی کا امتیازی نشان ہے، ان کے نزدیک دنیا اور اس کی رعنائی، پرکاہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، وہ ہر معاملہ میں اللہ کی رزاقیت اور اس کی مالکیت پر توکل کرتے ہیں اور یہ صفت انہیں دنیا سے بے نیاز کردیتی ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اپنی تحریروں کے ذریعہ توکل اور متوکل کی صفت شان کو بیان فرمایا۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تدبیر، توکل کے منافی ہے، امام احمد رضا نے اس کی تردید فرمائی اور اس سلسلے میں بڑی بصیرت افروز گفتگو کی ہے۔

امام احمد رضا بریلوی نے اپنے رسالہ ''**التحبیر بباب التدبیر**'' میں دلائل وبراہین سے یہی ثابت فرمایا ہے کہ تدبیر کرنا، اسباب کا سہارا لینا توکل ورضا کے منافی نہیں ہے، انہوں نے اس مضمون کو شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے، مگر ہم اپنے مدعا کے مطابق اس کے خاص خاص اقتباسات درج کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

اہل حق کا عقیدہ ہے کہ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے، سب اللہ جل جلالہ کی تقدیر سے ہے، مگر تدبیر ہرگز معطل وبے کار نہیں۔ دنیا عالم اسباب ہے، رب جل مجدہ نے اپنی حکمت بالغہ

کے مطابق اس میں مسببات کو اسباب سے ربط دیا اور سنت الٰہیہ جاری ہوئی کہ سبب کے بعد مسبب پیدا ہو۔

جس طرح تقدیر کو بھول پر تدبیر پر پھولنا کفار کی خصلت ہے، یوں ہی تدبیر کو محض عبث وبے کار اور فضول ومردود بتانا کسی کھلے گمراہ یا مجنون کا کام ہے، جس کی رو سے صدہا آیات واحادیث سے اعراض اور انبیا وصحابہ وائمہ واولیا سب پر طعن واعتراض لازم آتا ہے۔ حضرات مرسلین صلوات اللہ تعالی وسلامہ علیہم اجمعین سے زیادہ کس کا توکل اور ان سے بڑھ کر تقدیر الٰہی پر کس کا ایمان، پھر وہ بھی ہمیشہ تدبیر فرماتے اور اس کی راہیں بتاتے اور خود کسب حلال میں سعی کر کے رزق طیب کھاتے۔

حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام زرہیں بناتے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے دس برس شعیب علیہ الصلوۃ والسلام کی بکریاں اجرت پر چرائیں۔

خود حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال بطور مضاربت لے کر شام کو تشریف فرما ہوئے۔

حضرت امیر المومنین عثمان غنی وحضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما بڑے نامی گرامی تاجر تھے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کپڑے کا کاروبار کرتے۔

بلکہ منکر تدبیر خود کیا تدبیر سے خالی ہوگا؟ ہم نے فرض کیا، کہ وہ زراعت، تجارت، نوکری، حرفت، کچھ نہ کرتا ہوگا، آخر اپنے لیے کھانا پکاتا یا پکواتا ہوگا، آٹا پیسنا، گوندھنا، پکانا، کیا یہ تدبیر نہیں؟ یہ بھی جانے دیجیے، اگر بغیر اس کے سوال یا اشارہ ایما کے خود بخود پکی پکائی اسے مل جاتی ہو، تاہم نوالہ بنانا، منہ تک لانا، چبانا، نگلنا، یہ بھی تدبیر۔ تدبیر کو معطل کرے تو اس سے بھی باز آئے کہ تقدیر الٰہی میں زندگی لکھی ہے، بے کھائے جیے گا یا قدرت الٰہی سے پیٹ بھر جائے گا یا خود بخود کھانا معدے میں چلا جائے گا، ورنہ ان باتوں سے بھی کچھ حاصل نہ ہوگا کہ مذہب اہل سنت میں نہ پانی پیاس بجھاتا ہے، نہ کھانا بھوک کھوتا ہے، بلکہ یہ سب اسباب

عادیہ ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے مسببات کو مربوط فرمایا اور اپنی عادت جاریہ کے مطابق ان کے بعد سیر وسیرابی فرماتا، وہ نہ چاہے تو گھڑے چڑھائے، دھڑیوں کھا جائے، کچھ مفید نہ ہوگا آخر مرض استسقا، جوع البقر میں کیا ہوتا ہے (جوع البقر اس بیماری کو کہتے ہیں، جس میں کتنا بھی کھائے بھوک نہیں جاتی، جس طرح مرض استسقا میں جس قدر پیے پیاس نہیں جاتی) وہی کھانا پانی جو پہلے سیر وسیراب کرتا تھا، اب کیوں محض بے کار جاتا ہے اور اگر وہ چاہے تو بے کھائے پیے بھوک پیاس نہ آئے، جیسے زمانہ دجال میں اہل ایمان کی پرورش فرمائے گا اور ملائکہ کا بے آب وغذا زندگی کرنا کسے معلوم نہیں۔ مگر یہ ان میں خرق عادت ہے، جس پر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھنا جہل وحماقت، یہاں تک کہ اگر تقدیر پر بھروسے کا جھوٹا نام کر کے خورد ونوش کا عہد کرے اور بھوک پیاس سے مر جائے، بے شک حرام موت مرے، اللہ تعالیٰ کا گنہ گار ٹھہرے۔

احادیث وآثار سے ثابت ہوتا ہے کہ تلاش حلال، فکر معاش اور اسباب حاصل کرنا ہرگز منافی توکل نہیں بلکہ عین مرضی الٰہی ہے کہ آدمی تدبیر کرے اور بھروسہ تقدیر پر رکھے۔ (التحبیر بباب التدبیر مشمولہ فتاوی رضویہ مترجم ص ۲۹)

قلب کی حفاظت

انسان کا قلب خیر وشر کی آماجگاہ ہے، قلب کی حفاظت ہی پر ایمان ویقین کی بنیاد آراستہ ہوتی ہے۔ تصوف میں تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب اساسی امور ہیں، قلب اگر صاف ہے تو خیر وشر، صلاح کی تعلیم کرے گا اور اگر عصیان وگناہ اور بدعات وخرافات کی آلائش سے آلودہ ہو تو پھر اس سے خیر کی توقع نہیں۔ اس وقت وہ شیطان کی آماجگاہ اور کتے کا گھر بن جاتا ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ اگر دل اخلاق ذمیمہ یعنی بغض وحسد، عداوت وکینہ، کبر ونخوت، حب جاہ ومال وغیرہ سے پاک نہ ہو تو وہ کتے کا گھر ہے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نفس، روح، قلب اور ان کے کاموں کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اصل میں تین چیزیں علاحدہ علاحدہ ہیں: (۱) نفس (۲) روح (۳) قلب

روح بمنزلہ بادشاہ کے ہے اور نفس وقلب اس کے دو وزیر ہیں، نفس اس کو ہمیشہ شر کی طرف لے جاتا ہے اور قلب جب تک صاف ہے، خیر کی طرف بلاتا ہے اور معاذ اللہ کثرت معاصی اور خصوصاً کثرت بدعات سے اندھا کر دیا جاتا ہے، اب اس میں حق کے دیکھنے، سمجھنے اور غور کرنے کی قابلیت نہیں رہتی۔ مگر ابھی حق سننے کی استعداد باقی رہتی ہے اور پھر معاذ اللہ اوندھا کر دیا جاتا ہے، اب وہ نہ حق سن سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے، بالکل چوپٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔

قلب حقیقتاً اس مضغۂ گوش کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک لطیفہ غیبیہ ہے، اس کا مرکز یہ مضغۂ گوش ہے، سینے کے بائیں جانب۔

اور نفس کا مرکز زیر ناف ہے۔ اسی واسطے شافعیہ سینے پر ہاتھ باندھتے ہیں، کہ نفس سے جو وساوس اٹھیں وہ قلب تک نہ پہنچ پائیں، اور حنفیہ زیر ناف باندھتے ہیں۔

سر چشمہ شاید گرفتن بہ میل
چو پر شد نشاید گرفتن بہ پیل

یعنی گر بہ کشتن روز اول باید (بلی کو پہلے ہی دن مار ڈالنا چاہیے)

اسی واسطے یہ تحریر کیا گیا ہے کہ اگر ہاتھ سختی سے باندھے جائیں تو وساوس نہ پیدا ہوں۔ (الملفوظ سوم ص ۵۳۳)

صوفیہ کرام نے تزکیہ قلوب کے ساتھ ذکر وفکر کو اپنا مشغلہ بنایا، جس کے نتیجے میں ان کی زبان اور دل سے اللہ اللہ کی صدائیں آنے لگیں، یعنی دل کو پاکیزہ کر کے جب ذکر الٰہی میں لگایا جائے تو کیفیت یہ ہوگی کہ زبان خاموش رہے گی مگر دل ذکر سے جاری رہے گا۔ کیوں کہ قلب جاری وہ قلب ہے، جو خدا اور رسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کے ذکر شریف میں جاگتا رہے، قلب کو جاری رکھنے کے لیے اس کا مشغول مجاہدہ رہنا ضروری ہے، ورنہ دنیا کے تفکرات سے اس میں فرق پڑ سکتا ہے۔

ایک مجلس میں امام احمد رضا بریلوی سے پوچھا گیا: کیا دنیوی تفکرات کا قلب جاری پر

اثر ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں دنیا کی فکریں جاری قلب کی حالت میں ضرور فرق ڈالتی ہیں۔(الملفوظ اول ص ۸۹)

ہر وہ بات جس سے قلب پر اثر پڑے یا وہ منصب صوفیت کے خلاف معلوم ہوتی ہو، صوفیہ اس سے سخت احتراز کرتے ہیں، خواہ وہ مال و دولت ہو یا کوئی اور شئ، تاکہ اللہ تعالیٰ سے ان کا جو تعلق خاطر ہے، اس میں خلل نہ پڑے، کیوں کہ کبھی کبھی مقربین کے خلاف اولیٰ کے ارتکاب سے بھی اللہ سے ان کا علاقہ محبت قطع ہو جاتا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی حضرت ابوبکر شبلی اور حفظ قلب سے متعلق فرماتے ہیں: اللہ عز وجل کے سات قلب کی محافظت اہم و اعظم فرائض سے ہے۔

سیدنا ابوبکر شبلی رضی اللہ عنہ کو سو اشرفیاں ملیں، کنارۂ دجلہ پر ایک صاحب خط بنوا رہے تھے، ان کو دیں، قبول نہ کیں۔ حجام کو دیں، کہا، میں نے ان کا خط اللہ عزوجل کے لیے بنانا چاہا ہے، اس پر عوض نہ لوں گا۔ شبلی رضی اللہ عنہ نے اس مال سے فرمایا، کہ تو ایسی ہی چیز ہے، جسے کوئی قبول نہیں کرتا اور دریا میں پھینک دیں۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: جاہل گمان کرے گا تضییع مال ہوئی، حاشا بلکہ حفظ قلب کہ اس وقت یہی اس کا ذریعہ تھا، وہ صاحب سامنے تھے، کسی نے قبول نہ کیں، اب ان کو پاس رکھتے اور ایسے فقیر کی تلاش میں نکلتے، جو قبول کر لیتا اور معصیت میں نہ اٹھاتا، اتنی دیر تک کی زندگی پر تم لوگوں کو اطمینان ہوا ہے، وہاں ہر آن موت پیش نظر ہے اور ڈرتے ہیں کہ اس وقت آجائے اور اس غیر خدا کا خطرہ قلب میں ہو، جنگل میں پھینک دیتے تو نفس کا تعلق قطع نہ ہوتا کہ ابھی دسترس رہتی، اب بتایئے، سوا اس کے ان کے پاس کیا چارہ تھا کہ اسے فوراً فوراً اس طرح ہاتھ خالی کر لیں کہ نفس کو یاس ہو جائے اور اس کے خیال سے باز آئے۔ یہ صفائے قلب و دفع خطرۂ غیر کی دولت کروڑوں اشرفیوں بلکہ تمام ہفت اقلیم کی سلطنت سے کروڑوں درجہ اعلیٰ و افضل ہے۔ کیا اگر سو اشرفیاں خرچ کر کے سلطنت یہ ملی، کوئی اسے تضییع مال کہہ سکتا ہے، بلکہ بڑی دولت کا بہت ارزاں حاصل کرنا، یہی یہاں ہے۔

(الملفوظ اول ص ۱۴۵)

www.muftiakhtarrazakhan.com

محبت اور عشق

دل کے میلان کا نام محبت ہے، یہی محبت جب غالب ہو جائے تو عشق کہلاتی ہے، عشق میں عقل باقی رہتی ہے اور اگر عقل پر عشق کا غلبہ ہو تو جنون کہلاتا ہے۔ محبت کا درجہ عشق سے کم تر ہے۔ عشق کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ عاشق اپنے محبوب میں فنا ہو جائے۔ عشق میں اہل ہدایت کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہش کے پابند ہوتے ہیں، اور ان کی خواہش یہی ہے کہ حبیب کو دیکھیں اور رقیب کو نہ دیکھیں۔ یہ امر بھی مسلم ہے کہ جو عشق حقیقی کی لذتوں سے آشنا ہو جاتا ہے، وہ دنیا و مافیہا سے بیگانہ ہو کر وصال محبوب کی آرزو میں مچلتا رہتا ہے۔ صوفیہ کی تاریخ زندگی میں عشق و عرفان ہی وہ لازوال دولت ہے، جس سے انہیں مراتب عالیہ اور قرب حق حاصل ہوا۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ایک مقام پر عشق کے تین مقامات مختلفہ کی وضاحت فرماتے ہیں، جن میں سے ہر مقام ایک دوسرے سے اعلیٰ ہے۔

مقام اول: ادنیٰ مقام ''جو شش عشق ورشک ہے'' یعنی دل کی خواہش تو یہی ہے کہ حبیب بے خلش رقیب جلوہ گر ہو، مگر حبیب و رقیب شدت مصاحبت سے متلازم ہیں کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کے دیکھنے اور ایک کا نہ دیکھنا دوسرے کے نہ دیکھنے کو مستلزم ہے۔ نظر برآں جب رشک جوش کرتا ہے، حبیب کو دیکھنا نہیں چاہتا کہ اس کی رویت بے رویت، رقیب نہ ہوگی اور رویت رقیب ہرگز منظور نہیں اور جب عشق جوش زن ہوتا ہے، رقیب کو دیکھنا نہیں چاہتا کہ اس کا نہ دیکھنا حبیب کے نہ دیکھنے کو مستلزم ہوگا اور دیدار حبیب سے محرومی گوارا نہیں۔

مقام دوم: اوسط ''فنائے ارادہ در ارادہ محبوب'' یعنی خواہش دل تو وہی کہ حبیب بے رقیب متجلی ہو، مگر حبیب کا ارادہ اس کا عکس ہے، وہ چاہتا ہے کہ میں اسے نہ دیکھوں اور رقیب کو دیکھوں کہ غیظ پاؤں اور مراد نہ پاؤں۔ جب فنائے ارادہ فی ارادۃ الحبیب کا مقام وارد ہوتا ہے، میں اپنی اس خواہش دلی سے درگزر کرتا ہوں۔ ؎

میل من سوئے وصال و قصد او سوئے فراق
ترک کام خود گرفتم تا بر آید کام دوست

www.muftiakhtarrazakhan.com

میری رغبت وصال کی طرف اور اس کا ارادہ فراق کا ہے، میں نے اپنا مقصد ترک کر دیا تا کہ دوست کا مقصد پورا ہو جائے ۔

فراق ووصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

فراق ووصل کیا چاہتا ہے، دوست کی رضا مندی طلب کر، کیوں کہ اس سے اس کے غیر کی تمنا کرنا افسوس ناک ہوگا۔

مقام سوم: اعلیٰ مقام ''فنافی المحبوب'' کہ خود اپنی ذات ہی باقی نہ رہے، غیر واضافات ونسبت وتعلقات کہاں سے آئیں، رقیب کا غیر ہونا ظاہر اور رویت حبیب کا تصور بھی، تصور غیر ہے کہ رویت تین چیزوں کو چاہتی ہے۔ رائی، مرئی اور وہ تعلق کہ ان دونوں میں ہوتا ہے، بلکہ حبیب کو جاننا بھی بے تصور نفس ممکن نہیں کہ حبیب وہ ہے جس سے محبت ہو اور محبت کو ہر دو حاشیہ محبّ ومحبوب اور دونوں کے درمیان کی نسبت واضافت سے چارہ نہیں، جب میں ہمہ تن فنافی المحبوب ہوں تو رقیب، حبیب ورویت وعدم رویت کو کون سمجھے اور ارادہ وچاہت کدھر سے آئے، لاجرم اس وقت ان میں سے کچھ خواہش نہیں رہتی۔

(فتاوی رضویہ مترجم ج ۶، ص ۵۶۶)

توبہ ورجوع الی اللہ

بندوں پر رب تعالیٰ کی یہ بے حد وحساب رحمت ہے کہ وہ گناہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے، جس بات کے ارتکاب سے بندہ عذاب اور غضب الٰہی کا مستحق ہوتا ہے، اگر وہ اس سے خلوص قلب سے رجوع کرے تو رب العزت تبارک وتعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں اور وہ گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ۔

یوں تو اللہ تعالیٰ ہر جگہ سے بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے، وہ سمیع وبصیر ہے، قرب وبعد ہر ایک کو سنتا دیکھتا ہے، لیکن توبہ کے لیے کوئی اگر بلندی پر جائے تو یہ قبولیت میں زیادہ

موثر ہے اور یہ کہ جہاں پر گناہ سرزد ہو وہاں سے کچھ ہٹ کر توبہ کرے۔

توبہ کے لیے بلندی پر جانے کی حکمت واسرار بتاتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

انصاف کی آنکھ بے غبار وصاف ہو تو احادیث صحیحہ سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جہاں جانا چاہے، اس طرف چند قدم قریب ہونا اور جہاں سے جدائی مقصود ہو، اس سے کچھ قدم دور ہونا بھی نفع بخش وکارآمد ہوتا ہے، جب کمال قرب وبعد میسر نہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل شی ء یتکلم به ابن آدم فانه مکتوب علیه فاذا خطا الخطیئة ثم احب ان یتوب الی الله عز وجل فلیات بقعة مرتفعة فلیمدد یدیه الی الله ثم یقول اللهم انی اتوب الیک منها لا ارجع الیها ابدا فانه یغفر له مالم یرجع فی عمله ذلک.(المستدرک علی الصحیحین ۱،ص ۵۱۶ کتاب الدعا)

آدمی کا ہر بول اس پر لکھا جاتا ہے کہ تو جو گناہ کرے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرنا چاہے، اسے چاہیے بلند جگہ پر جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہے، الٰہی! میں اس گناہ سے تیری طرف رجوع لاتا ہوں، اب کبھی ادھر عود نہ کروں گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے مغفرت فرمادے گا، جب تک اس گناہ کو پھر نہ کرے۔

توبہ کے لیے بلندی پر جانے کی یہی حکمت ہے کہ حتی الوسع موضع معصیت سے دور اور محل طاعت ومنزل رحمت یعنی آسمان سے قرب حاصل ہو۔(فتاوی رضویہ مترجم ج ۷ ص ۶۱۶)

بیعت وارشاد

شریعت پر عمل کے لیے تقلید ائمہ اور طریقت پر چلنے کے لیے مرشد کامل کی ضرورت ہے اور یہ کہ شرعی احکام ومسائل جو طریقت وحقیقت کے بالمقابل آسان وسہل ہیں، انہیں جاننے اور سمجھنے کے لیے ہمیں ائمہ وعلما کی حاجت ہے، ان کے بغیر شریعت کا ادراک نہیں ہوسکتا۔ لہذا تصوف وطریقت کی منزلوں کو طے کرنے کے لیے ہادی اور مرشد کی ضرورت اور

www.muftiakhtarrazakhan.com

بڑھ جائے گی ، کیوں کہ طریقت ،حقیقت ،معرفت میں زیادہ باریکیاں ہیں، ان پر چلنا شریعت سے زیادہ مشکل وصعوبت انگیز ہے۔

شیخ طریقت بنانے کی ضرورت اور مرید ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ شیخ اپنے مریدین کے لیے راہ حق کا وسیلہ ہوتے ہیں، پھر یہ سلسلہ اسلاف واکابر اور ائمہ رشد وہدیٰ کے واسطے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

جن احکام شریعت میں یہ حال ہے تو صاف روشن کہ دقائق سلوک اور حقائق معرفت بے مرشد کامل خود بخود قرآن وحدیث سے نکال لینا کس قدر محال ہے۔ یہ راہ سخت باریک اور بے شمع مرشد نہایت تاریک ہے، بڑے بڑوں کو شیطان لعین نے اس راہ میں ایسا مارا کہ تحت الثریٰ تک پہنچا دیا، تیری کیا حقیقت کہ بے رہبر کامل اس میں چلے اور سلامت نکل جانے کا ادعا کرے۔

ائمہ کرام فرماتے ہیں، آدمی اگر چہ کتنا ہی بڑا عالم، زاہد، کامل ہو، اس پر واجب ہے کہ ولی عارف کو مرشد بنائے بغیر اس کے ہرگز چارہ نہیں۔

میزان الشریعۃ میں ارشاد فرمایا:

فعلم من جميع ما قررناه وجوب اتخاذ الشيخ لكل عالم طلب الوصول الى شهود عين الشرعية الكبرىٰ ولو اجمع جميع اقر انه على علمه وعمله وزهده وورعه ولقبوه بالقطبية الكبرى فان بطريق القوم شروطا لا يعرفها الا المحققون منهم دون الدخيل فيهم بالدعاوى والا وهام و ربما كان من لقبوه بالقطبية لا يصلح ان يكون مريد القطب . الخ

(المیزان الکبری ا،ص۲۲،فصل ان القائل کیف الوصول)

ہم نے جو ثابت کیا، اس سے معلوم ہوا کہ شیخ بنانے کا وجود ہر اس عالم کے لیے جو عین الکبری کے مشاہدہ تک پہنچنے کا طالب ہے، اگر چہ اس کے علم وعمل اور زہد وورع پر تمام زمانے والے متفق ہوں اور اس کو قطبیت کبریٰ کا لقب دیں، کیوں کہ قوم صوفیہ کے طریق کی کچھ شرطیں ہیں، جنہیں ان کے محققین کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر وہ لوگ کیوں کر جان سکتے ہیں،

جوان میں صرف اپنے دعوے اور اوہام کے ساتھ داخل ہوتے ہیں، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس کو انہوں نے قطب ہونے کا لقب دیا ہے، وہ اس لائق نہیں ہے کہ کسی حقیقی قطب کا مرید ہو۔

یہ اس لیے ہے، جو اس راہ پر چلنا چاہے، اور ہمت پست کوتاہ دست لوگ اگر سلوک نہ بھی چاہیں تو انہیں توسل کے لیے شیخ کی حاجت ہے۔ یوں اللہ عزوجل اپنے بندوں کو بس تھا، وہ فرماتا ہے:

الیس اللہ بکاف عبدہ.

کیا خدا اپنے بندوں کو کافی نہیں۔

مگر قرآن عظیم نے حکم فرمایا:

وابتغوا الیہ الوسیلۃ.

اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

اللہ کی طرف وسیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وسیلہ مشائخ کرام، سلسلہ بہ سلسلہ جس طرح اللہ عزوجل تک بے وسیلہ رسائی محال قطعی ہے، یوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی بے وسیلہ دشوار عادی ہے۔

احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب شفاعت ہیں، اللہ عزوجل کے حضور وہ شفیع ہوں گے اور ان کے حضور علما و اولیا اپنے متوسلین کی شفاعت کریں گے۔

مشائخ کرام دنیا و دین ونزع وقبر وحشر سب حالتوں میں اپنے مریدین کی امداد فرماتے ہیں۔

میزان الشریعۃ میں ارشاد فرمایا:

قد ذکرنا فی کتاب الاجوبۃ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ان ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ کلہم یشفعون فی مقلدیہم ویلاحظون احدہم عند طلوع روحہ وعند سوال منکر ونکیر لہ وعند النشر والحشر والحساب والمیزان والصراط ولا یغفلون عنہم فی موقف من المواقف. الخ

(المیزان الکبریٰ ۱،ص ۵۳،فصل فی بیان جملة من الامثلة)

ہم نے کتاب الاجوبة عن ائمة الفقهاء و الصوفية میں بیان کیا ہے کہ فقہا اور صوفیہ سب کے سب اپنے متبعین کی شفاعت کریں گے اور وہ اپنے متبعین اور مریدین کے نزع کی حالت، روح کے نکلنے، منکر نکیر کے سوالات، نشر وحشر، حساب و میزان عدل پر اعمال تلنے اور پل صراط پر گزرنے کے وقت ملاحظہ فرماتے ہیں اور تمام مواقف میں سے کسی ٹھہرنے کی جگہ سے غافل نہیں ہوتے۔

اس محتاج بے دست و پا سے بڑھ کر احمق اپنی عاقبت کا دشمن کون جو اپنی سختیوں کے وقت اپنا مددگار نہ بنائے۔

حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

استكثروا من الاخوان فان لكل مومن شفاعة يوم القيامة.

(کنز العمال ۹، ص ۴، حدیث ۲۴۶۴۲)

اللہ کے بکثرت نیک بندوں سے رشتہ و علاقۂ محبت پیدا کرو کہ قیامت میں ہر مسلمان کامل کو شفاعت دی جائے گی، کہ اپنے علاقہ والوں کی سفارش کرے۔

اور بالفرض! معاذ اللہ! اور کچھ نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اتصال سلسلہ کی برکت کیا تھوڑی تھی، جس کے لیے علمائے کرام آج تک حدیث کی سندیں لیتے ہیں، یہاں تک کہ رتن ہندی وغیرہ کی اسانید سے طلب برکت کرتے ہیں۔

(ماخوذ از امام احمد رضا اور معارف تصوف)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے فنا و بقا، تسلیم و رضا، صبر و توکل، وحدۃ الوجود جیسے دقیق مسائل تصوف کو شعر کے قالب میں ڈھالا ہے، جو آپ کا کمال فن ہے ۔

ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں

ذوق و شوق اور والہانہ کیف و سرور ملاحظہ فرمائیں ۔

کس بلا کی مے میں ہیں سرشار ہم

www.muftiakhtarrazakhan.com

دن ڈھلا ہوتے نہیں ہشیار ہم
دشمنوں کی آنکھ میں بھی پھول تم
دوستوں کی بھی نظر میں خار ہم
فصل گل سبزہ صبا مستی شباب
چھوڑیں کس دل سے در خمار ہم

☆☆☆

آہ وہ آنکھ کہ ناکام تمنا ہی رہی
ہائے وہ دل جو ترے در سے پر ارمان گیا

☆☆☆

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن و جاں ہم کو
پھر دکھادے وہ رخ اے مہر فروزاں ہم کو
جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھادے وہ ادائے گل خنداں ہم کو
تنگ آتے ہیں دو عالم تری بے تابی سے
چین لینے دے تپ سینہ سوزاں ہم کو
پردہ اس چہرہ انور سے اٹھا کر اک بار
اپنا آئینہ بنا اے مہ تاباں ہم کو

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے مسائل تصوف پر بعض رسائل بھی تحریر فرمائے ہیں:

(۱) کشف حقائق واسرار دقائق ۱۳۰۸ھ (۲) الیاقوتة الواسطة فی قلب عقد الرابطة ۱۳۰۹ھ (۳) انہار الانوار من یم صلوة الاسرار ۱۳۰۵ھ (۴) ازہار الانہار من صلی صلوة الاسرار ۱۳۰۵ھ .

امام احمد رضا قدس سرہ کے تصوف وحکمت اور شریعت وطریقت سے متعلق خواجہ حسن نظامی کے تاثرات بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

''بریلی کے مولانا احمد رضا خاں صاحب جن کو ان کے معتقد مجدد مأۃ حاضرہ کہتے ہیں ۔ درحقیقت طبقہ صوفیہ کرام میں بہ اعتبار علمی حیثیت کے منصب مجدد کے مستحق ہیں۔ انہوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکہ کی کتابیں لکھی ہیں، جو سالہا سال سے فرقہ وہابیہ کے زیر تحریر وتقریر تھیں اور ان کے جوابات گروہ صوفیہ کی طرف سے کافی وشافی نہیں دیے گئے تھے ۔ان کی تصنیفات وتالیفات کی ایک خاص شان اور خاص وضع ہے، یہ کتابیں بہت زیادہ تعداد میں ہیں اور ایسی مدلل ہیں جن کو دیکھ کر لکھنے والے کے تبحر علمی کا جید سے جید مخالف کو اقرار کرنا پڑتا ہے۔مولانا احمد رضا خاں جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی خصلت ہے، جس کی ہم سب کو پیروی کرنی چاہیے اور ان کے مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا کی تحریروں میں بہت سختی ہے اور بہت جلد دوسروں پر کفر کا فتوی لگا دیتے ہیں، مگر شاید ان لوگوں نے مولانا اسماعیل شہید اور ان کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھیں، جن کو سالہا سال صوفیہ کرام برداشت کرتے رہے۔ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے، اس کے مقابلے میں جہاں تک میرا خیال ہے۔مولانا احمد رضا خاں نے ان تک بہت کم لکھا ہے۔ جماعت صوفیہ علمی حیثیت سے مولانا موصوف کو اپنا بہادر صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔'' (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ ص ۴۴۵)

مسند ارشاد اور خلفا

فاضل بریلوی کو قادری ،چشتی، سہروردی ،نقشبندی ان تمام سلاسل طریقت میں اجازت وخلافت حاصل تھی۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے مسند درس وافتا کے ساتھ سجادہ مشیخت کو بھی رونق بخشی اور آپ نے ارشاد وہدایت کی قلم رو میں اپنی مساعی جمیلہ سے ایک صالح انقلاب برپا کر دیا۔ روحانیت وتصوف کی اصل اتباع واطاعت رسول کے صحیح جذبے سے اپنے حلقہ بگوشوں کو آشنا کیا، ان کے دلوں میں حب رسول کا جذبۂ صادق اور طاعت وعبادت، حق کی سچی لگن پیدا فرمائی او صحیح معنوں میں خانوادہ قادریہ برکاتیہ کی ایسی شمع فروزاں تھے، جس کی شعائیں

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہندو بیرون ہند تک پہنچی اور آج پوری دنیا میں سلسلہ رضویہ برکاتیہ قادریہ کے مشائخ رشد وہدایت خلق کا مہتم بالشان فرض انجام دے رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے نامور خلفا جن سے اس سلسلہ بیعت وارشاد کی اشاعت ہوئی حسب ذیل ہیں:

صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا سید محمد دیدار علی، مولانا عبدالاحد قادری، مولانا عبدالعلیم میرٹھی، مولانا محمد رحیم بخش آروی، مولانا لعل محمد خاں مدراسی، مولانا عمر بن ابی بکر، مولانا ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی، مولانا محمد شفیع بیسلپوری، مولانا حسنین رضا خاں، مولانا محمد عمر شریف کوٹی ہاران، مولانا امام الدین، مفتی غلام جان ہزاروی، مولانا احمد حسین امروہی، مولانا عبدالسلام جبل پوری، مولانا محمد عبدالباقی، مولانا عبدالحئ فارسی محدث، سید فتح علی شاہ، مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری، مولانا محمد عمر الدین ہزاروی، مولانا محمد حبیب اللہ قادری، پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری، مولانا حشمت علی خاں، مولانا میر مومن علی مومن جنیدی، قاری بشیر الدین جبل پوری، مولانا ابراہیم رضا خاں، مولانا شیخ صالح کمال مکی، مولانا سید اسماعیل مکی، مولانا سید مصطفیٰ بن مولانا سید خلیل مکی، مولانا سید حسین مرزوقی، مولانا شیخ اسعد دہان مکی، مولانا شیخ عبدالرحمٰن مکی، علامہ شیخ محمد عابد بن حسین مکی، مولانا شیخ علی بن حسین، مولانا شیخ جمال بن محمد امیر مکی، مولانا شیخ عبداللہ بن شیخ احمد ابوالخیر میرداد، مولانا سید عبداللہ دحلان مکی، مولانا شیخ بکر رفیع مکی، حضرت شیخ حسن عجیمی، مولانا سید سالم بن عید روسی یار علوی حضرمی، مولانا سید علوی بن حسن الکاف حضرمی، مولانا ابوبکر بن سالم یار علوی حضرمی، مولانا محمد بن عثمان دحلان مکی، شیخ محمد یوسف مہاجر مکی، مولانا شیخ عبدالقادر کردی، مولانا عبداللہ فرید بن مولانا عبدالقادر کردی، مولانا سید عمر بن سید ابی بکر مکی، مولانا شیخ احمد خضراوی، مولانا سید مامون بری، مولانا سید محمد سعید مدنی، مولانا شیخ بن ہمدان محرسی مدنی۔

(سوانح اعلیٰ حضرت ص ۳۲۹)

مکارم ومحاسن اخلاق

امام احمد رضا فاضل بریلوی علم ظاہر اور علم باطن کے ماہر اور رمز شناس تھے، وہ اپنی عملی زندگی میں شریعت وطریقت کی راہ پر استقلال اور پامردی کے ساتھ گامزن رہے، ان کا ہر قدم اتباع رسول میں اٹھتا، فرائض وسنن کا اہتمام فرماتے، وہ عالم ربانی اور صوفی باصفا تھے، حال یہ تھا کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نہ تھوکتے اور نہ قبلہ کی طرف پاؤں پھیلاتے، ہمیشہ نماز باجماعت ادا فرماتے، اوقات آرام کے علاوہ سارا دن تصنیف وتالیف، مطالعہ وکتب بینی اور ملک وبیرون ملک سے آئے ہوئے دینی وشرعی استفسارات کے جوابات تحریر فرماتے، آپ کا ظاہر وباطن ایک تھا، قول وفعل میں یکسانیت پائی جاتی، جو کچھ آپ کے دل میں ہوتا وہی زبان پر آتا اور جو کہتے اس پر عمل کرتے۔ آپ الحب للہ والبغض للہ کی زندہ تصویر تھے۔ اشداء علی الکفار ورحماء بینھم کے مطابق بددینوں اور کافروں کے لیے سخت چٹان تھے، پور زندگی سلف صالحین کے طریقے پر گزاری۔ اخلاق وعادات، عبادت وریاضت کے علاوہ بخشش وعطا میں آپ کی زندگی قابل تقلید ہے، کوئی سائل کاشانہ اقدس سے خالی ہاتھ نہ لوٹتا، بیواؤں، یتیموں اور مفلسوں کی امداد کے لیے آپ کی جانب سے ماہانہ وظیفے مقرر تھے۔

ایمان ویقین

ولی اور کامل صوفی کے لیے لازم شرطیں ایمان وایقان ہیں، وہ اس وصف میں عامۃ الناس سے زیادہ کامل ومکمل ہوتا ہے، اسی کو قرآن نے الذین آمنوا وکانوا یتقون میں ذکر فرمایا ہے۔ یہ رسوخ فی الدین امام احمد رضا کی پوری زندگی میں نظر آتا ہے، ان کے عقائد ونظریات دین کی محکم بنیادوں پر قائم ہیں، خواہ وہ اصول ہوں یا فروع۔ وہ اپنے عقیدے میں راسخ ومستحکم ہیں اور یہ استحکام محض علم سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ عرفان ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی تاریخ ولادت اس آیت کریمہ سے استخراج فرمائی ''اولئک کتب فی قلوبھم

www.muftiakhtarrazakhan.com

الایمان وایدھم بروح منه‘‘ (۱۲۷۲ھ) یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعہ ان کی مدد فرمائی۔

مولانا غلام حسین صاحب جو علم نجوم میں بڑا کمال رکھتے تھے۔ستاروں کی شناخت اور اس کے نتائج نکالنے میں کافی ماہر تھے، جو عمر میں اعلیٰ حضرت سے بڑے تھے، اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں تشریف لائے۔

اعلیٰ حضرت نے دریافت کیا، فرمایئے، بارش کا کیا اندازہ ہے؟ کب تک ہوگی؟ انہوں نے ستاروں کی وضع سے زائچہ بنالیا اور فرمایا، اس مہینے میں پانی نہیں ہے، آئندہ ماہ میں ہوگا۔ یہ کہہ کر زائچہ اعلیٰ حضرت کی طرف بڑھایا، آپ نے دیکھ کر فرمایا، اللہ کو سب قدرت ہے، چاہے تو آج ہی بارش ہو، انہوں نے کہا، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ ستاروں کی وضع نہیں دیکھتے؟ فرمایا، محترم! میں سب دیکھ رہا ہوں، اور اس کے ساتھ ستاروں کے واضع اور اس کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں، پھر اس مشکل مسئلہ کو بڑے آسان طریقے پر سمجھایا، سامنے گھڑی لگی ہوئی تھی، اعلیٰ حضرت نے ان سے پوچھا، وقت کیا ہے؟ بولے، سوا گیارہ بجے ہیں۔ فرمایا، بارہ بجنے میں کتنی دیر ہے؟ بولے پون گھنٹہ۔ فرمایا، اس سے پہلے؟ کہا، ہرگز نہیں۔ ٹھیک پون گھنٹہ۔ اعلیٰ حضرت اٹھے اور بڑی سوئی گھمادی، فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے، حضرت نے فرمایا، آپ نے کہا تھا ٹھیک پون گھنٹہ بارہ بجنے میں باقی ہے۔ بولے، اس کی سوئی کھسکادی، ورنہ اپنی رفتار سے پون گھنٹہ بعد ہی بارہ بجتے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا، اسی طرح رب العزت قادر مطلق ہے، کہ جس ستارے کو جس وقت جہاں چاہے پہنچادے، وہ چاہے تو ایک مہینہ، ایک ہفتہ، ایک دن کیا؟ ابھی بارش ہونے لگے۔ اتنا فرمانا تھا کہ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹا چھائی اور فوراً پانی برسنے لگا۔

کیا قدرت خداوندی پر ایسا ایمان ویقین کسی ماہر نجوم میں مل سکتا ہے۔ اور کیا زبان کی ایسی تاثیر کسی عالم ظاہر کے یہاں دستیاب ہوسکتی ہے؟ یہ واقعہ بین دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت صرف عالم ہی نہیں بلکہ عارف اور صوفی کامل بھی تھے۔

(امام احمد رضا اور تصوف ص ۵۱، ۵۲)

www.muftiakhtarrazakhan.com

عشق رسول

امام احمد رضا فاضل بریلوی کے جملہ محاسن ومحامد کا سرچشمہ عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا ہے، آپ کی تمام دینی، روحانی، تجدیدی، تصنیفی سرگرمیوں کا محور عشق رسول ہی ہے، حب رسول ہی دین کی اساس اور ایمان کی اصل ہے۔ فاضل بریلوی کی زندگی کا ایک ایک لمحہ حب رسول سے سرشار تھا، وہ شب وروز یاد حبیب میں بسر کرتے، وہ عشق نبوی کو سرمایہ حیات اور جان شیریں سے عزیز سمجھتے تھے ؎

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں

محبت رسول جس میں آپ امتیازی شان رکھتے ہیں، سارا زمانہ اس کا اعتراف کرتا ہے، عشق رسول کی شراب آپ کی رگ وپے میں اس طرح گردش کرتی تھی کہ اس کی سرشاریوں سے ہر وقت مست وبے خود رہا کرتے تھے اور محبوب رب العالمین کی شان میں کسی دریدہ دہن کی ادنیٰ گستاخی انہیں ہرگز گوارا نہ تھی، انہوں نے عظمت مصطفیٰ کے تحفظ کے لیے حالات کی نامساعدت اور مخالفین کی عداوتوں کی ہرگز پرواہ نہ کی، یہی وصف ایک مومن کامل کا طرہ امتیاز اور تکمیل ایمان کی شان ہے ''لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین ''تم میں کا کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے باپ اور اپنی اولاد اور سب لوگوں سے وہ مجھے عزیز نہ رکھے۔

شیدائے رسول اپنی متاع حیات اور جان شیریں نام مصطفیٰ پر قربان کرنے کی تمنا کا اظہار اس طرح کرتا ہے ؎

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

خدا اور سول کی محبت کے بارے میں فرماتے ہیں: "بحمد اللہ! اگر قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا **لا الہ الا اللہ** اور دوسرے پر لکھا ہوگا **محمد رسول اللہ**۔" (الملفوظ سوم ص ٦٧)

امام احمد رضا کا عشق رسول ان کی ایسی شناخت بن گیا، جس کا اعتراف یگانوں اور بے گانوں سب نے کیا۔

ابوالکلام آزاد : (مولانا) احمد رضا خاں ایک سچے عاشق رسول گزرے ہیں۔ (تحقیقات ص ٣٤)

مولوی الیاس بانی تبلیغی جماعت : اگر کسی کو محبت رسول علیہ التحیۃ والثنا سیکھنی ہو تو مولانا بریلوی (امام احمد رضا) سے سیکھے۔ (فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ١٠٠)

مولانا کوثر نیازی : ان کی امتیازی خصوصیت ان کا عشق رسول ہے، جس میں وہ سر تا پا ڈوبے ہوئے ہیں چنانچہ ان کا نعتیہ کلام سوز و گداز کی کیفیتوں کا آئینہ دار ہے۔ (انداز بیان ص ٩)

ڈاکٹر جمیل جالبی : ان (مولانا احمد رضا) کا امتیازی وصف جو دوسرے تمام فضائل و کمالات سے بڑھ کر ہے وہ عشق رسول علیہ السلام ہے ان کی تصنیفات و تالیفات میں جو چیز سب سے نمایاں ہے وہ وہی حب رسول ہے۔ (معارف رضا چہارم کراچی ص ٤٧)

پروفیسر کرار حسین : میں ان کی شخصیت سے اس وجہ سے متاثر ہوں کہ انہوں نے علم و عمل میں عشق رسول کو وہ مرکزی مقام دیا ہے جس کے بغیر تمام دین ایک جسد بے روح ہے۔

(خیابان رضا ص ٨٥)

زہد و تقوی

امام احمد رضا کی شان زہد و تقوی بھی باکمال صوفیہ کے زہد و اتقا کا نمونہ تھی۔ آپ کی پوری زندگی شریعت و طریقت سے عبارت ہے۔ آپ ارشاد خداوندی "ان اولیائہ الا المتقون" کے مطابق ولی کامل تھے۔ آپ نے سخت سے سخت ایام اور ناتوانی کے باوجود فرائض و واجبات کو ترک نہیں کیا، وہ رخصت کے بجائے ہمیشہ عزیمت پر عمل کرتے، آپ کی زندگی کا آخری

www.muftiakhtarrazakhan.com

رمضان ۱۳۳۹ھ میں تھا، سخت گرمی اور تپش تھی، عمر کے آخری ایام میں مرض کی شدت، کمزوری اور ناتوانی ایسے لوگوں کے لیے شریعت کی رخصت یہ ہے کہ ایسا شخص روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے اور ناتواں مریض کو اجازت دیتی ہے کہ قضا کرلے، لیکن امام احمد رضا کا فتویٰ اپنے لیے کچھ اور ہی تھا، جو درحقیقت فتویٰ نہیں تقویٰ تھا۔ انہوں نے فرمایا، بریلی میں شدت گرما کے سبب میرے لیے روزہ رکھنا ممکن نہیں، لیکن پہاڑ پر ٹھنڈک ہوتی ہے، یہاں سے نینی تال قریب ہے، بھوالی پہاڑ پر روزہ رکھا جاسکتا ہے، میں وہاں جانے پر قادر ہوں، لہذا میرے اوپر وہاں جا کر روزہ رکھنا فرض ہے۔ چنانچہ رمضان وہیں گزارا اور پورے روزے رکھے۔

۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ کو وصال ہوتا ہے، مرض مہینوں سے تھا اور ایسا کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں، شریعت اجازت دیتی ہے کہ ایسا مریض گھر میں تنہا نماز پڑھ لے، مگر امام احمد رضا جماعت کی پابندی کرتے اور چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد تک پہنچاتے، جب تک اس طرح حاضری کی قدرت تھی جماعت میں شریک ہوتے رہے۔ (امام احمد رضا اور تصوف ص ۵۶)

امرا اور ان کے نذرانوں سے پرہیز

علم و معرفت کے شہریار نے کبھی امرا اور کبھی اہل ثروت کی دربارداری نہ کی اور نہ ہی ان کی مدح وستائش فرمائی، نہ ان کے پیش کیے ہوئے نذرانے قبول کیے۔ اس سلسلے میں ان کا نقطہ نظر یہ تھا ؎

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

نواب حامد علی خاں والی ریاست رام پور کے حضرت مہدی میاں سے مراسم تھے، ایک مرتبہ چاہا، کہ اعلیٰ حضرت سے ملاقات کرآؤں، نواب کے ساتھ اسپیشل ٹرین سے سفر میں تھے، بریلی اسٹیشن سے مدارالمہام کی معرفت ڈیڑھ ہزار کی نذر بھیجی اور پیغام کہلایا کہ میاں نے دیا ہے۔ اور نواب کو ملاقات کا موقع دیا جائے، دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے کھڑے مدارالمہام سے جواباً فرمایا، بعد سلام ان سے کہیے، یہ الٰہی نذر کیسی؟ مجھے چاہیے کہ میاں کی

خدمت میں نذر پیش کروں، نہ کہ میاں مجھے نذر دیں، اس نے کہا، حضور! ڈیڑھ ہزار ہیں (جو آج کے سکہ میں تقریباً پچہتر ہزار کے برابر ہوں گے) فرمایا، جو بھی ہو، واپس لے جایئے، فقیر کا مکان نہ اس قابل کہ کسی والی ریاست کو بلاسکوں اور نہ میں والیان ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جاسکوں۔ (حیات اعلیٰ حضرت ص ۶۵)

تواضع اور محاسبہ نفس

تواضع صوفیت کی بنیادی شرط ہے، تواضع یہ ہے کہ انسان خود کو سب سے حقیر و ذلیل سمجھے اور ہمیشہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے۔ اعلیٰ حضرت پیکر تواضع تھے، غرور و کبر سے آپ کا دامن اخلاق پاک وصاف تھا۔ تواضع کا جو ہر عمل امام احمد رضا کی زندگی میں پوری آب وتاب کے ساتھ نمایاں ہے۔ ان کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ نفس کا کتنا سخت محاسبہ کرتے اور بعض عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے کو کیا کچھ کہا کرتے تھے، اس میں تصنع کو قطعی دخل نہ تھا۔

نفس یہ کیا ظلم ہے جب دیکھو تازہ جرم ہے
ناتواں کے سر پہ اتنا بوجھ بھاری واہ واہ

☆☆☆

دعوی ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیشتر
دفتر میں عاصیوں کے شہا انتخاب ہوں

☆☆☆

خشک ہے خوں کے دشمن ظالم
سخت خوں خوار ہے کیا ہونا ہے

امام احمد رضا قدس سرہ کے زمانے میں روسر کی شکر کا مسئلہ پیش آیا، بڑا ہی عالمانہ جواب تحریر فرمایا، اس کے آخر میں رقم طراز ہیں:

فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ نے آج تک اس شکر کی صورت نہ دیکھی، نہ کبھی اپنے یہاں

منگوائی ، نہ آگے منگائے جانے کا قصد، مگر بایں ہمہ ہرگز ممانعت نہیں مانتا، نہ جو مسلمان استعمال کریں، (ان کو) آثم خواہ بے باک جانتا ہے، نہ تورع واحتیاط کا نام بدنام کر کے عوام مومنین پر طعن کرے، نہ اپنے نفس ذلیل مہین رذیل کے لیے ان پر ترفع وتعلّی روا رکھے۔ وباللہ التوفیق۔ (امام احمد رضا اور تصوف ص ۶۹)

اخلاص عمل

امام احمد رضا حسن نیت اور اخلاص عمل کا نمونہ تھے، ان کی عملی زندگی کا ہر ہر قدم اخلاص اور حسن نیت کی ڈگر پر اٹھتا، آپ نے دینی خدمات پر کبھی کوئی اجرت نہیں لی، خالصتاً لوجہ اللہ اس کام کو انجام دیتے۔ بعض ناواقف لوگوں نے فتوے کی فیس کے بارے میں سوال کیا تو جواباً تحریر فرمایا:

''یہاں بحمد اللہ تعالی! فتوی پر کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ کبھی نہ ایک پیسہ لیا گیا اور نہ لیا جائے گا، میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر سارے جہاں کے پروردگار پر ہے اگر وہ چاہے۔ (فتاوی رضوی سوم ص ۲۳۰)

تجدید واصلاح

دعوت دین، اصلاح اہل زمانہ اور فتنہ شکنی، وہ عظیم مجاہدہ ہے، جو تمام ارباب سلوک کو نصیب نہیں ہوتا، اہل کشف ومجاہدہ اور ارباب ریاضت میں بہت سے اولیائے کرام ایسے بھی نظر آتے ہیں، جنہوں نے خلوت کی زندگی گزاری اور جلوت سے انہیں کوئی سروکار نہیں رہا، مگر ایسے جلیل القدر اہل تصوف کی تعداد بھی کم نہیں ہے، جنہوں نے تحصیل علم اور راہ سلوک کی تکمیل کے بعد عام لوگوں میں رہ کر اصلاح معاشرہ اور تزکیہ نفوس کا فریضہ انجام دیا۔ حالات کی نامساعدت سے دوچار ہوئے، ان پر فتنوں کی یلغار ہوئی، مگر پامردی اور عزم وثبات کا پیکر بن کر ہمت وحوصلہ کے ساتھ دینی خدمات اور اصلاح وارشاد کے فرائض انجام دیتے رہے۔

امام احمد رضا نے بھی اپنی خدمات اور عبادات کے لیے خلق خدا سے الگ ہو کر کوئی

گوشہ تنہائی اختیار نہیں کیا، بلکہ شہر بریلی شریف میں لوگوں کے درمیان رہ کر دین کی خدمت انجام دی، فتنوں کا سد باب کیا، فرق باطلہ کی مدلل تردید فرمائی، لوگوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کا وہ عظیم فریضہ انجام دیا، جو ماسبق اہل علم صوفیہ کا شعار تھا۔ اصلاح معاشرہ اور تجدید واحیائے دین کے لیے امام احمد رضا مردانہ وار سرگرم عمل رہے۔ مولانا حسنین رضا صاحب بریلوی رقم طراز ہیں:

اس ہندوستان میں کوئی باطل فرقہ ایسا نہیں، جس کے رد میں ان کی بکثرت تحریریں موجود نہ ہوں، جب دین میں کوئی نیا فتنہ اٹھتا تو سب سے پہلے حضور کی زبان وقلم کو حرکت ہوتی اور کامل استیصال فرما کر چھوڑتے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ہر فتنہ انگیز کا فتنہ پھیلانے سے قبل یہ خیال مدتہا مدت تک باز رکھتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی سیف زبان اور نیزہ قلم کا کیا جواب ہوگا۔ (امام احمد رضا اور تصوف ص ۷۷)

تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری عالم اسلام کی سیاسی، سماجی اور دینی واخلاقی پستی کا دور ہے۔ مغرب کے جابرانہ تسلط نے مسلمانوں کے دنیاوی اقتدار کو ضرب لگائی تو دوسری جانب ان کی اخلاقی قدروں کو بھی پامال کیا۔ اعتقاد میں فساد اور عمل میں بگاڑ پیدا کرنے والی بہت سی تحریکیں وجود میں آئیں اور ایسے باطل پرست افراد کی کمی نہیں، جنھوں نے مسلمانوں کے اندر بے دینی اور گمراہی پیدا کرنے میں حتی المقدور کوشش نہ کی ہو اور جب ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کی اصلاح اور دین کی تجدید کے لیے مجدد پیدا کرتا ہے، جو اپنی عملی سرگرمیوں سے دین کے صحیح خدوخال پیش کرتا ہے اور بدعات ومنکرات سے لوگوں کو باز رکھنے کی پرخلوص جدوجہد کرتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا.

اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی کے سرے پر ایک مجدد پیدا کرتا ہے، جو دین کے امور کی تجدید فرماتا ہے۔

مجدد اعظم کی ولادت ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ اور وصال ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ کو ہوا، اس طرح

تیرہویں صدی ہجری کے آپ نے ۲۸ رسال دو مہینے ۲۰ ردن پائے اور چودہویں صدی کے ۳۹ رسال ایک مہینہ ۲۵ ردن۔ تیرہویں صدی کی آخری دہائی ہی سے آپ کی ذات علماوفضلا اوراہل حق کا مرجع بن گئی تھی، پھر چودہویں صدی کے چالیس سال آپ کی ذات والاصفات کی برکتیں عرب وعجم میں عام ہوگئیں۔آپ کی دینی وعلمی خدمات اورمرجعیت کودیکھتے ہوئے حافظ کتب خانہ حرم سیداسماعیل خلیل تحریرفرماتے ہیں:

لوقیل فی حقه انه مجدد هذا القرن لکان حقا وصدقا.

اگران کے بارے میں کہاجائے کہ وہ اس صدی کے مجدد ہیں تو یہ بات صحیح اور سچی ہوگی۔

حضوراعلیٰ حضرت نے قدیم وجدید تمام باطل فرقوں اور گمراکن تحریکوں کی تردیدفرمائی اورمسلمانوں کے اعتقادی اور عملی فساد کی اصلاح فرمائی۔ دین وشریعت کی حقیقی روح سے لوگوں کوآشنا کیا، بدعات ومنکرات کا بلیغ ردفرمایااورجس جس جہت اورنوعیت سے دین حق پر یلغار کی جارہی تھی، ان کا قلع قمع کیا۔اللہ تعالیٰ نے دین کی حمایت ونصرت، علم دین کی تبلیغ واشاعت، سنیت کی حفاظت اوردین حق کی صیانت کے لیے آپ کو پیدافرمایا تھا۔آپ نے پوری زندگی امر بالمعروف ونہی عن المنکر، مسلمانوں کی اصلاح اوردین کی تجدید کا اہم فریضہ انجام دینے میں بسر کردی اور باطل کی ہرتحریک کا راستہ روکنے کی کامیاب جدوجہدفرمائی۔ عقیدہ وعمل کے صحیح اسلامی نقوش واضح کرنے میں اوردین کے صحیح خدوخال روشن کرنے میں جوسعی جمیل آپ نے فرمائی، وہ ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے رشحات قلم سے ہویدا ہے۔ وہابیت، قادیانیت، رفض، نیچریت کاردوابطال جس قوت وبصیرت کے ساتھ آپ نے فرمایا، اس کی مثال نہیں ملتی۔

وصال

عمرشریف کے آخری ایام میں علیل ہوئے، روز بروز مرض میں اضافہ ہوتا گیا، وفات کا دن آیا، ۱۲ربجے دن کے بعد جائداد کا وقف نامہ لکھوایا اور دستخط سے مزین فرمایا۔ دو بجے دن میں کمرے کے اندر موجود پوسٹ کارڈ، لفافے، نوٹ جن پر تصویریں تھیں، ہٹانے کا حکم

www.muftiakhtarrazakhan.com

دیا۔ پھر مولانا مصطفیٰ رضا خاں مفتی اعظم سے فرمایا، اب بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ سورہ یٰسین شریف اور سورہ رعد شریف تلاوت کرو۔

اب (آپ کی) عمر شریف سے چند منٹ رہ گئے ہیں، حسب الحکم دونوں سورتیں تلاوت کی گئیں۔ (آپ نے) ایسے حضور قلب اور تیقظ سے سنی کہ جس آیت میں اشتباہ ہوا، یا سننے میں پوری نہ آئی، یا سبقت زبان سے زیر و زبر میں اس وقت فرق ہوا، خود تلاوت فرما کر بتادیا.....سفر کی دعائیں جن کا چلتے وقت پڑھنا مسنون ہے، تمام وکمال بلکہ معمول شریف سے زائد پڑھیں۔ پھر کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورا پڑھا، جب اس کی طاقت نہ رہی اور سینے پر دم آیا، ادھر ہونٹوں کی حرکت ذکر پاس انفاس کا ختم ہونا تھا کہ چہرہ مبارک پر ایک لمعہ نور چمکا، جس میں جنبش تھی، جس طرح آئینہ میں لمعان خورشید جنبش کرتا ہے، اس کے غائب ہوتے ہی وہ جان نور جسم اطہر سے پرواز کر گئی۔

یہ سانحہ ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز جمعہ دن میں دو بج کر اڑتیس منٹ پر واقع ہوا۔

ٹھیک اسی دن بیت المقدس میں ایک شامی بزرگ نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حاضر دربار ہیں، لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کسی آنے والے کا انتظار ہے، وہ شامی بزرگ بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں، حضور! کس کا انتظار ہے؟ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: احمد رضا خاں کا۔ انہوں نے عرض کی، احمد رضا خاں کون ہیں؟ حضور نے فرمایا، ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں، جب شوق دیدار میں وہ بزرگ بریلی تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ عین اسی دن ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ (سوانح اعلیٰ حضرت ص ۳۸۴)

www.muftiakhtarrazakhan.com

حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں بریلوی

علیہ الرحمۃ والرضوان

گل گلستان رضا حضرت علامہ مفتی حامد رضا خاں جن کی عبقری علمی وروحانی شخصیت خانوادہ رضا کی بلند قامت ستودہ صفات ذات گرامی تھی، جن کی عظمت علم وحکمت ودانائی، فکر وفن، تبلیغ واشاعت دین، علم وعمل، حزم واتقا اور فضل وکمال کی جہت سے مشہور انفس وآفاق ہے، آپ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت کی میراث علم وفضل کے وارث تھے، ان کی مسند تصوف وروحانیت کے جانشین اور ذاتی شمائل وخصائل، تفقہ فی الدین کے ساتھ علوم اسلامیہ کے زبردست محقق اور اسکالر تھے، آپ کی رفعت شان کا اندازہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اس عربی شعر سے لگانا آسان ہوگا۔

وفی روح العلیٰ حامد رضا من
غراس جدوده الغصن الجدید

اور بلندی کے عظیم درختوں میں حامد رضا اپنے اجداد کرام کے نہال تازہ کی شاداب شاخ ہیں۔

ایک مقام پر ارشاد فرمایا۔

حامدمنی انا من حامد
حمد سے ہمد کماتے یہ ہیں

ولادت باسعادت

خانوادہ رضا کا یہ آفتاب عالم تاب ربیع الاول ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء کی کسی تاریخ کو افق علم وحکمت پر طلوع ہوا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے لخت جگر خلف اکبر کا نام

نامی اسم گرامی سرور کائنات فخر موجودات نور مجسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک پر ''محمد'' رکھا اور عرفیت حامد رضا تجویز فرمائی، جو آپ کی موت، حیات اور وفات پر لطیف اشارہ تھا۔ گویا حق بیں وحقیقت نگر چشمہ بصیرت نے پہلی ہی نظر میں یوم ولادت کے دن سب کچھ بیان کر دیا، کہ محمد کے عدد ۹۲/ یہ سن ولادت پر دلالت کرتے ہیں اور حامد رضا کے عدد ۱۳۶۲ھ سن وفات پر دال ہیں، مزید برآں بحیثیت جانشین اعلیٰ حضرت ۱۳۴۰ھ تا ۱۳۶۲ھ، ۲۳/سال تک رشد وہدایت اور علم وفضل کی دنیا کو اپنے وجود پاک کی برکتوں سے سرفراز فرمائیں گے، یہ مدت شریف خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا نے عمر شریف کے ۲۳/سال اشاعت دین اور امت کی رشد وہدایت میں بسر فرمائے۔

محمد نام رکھنے کے فضائل احادیث طیبہ میں وارد ہوئے ہیں، ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ کل قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائے گا، اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں داخل ہو جاؤ، تو جس جس مسلمان کے نام ''محمد'' ہوں گے، سب جنت کی طرف دوڑ پڑیں گے اور کسی کو رب کریم منع نہ فرمائے گا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر نام ہونے کی برکت سے وہ سب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

تعلیم وتربیت

حضور حجۃ الاسلام کو قدرت نے بچپن ہی سے ذہانت وفطانت اور قبول علم واستعداد سے بہرہ مند فرمایا تھا، وہ بلا کے ذہین ہونے کے ساتھ علوم وفنون کی تحصیل کے بھی شائق تھے، مبدأ فیض نے خانوادہ رضا کے چشم وچراغ کو ایسا عظیم الشان عبقری استاذ عطا فرمایا جو علوم نقلیہ وعقلیہ، تاریخ وسیر، ریاضی وہندسہ، فلکیات، نجوم تقریباً پچاس علوم وفنون میں درجہ کمال پر فائز تھا، جس کی نگاہ کیمیا اثر اور زبان معجز بیان نے اپنے فرزند ارجمند کی تعلیم وتربیت اس نہج پر کی، کہ آپ کو اپنی علمی میراث کا سچا وارث بنا دیا۔

امام احمد رضا نے فرزند ارجمند کی تعلیم وتربیت اپنی آغوش شفقت ورحمت میں کی، جس طرح امام احمد رضا نے بریلی شریف ہی میں رہ کر تمام علوم وفنون اپنے والد گرامی خاتم

www.muftiakhtarrazakhan.com

المحققین مولانا مفتی نقی علی خاں قدس سرہ سے حاصل کیے، اسی طرح حضرت حجۃ الاسلام نے بھی اپنے والد گرامی سے ہی تمام علوم عقلیہ ونقلیہ حاصل کیے اور علوم وفنون کے آفتاب وماہتاب بن کر چمکے۔ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ اعلیٰ حضرت جیسا بافیض محدث وفقیہ اور مشفق باپ ملا، جس نے کافی محنت ولگن اور شفقت سے پڑھایا بھی اور پلایا بھی اور صرف معقولات میں بام عروج تک نہ پہنچایا، بلکہ وقت کا عظیم مفسر، محدث، فقیہ اور مایہ ناز ادیب بھی بنایا۔

حضور حجۃ الاسلام بڑے ذکی وفہیم تھے، درمیان درس علمی وفنی سوالات پیش کرتے، خوش بختی تھی کہ امام احمد رضا جیسا معقولات ومنقولات کا عبقری استاذ ملا، جس نے ہر اہم سوال کا جواب دلائل وبراہین کی روشنی میں پیش کر کے اپنے خلف وخلیفہ کی تشنگی علم بجھائی اور ان کی طمانیت قلب کا سامان فراہم کیا۔

رسم بسم اللہ خوانی کے بعد علوم وفنون کی تحصیل کا دور ۸/سال کی عمر میں ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۳ء میں شروع ہوا، اس کے بعد پورے تسلسل اور استقلال کے ساتھ شب وروز محنت وجانفشانی کر کے تمام علوم وفنون مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، حکمت وفلسفہ، کلام وعقائد، کی منتہی کتابیں پڑھ کر ۱۹/سال کی عمر میں ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں فاتحہ فراغ پڑھا۔ خانوادہ رضا میں زمانہ دراز سے تعلیم وتربیت کا سنہرا طریقہ اس طور پر جاری رہا، کہ پہلے درسیات کی تکمیل کرائی جاتی، ساتھ ہی قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کی تربیت ہوتی، محبت خدا اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھٹی میں پلاتے رہے، حضور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وعظمت دل میں راسخ کراتے اور اس کی حفاظت وحمایت کا خوگر بناتے، باطل فرقوں کی تردید، مسلمانوں کو ان سے بچانے کی تدبیر، بروئے کار لانے کی ترغیب دیتے۔ قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی اشاعت اور مسلک اہل سنت پر ثابت رہ کر اس کی ترویج واشاعت میں مشغول رہنے کی تاکید ہوتی۔

اس طریقہ پر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے حضرت حجۃ الاسلام کی تعلیم وتربیت فرمائی، جب آپ نے علوم درسیہ حاصل کر لیے، تو مسند افتا پر بیٹھا دیے گئے اور یہ سلسلہ ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۵ء سے شروع ہو کر ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء تک جاری رہا۔ اس دوران

www.muftiakhtarrazakhan.com

آپ نے استاذ گرامی امام احمد رضا کے زیر سایہ کرم رہ کر تصنیف وتالیف اور فتاوی نویسی میں کمال حاصل کیا۔ آپ کے مضامین اور فتوے عظیم آباد پٹنہ کے رسالہ تحفہ حنفیہ میں قسط وار شائع ہوتے رہے، جو اس کے بانی ومدیر حضرت علامہ قاضی عبدالوحید حنفی فردوسی عظیم آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان کی سرپرستی میں شائع ہوتا تھا۔

حجۃ الاسلام کا ایک معرکۃ الآرا فتوی رجب المرجب ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں ''فتوی عالم ربانی بر دخرافات قادیانی'' کے عنوان سے شائع ہوا، جو بعد میں ''الصارم الربانی علی اسراف القادیانی'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔ جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کو اس فتوے کا جواب دینے کی توفیق نہیں ہوئی، جب کہ وہ ملعون اس کے بعد بہت دنوں تک زمین کا بوجھ بنا رہا۔

بیعت وخلافت

امام احمد رضا بریلوی نے مارہرہ مطہرہ جا کر سیدنا آل رسول احمدی علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور خرقہ خلافت واجازت سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ سے سرفراز ہوئے۔ اسی خانوادہ طریقت کے صاحب سجادہ بزرگ حضرت سید ابوالحسین احمد نوری مارہروی علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور آپ ہی سے اجازت وخلافت کی سند حاصل کی۔

شیخ طریقت امام احمد رضا نے بھی اپنے فرزند کو ان سلاسل عالیہ کی اجازت مرحمت فرمائی جو سید آل رسول احمدی علیہ الرحمہ سے حاصل ہوئی تھی۔ ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء سیدنا آل رسول احمدی مارہروی کے عرس کے موقع پر اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا:

''یقیناً میں اپنے عزیز ترین بیٹے محمد معروف بہ مولوی حامد رضا خاں کو تمام سلاسل اور تمام علوم اور سارے اذکار واشغال واوراد واعمال اور اس چیز کی جس کی مجھے اپنے برگزیدہ مشائخ کرام سے اجازت پہنچی، ان کی اجازت دیتا ہوں۔''

امام احمد رضا کو ۱۲/سلاسل طریقت کی اجازت وخلافت حاصل تھی، اعلیٰ حضرت نے

www.muftiakhtarrazakhan.com

ان تمام سلاسل کی اجازت حجۃ الاسلام کو عطا فرمائی۔

امام احمد رضا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنی مسند طریقت کا جانشین بھی حضرت حجۃ الاسلام کو ۱۸؍ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ کے عرس میں نام زد فرمایا اور سند جانشینی عطا کی ، جسے مولانا عنایت محمد خاں غوری علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ سند مسند جانشینی میں حضور حجۃ الاسلام کی زندگی میں شائع کیا۔اس کی ابتدا میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس سند مبارک کے مطالعہ سے اعلیٰ حضرت قبلہ، مجدد دوراں، غوث زماں، امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ کے حسن انتخاب کا جہاں پتہ چلتا ہے، وہاں حضور پرنور سیدنا حجۃ الاسلام علامہ بریلوی مدظلہ زیب سجادہ رضویہ کی رفعت شان وجلالت مکان مہر نیم روز و ماہ نیم ماہ کی طرح عالم آشکار ہوتی ہے۔سبحان اللہ! اس بے نظیر سند اجازت اور بے مثال خلافت کا کیا کہنا، کیوں نہ ہو؟ یہ امام اہل سنت قدس سرہ کے جانشین وخلیفہ اعظم کی مثال خلافت ہے۔''

امام احمد رضا فاضل بریلوی کا دین ومسلک اللہ تعالیٰ پر یقین کامل اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھنا، ان کی اطاعت اور محبت کو اپنے لیے لازم کرنا، پھر فقہ واجتہاد میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مسلک فقہ پر عامل رہے، کیوں کہ یہی سب سے اعلیٰ مسلک فقہ ہے۔مشرب کے اعتبار سے حضرت سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو اپنا پیشوا ومقتدا جانتے تھے، ان سے بھرپور ارادت ومحبت رکھتے تھے، ایمان وعقیدت اور ارادت کا ایسا مستحکم دائرہ تھا، جس سے امام احمد رضا نے کبھی سرمو تجاوز نہ کیا۔اپنے متعلقین اور مسترشدین ومریدین وخلفا کو زندگی بھر انہیں امور کی تلقین اور تاکید فرماتے رہے اور انہیں امور پر عمل پیرا ہونے سے انسان دارین کی صلاح وفلاح حاصل کرتا ہے۔امام شعروسخن فرماتے ہیں ؎

حسبی من الخیرات ما اعددتہ

یوم القیامۃ فی رضا الرحمٰن

دین النبی محمد خیر الوری

ثم اعتقادی مذہب النعمان

www.muftiakhtarrazakhan.com

وعقیدتی وارادتی ومحبتی
للشیخ عبدالقادر الجیلانی

(فتاوی رضویہ، جلد چہارم، ص ۲۹۰، رسالۃ حیاۃ الممات فی بیان سماع الاموات)

(۱) قیامت کے دن مجھے وہ نیکیاں کافی ہیں، جو میں نے رحمٰن کی رضا وخوشنودی کے لیے مہیا کی ہیں۔

(۲) کہ نبی کونین حضرت محمد خیر الوری صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو میں نے اختیار کرلیا ہے، پھر مذہب نعمان بن ثابت یعنی مذہب حنفی کی صحت پر میرا اعتقاد اور اس پر عمل ہے۔

(۳) اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے مجھے عقیدت ومحبت اور ارادت ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام امام احمد رضا کے عقیدہ وعمل، تزکیہ واحسان کے سچے وارث تھے، چنانچہ پوری زندگی والد ماجد کی پیروی میں بسر کی، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان، اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب، مسلک ابوحنیفہ اور مشرب غوث پاک آپ کی زندگی میں اس طرح رچ بس گیا تھا، کہ وہ ان خوبیوں میں امام احمد رضا کے عکس جمیل بن گئے تھے۔ اللہ کی محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق، غوث پاک کی ارادت اور اپنے مرشدوں کی عقیدت ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ پوری زندگی دین وشریعت کی حفاظت، بدمذہبوں کی تردید، مسلک اعلیٰ حضرت کی پرچم کشائی اور مشرب قادریت کی اشاعت میں زندگی کا ایک ایک لمحہ قربان کردیا، آپ کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع تھا، جہاں جاتے آپ کے علم وتقوی، حسن سیرت وصورت پر لوگ فریفتہ ہوجاتے اور آپ کے دست حق پرست پر گناہوں سے تائب ہوکر مرید ہوجاتے اور مرشد کی برکات وحسنات کی بدولت عقائد پر ثابت قدم اور اعمال صالحہ کا خوگر بن جاتے۔ اللہ ورسول کی شان میں ادنیٰ گستاخی کرنے والے بدمذہبوں سے الگ اور دور رہتے۔

میری طرف سے مولانا حامد رضا مرید کریں

آخر ایام میں امام احمد رضا علالت سے دوچار ہونے لگے، اس لیے سرد علاقہ بھوالی

www.muftiakhtarrazakhan.com

میں رمضان المبارک کے روزے ادا کرنے چلے گئے ، وہاں سے واپسی پر بھی علالت ونقاہت رہی ۔ اتنے میں آپ کے پیرومرشد محدث وقت خاتم الاکابر حضرت مولانا سید آل رسول احمدی مارہروی (۱۲۹۶ھ) کے عرس کی تاریخ (۱۸/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ) آ گئی ،آپ نے اس میں زوردار تقریر فرمائی ،مسلمانوں کو نصیحتیں فرمائیں اور آخر میں حدیث کے الفاظ کی اتباع میں یہ بھی فرمایا، آئندہ ہمیں تمہیں شاید موقع نہ ملے ،اس لیے جو یہاں موجود ہیں ، وہ بغور سنیں اور جو موجود نہیں ہیں ،ان تک میری باتیں پہنچادیں ،اس پر سارے سامعین بدحواس ہوکر رونے لگے اور سب کے ذہن میں یہ بات آ گئی کہ اب اعلیٰ حضرت ہمارے درمیان نہیں رہیں گے ، وصال کے آخر وقت تک مرید ہونے والوں کا تانتا لگا رہا۔ مرد وعورت کا جم غفیر رہتا، ایسے موقع سے اعلیٰ حضرت نے فراست مومنانہ سے کام لیا، حضور حجۃ الاسلام اور حضور مفتی اعظم کو تو پہلے ہی خلافت دے دی تھی اور حجۃ الاسلام کو اپنا جانشین اور جائداد کا متولی بھی بنادیا تھا، مگر اس کو عملی جامہ پہنا کر اس کا دل کش منظر بھی پیش کرنا چاہا، بیعت وارادت کے خواہش مندوں کو ان دونوں شہزادوں کے قدموں میں ڈال دیا، اب اصل واقعہ کے عینی شاہد حضرت مولانا مفتی حسنین رضا خاں نوری بریلوی علیہ الرحمہ کے پرکشش الفاظ میں ملاحظہ کیجیے، وہ رقم طراز ہیں:

''غرض یہ کہ آج لوگ متنبہ ہوگئے کہ یہ اب ہم میں رہنے والے نہیں ،اب لوگوں نے بیعت ہونے کی جلدی کی ، ہر وقت آستانہ رضویہ پر مرید ہونے والے مردوں اور عورتوں کا جم غفیر رہنے لگا ،تو حکم دیا کہ میری طرف سے مردوں کو حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں مرید کریں اور عورتوں کو مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب بیعت کریں ۔ یہ سلسلہ روز وفات تک برابر جاری رہا، باہر کے لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ بھی آ کر بیعت ہوئے ۔''

سرکار اعلیٰ حضرت نے زندگی کے آخری ایام تک حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم ہند کی تعلیم وتربیت فرما کر انہیں علم وفضل ، زہد وتقوی کا بلند مینار بنادیا اور ان کے شیشہ دل میں حب الٰہی وعشق رسول کی شراب معرفت بھر دی ، یہ عنایتیں پس از مرگ بھی جاری رہیں ،حضرت حجۃ الاسلام ۱۳۵۷ھ میں سخت بیمار ہوئے ، حافظ عبدالکریم صاحب نے خواب میں اعلیٰ حضرت کو

www.muftiakhtarrazakhan.com

دیکھا، فرمارہے ہیں، حامد رضا کے لیے یہ دعا کرو، ان شاء اللہ صحت یاب ہوجائیں گے:

اللھم سلم سلاما علی عبدک حامد رضا.

تمام رشتہ داروں نے کثرت کے ساتھ یہ دعا پڑھی، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حجۃ الاسلام شفا پاگئے۔

یوں تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے دونوں صاحب زادے سیرت معنوی اور صورت ظاہری میں چندے آفتاب وماہتاب تھے، ان کے نورانی چہروں کی زیارت سے قلب ونگاہ مسرور وشاداں ہوجاتے، لیکن حضور حجۃ الاسلام اس وصف میں ممتاز تھے اور اعلیٰ حضرت کے مظہراتم تھے، جس کی نگاہ آپ پر پڑتی یگانہ ہو یا بے گانہ سب کی نگاہیں چہرہ انور پر مرکوز ہوجاتیں آپ کا چہرہ جمال آرا دیکھ کر لوگ بے ساختہ کہہ اٹھتے۔

مرشدی مولائی قبلہ حضرت حامد رضا
چشم بد دور آپ ہی ہیں زیب دیوان رضا
دیکھتے ہیں چشم حسرت سے شبیہ پاک کو
آپ ہی سے لیتے ہیں تسکین جویان رضا

(مفتی محمد عنایت محمود خاں غوری)

امام احمد رضا نے بوقت وصال جو نصیحتیں فرمائیں، ان میں ایک وصیت فقہ وافتا کی ذمہ داری اور تبلیغ وارشاد کی بساط وسیع کرنے کی ان الفاظ میں فرمائی:

''اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے کرم سے اس گھر سے فتوی نکلتے نوے برس سے زائد ہوگئے، میرے دادا صاحب (مفتی رضا علی خاں) رحمۃ اللہ علیہ نے مدت العمر یہ کام کیا، جب وہ تشریف لے گئے، تو اپنی جگہ میرے والد ماجد (مفتی نقی علی خاں) قدس سرہ العزیز کو چھوڑا، میں نے چودہ سال کی عمر میں ان سے یہ کام لے لیا، پھر چند روز بعد امامت بھی اپنے ذمہ لے لی، غرض کہ میں نے اپنی صغرسنی میں کوئی بار ان پر نہ رہنے دیا، جب انہوں نے رحلت فرمائی، تو مجھے چھوڑا اور میں تین کو چھوڑتا ہوں، تم (حضرت حجۃ الاسلام) ہو، مصطفیٰ رضا ہیں، تمہارا بھائی حسنین ہے، سب مل کر کام کروگے، تو خدا کے فضل سے کرسکوگے، اللہ تمہاری

مدد فرمائے گا۔(حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم ص ۲۸۱)

ان اہم دینی ذمہ داریوں کو تینوں بزرگوں نے بحسن وخوبی انجام دے کر مسلک اعلیٰ حضرت کی بڑے پیمانے پر اشاعت کی، زیر نظر مقالے میں حضرت حجۃ الاسلام کی علمی، دینی، فقہی، روحانی، خدمات کا سرسری جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

فقہ

فقہ کی تعریف میں علما کی رائیں مختلف ہیں، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

معرفة النفس مالها وماعليها.

یعنی ایسی حقیقی معرفت کہ جس کے ذریعہ انسان اپنا فائدہ اور نقصان معلوم کر سکے، اس کا نام علم فقہ ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

العلم بالاحكام الشرعية الفرعية المكتسب من ادلتها التفصيلية.

احکام شرعیہ کو تفصیلی دلائل سے جاننے کو فقہ کہتے ہیں۔

اور اسی میں ہے:

وعند الفقهاء حفظ الفروع واقله ثلاث.

فقہا کی اصطلاح میں فقیہ کا اطلاق اس پر ہوگا جو فروع کو یاد رکھے، اس کی اقل مقدار تین ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقہ کی فضیلت بیان فرماتے ہیں:

تفقهوا قبل ان تسودوا.

یعنی سردار بننے سے قبل علم فقہ حاصل کرو۔

مجلس فقه خير من عبادة ستين سنة.

فقہ کی مجلس میں شریک ہونا ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

دین کی سمجھ جس علم سے حاصل ہوتی ہے وہ فقہ ہے، چوں کہ علم فقہ ہی ایک ایسا فن ہے کہ جس کا تعلق بے شمار علوم وفنون سے ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

من یوتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا.

اور جسے حکمت ملی، اسے بہت بھلائی ملی۔

اس آیت کریمہ میں لفظ حکمت سے مفسرین کرام نے علم فقہ ہی مراد لیا ہے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لکل شئ عماد وعماد هذاالدین الفقه.

یعنی ہر چیز کا ایک ستون ہے اور اس دین کا ستون علم فقہ ہے۔

من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین.

اللہ تعالیٰ جس کے بارے میں بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے تفقہ عطا فرماتا ہے۔

امام احمد رضا اپنے عہد میں عالم اسلام کے سب سے بڑے فقیہ تھے اور علم فقہ میں حجۃ الاسلام اپنے والد گرامی کی فقہی امانت کے امین اور جانشین تھے، آپ کے خانوادہ میں تفقہ فی الدین کی روایت تین پشتوں سے چلی آرہی ہے، اعلیٰ حضرت نے مسند افتا پر جانشین کر کے بتا دیا کہ حامد رضا تفقہ میں کامل اور ان کا حسین پرتو ہے۔

افتا

بے شک افتا یہ ایک پر خطر وادی ہے، لیکن اس کار خیر میں رب تبارک وتعالیٰ نے بہت فضیلت رکھی ہے، کیوں کہ مفتی، انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والتسلیمات کا نائب اور فرض کفایہ کو ادا کرنے والا ہوا کرتا ہے۔ افتا کا تعلق حقوق اللہ وحقوق العباد، سیاست وامارت، انفرادیت واجتماعیت، قوانین وجرائم اور عبادات ومعاملات غرض یہ کہ زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔ شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''فتوی دینا ساری دینی خدمات میں سب سے اہم، سب سے مشکل اور سب سے پیچیدہ کام ہے اور ایسا کام جس کی کوئی انتہا نہیں، فقہائے کرام نے اگر چہ ہم پر احسان

فرماتے ہوئے لاکھوں جزئیات کی تصریح فرمادی ، پھر بھی حوادث محدود نہیں ، آئے دن سیکڑوں واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی جزئیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ ایک فقیہ اپنی بالغ نظری ،نکتہ سنجی ، دقیقہ بینی کی بدولت تائید ایزدی سے صحیح حکم اخذ کرلیتا ہے، مگر یہ کام کتنا مشکل ہے، اسے بتایا نہیں جاسکتا، جس کے سر پڑتی ہے، وہی جانتا ہے۔''

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''انما الافتاء ان تعتمد علی شی ء وتبین لسائلک ان ھذا حکم الشرع فی ماسئلت ھذا لایحل لاحد من دون ان یعرفہ عن دلیل شرعی والا کان جزافا وافتراء علی الشرع و دخولا تحت قولہ عزوجل : ام تقولون علی اللہ مالا تعلمون (سورہ بقرہ) قل اللہ اذن لکم ام علی اللہ تفترون (سورہ یونس) ''

یعنی افتا یہ ہے کہ کسی بات پر اعتماد کر کے سائل کو بتایا جائے کہ تمہاری مسئولہ صورت میں حکم شریعت یہ ہے۔ یہ کام کسی کے لیے بھی اس وقت تک حلال نہیں ، جب تک اسے کسی دلیل شرعی سے اس حکم کا علم نہ ہوجائے ، ورنہ یہ غلط ہوگا اور شریعت پر افترا ہوگا اور ایسا کرنے والا اللہ کے اس قول کا مصداق ہے: (کیا تم خدا پر وہ بولتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں) (فرماؤ کیا اللہ نے تمہیں اذن دیا، یا تم خدا پر افترا کرتے ہو)۔

افتا کی اہمیت وعظمت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر افتا کی نسبت خود اپنی جانب فرمائی ہے، ارشاد ہے:

یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ.

یعنی اے محبوب تم سے فتوی پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ تم کو اللہ کلالہ کے بارے میں فتوی دیتا ہے۔

اللہ رب العزت نے سب سے پہلے افتا کے منصب عظیم سے اپنے مظہر اتم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفراز فرمایا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن انبیائے کرام علیہ افضل التسلیمات کو

بھی اس دار فانی میں بھیجا تو ان کو اتنے علم سے سرفراز فرمایا، کہ وہ اپنی قوم کی ضرورت کے مسائل حل کر سکیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو علم فقہ حاصل کرنے کا حکم فرمایا اور ان کو فقہ کی دعوت دی تا کہ وہ اس علم کے ذریعہ قوم کے سوال کرنے پر ان کو حکم شرعی سے آگاہ کر سکیں اور قوم پر اتباع شریعت آسان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين.

تو کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے، کہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔

اس کی اہمیت وافادیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کام دینی خدمات میں سب سے زیادہ اہم ہے، اسی لیے فقہائے کرام نے فرمایا، کہ جو عالم ایسا مرجع فتوی ہو کہ جس کو سنن رواتب پڑھنے کا موقع نہ مل سکے، تو فجر کی سنتوں کے علاوہ دیگر سنن موکدات اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ فتاوی عالم گیری جلد اول ص ۸۹ پر ہے:

قال مشائخنا العالم اذا صار مرجعا فى الفتوى يجوز له ترك سائر السنن لحاجة الناس الى فتواه الا سنة الفجر كذا فى النهاية.

یعنی مشائخ حنفیہ نے فرمایا، کہ جب عالم فتوی میں مرجع ہو جائے تو اس کے لیے فجر کی سنتوں کے علاوہ تمام سنتوں کا چھوڑنا جائز ہے، لوگوں کے اس کے فتوی کی حاجت کی وجہ سے ایسا ہی نہایہ میں ہے۔

اقلیم فقہ وافتا کی بلند پایہ شخصیت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کا تعلق ایسے خاندان سے ہے، جس خاندان کی خدمات اس میدان میں ایک طویل زمانے کو محیط ہے۔ آپ کے رشحات قلم اور آپ کی تصنیفات وتحریرات کا مطالعہ کیا جائے، تو یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ صرف فقہ وفتاوی ہی نہیں، بلکہ تفسیر وحدیث، عقائد وکلام، عربیت وبلاغت، حسن انشا، کمال تفہیم حالات زمانہ سے آشنائی اور حکمت وتدبر جیسے بہت سے محاسن کے جامع تھے۔

حجۃ الاسلام قدس سرہ جہاں حسن وجمال، جود ونوال، وجیہ وخوبرو، صبر واستقلال اور تحمل وبردباری وغیرہ اوصاف کے مالک تھے، وہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دین کی بیش بہا

قیمتی نعمت سے بھی سرفراز فرمایا تھا، آج بھی مندرجہ بالا دعوے کی تصدیق کے لیے آپ کی تحریرات کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ فقہ وفتاوی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتنا بلند رتبہ عطا فرمایا، اس کا اندازہ ان چار باتوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

(۱) تعلیم وتربیت کس حال میں پائی؟
(۲) آپ نے فتوی نویسی کس سے سیکھی؟
(۳) آپ کی تصنیفات وفتوی کا مقام ومرتبہ
(۴) فقہ وفتاوی میں آپ کے تلامذہ۔

بارگاہ اعلیٰ حضرت تربیت گاہ حجۃ الاسلام

حجۃ الاسلام علامہ مفتی حامد رضا خاں قدس سرہ نے اپنے والد بزرگوار اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے فتوی نویسی کی تربیت پائی تھی، کہ جن کے فضل وکمال پر اپنوں اور غیروں کی شہادتیں پائی جاتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ سے فیض حاصل کر کے حضرت علامہ امجد علی قدس سرہ صدر الشریعہ بنے تھے، بہت سے اساتذہ علم وفن سے تعلیم حاصل کرنے کے باوجود آپ نے فرمایا: ''جو کچھ ہے سب آپ ہی کا فیض کرم ہے۔''

دنیا سے بے نیازی

حضور حجۃ الاسلام کے والد محترم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ نے جس طرح دنیا کو ٹھکرا کر صرف دین کے لیے اپنی زندگی گزاری اور کھلے لفظوں میں اظہار فرمادیا ؎

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارہ ناں نہیں

نائب امام احمد رضا حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ نے بھی قناعت اور دنیاوی مال وزر سے بے نیازی کے معاملہ میں اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر چلنا پسند کیا اور ہمیشہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

دنیاداری سے دور ونفور رہے۔ذیل میں اپنے دعوے کی تصدیق میں دو اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

''ان کے صاحب زادے حضرت مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ جن سے مجھ کو چند دن فیض حاصل کرنے کا موقع ملا، بڑے حسین وجمیل، بڑے عالم، بے انتہا خوش اخلاق تھے۔ان کی خدمت میں بھی نظام حیدرآباد نے دارالافتا کی نظامت کی درخواست کی اور اس سلسلہ میں کافی دولت کا لالچ دیا، تو آپ نے فرمایا، کہ میں جس دروازہ خدائے کریم کا فقیر ہوں وہی میرے لیے کافی ہے۔''

حکم شرع بیان کرنے کے ساتھ خود مسائل شرعیہ میں عزیمت پر عمل کرتے تھے، جب کہ ان حالات میں رخصت پر عمل کرنا مباح وجائز ہوتا، مگر حجۃ الاسلام بندہ حق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق، رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل کرنے والے، صاحب افتا عالم ربانی تھے، فتوی کے بجائے ان کا عمل تقوی پر ہوتا، چاہے اس کے لیے ان کو سخت مصائب ہی کیوں نہ جھیلنے پڑتے۔ حجۃ الاسلام کی عزیمت کا ایک اہم واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

پشت پر کاربنکل، پھوڑا نکل آیا، آپریشن ناگزیر ہوگیا، ڈاکٹروں نے بے ہوشی کے لیے دوا کھلانی چاہی، انکار کردیا، بے ہوش کرنا چاہا، تو فرمایا، اس میں بھی نشہ آور دوا ہے، میں ان دونوں صورتوں میں سے کسی صورت کو گوارا نہیں کرتا، ڈاکٹروں نے عمل جراحی شروع کیا اور یہ عمل دیر تک جاری رہا، نشتر چلتے رہے، پھوڑے کے فاسد اجزا کاٹ کاٹ کر ڈاکٹر نکالتے رہے، مگر چیکھنا چلانا تو دور کی بات ہے، اف تک نہ کیا اور پورے صبر وتحمل کے ساتھ لیٹے رہے، چہرے پر گھبراہٹ کے بجائے طمانیت کے آثار ظاہر تھے، ایسی تکلیف تو بڑے سے بڑا شجاع اور بہادر بھی برداشت نہیں کرسکتا، مگر آپ کی روحانیت کا کرشمہ تھا کہ عمل جراحی کو اپنے جسم پر اس طرح گوارا کیا گویا نشتر نہیں تھا بلکہ رگ برگ گل تھی، جو آپ کے جسم سے مس ہورہی تھی۔

تحریکی وتنظیمی سرگرمیاں

حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ حکمت وتدبر اور دانائی

www.muftiakhtarrazakhan.com

وفراست کے ماہر تھے، حالات پر ان کی گہری نظر ہوتی، کب کیا کرنا ہے اور کس طرح کرنا ہے، ان کی دور بیں نگاہیں محسوس کر لیتیں اور جو فیصلہ کر لیتے اسے حتمی شکل دینے کے لیے سرگرم عمل ہو جاتے، چنانچہ بریلی شریف میں جب دیوبندیوں کا مدرسہ قائم ہو گیا، تو انہیں اندیشہ ہوا کہ سنی طلبہ ان کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کر کے صرف بدمذہب ہی نہیں بدمذہبیت کے علم بردار بن جائیں گے، چنانچہ دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف کی تاسیس آپ ہی کی فکر رسا کا نتیجہ ہے۔ اس سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری کو جو اس زمانے میں طالب علم تھے، مولانا حسن رضا اور حجۃ الاسلام کو مدرسے کے قیام کے لیے آمادہ کیا اور ان تینوں بزرگوں نے حضرت مولانا حکیم سید محمد امیر اللہ بریلوی کو ان کی سیادت کے پیش نظر منتخب کیا، کہ امام احمد رضا، سید ہونے کی وجہ سے ان کی بات نہ ٹالیں گے، حضرت حکیم موصوف نے سب کی طرف سے امام احمد رضا سے مدرسہ قائم کرنے کی درخواست پیش کی۔ امام احمد رضا نے اپنی تصنیفی مصروفیات کی وجہ سے معذرت کر دی، تب حکیم موصوف نے کہا، اگر کسی نے پوچھا کہ دیوبندیت کو کس نے فروغ دیا، تو میں آپ کا نام لوں گا، امام احمد رضا نے دریافت فرمایا، وہ کیوں کر؟ حکیم موصوف نے فرمایا، کہ آپ مدرسہ قائم نہیں کرتے اس لیے۔ امام احمد رضا نے فرمایا، میں اپنی تصنیفی مصروفیات کی بنا پر چندہ کی فراہمی اور انتظامی امور کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ حکیم موصوف نے فوراً عرض کیا، ہم لوگ مدرسہ قائم کرتے ہیں، آپ تائید فرما دیں، چنانچہ رحیم یار خاں صاحب کے مکان پر مولانا محمد ظفر الدین اور مولانا عبدالرشید عظیم آبادی دو طلبہ سے مدرسہ کا افتتاح ہوا، امام احمد رضا نے بخاری شریف کا درس دیا۔ منظر اسلام مدرسہ کا تاریخی نام ۱۳۲۲ھ مولانا حسن رضا نے تجویز فرمایا اور مولانا حسن رضا پہلے مہتمم مقرر ہوئے، پھر خلف اکبر حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا بریلوی مدرسے کے مہتمم بنائے گئے۔

اپنے دور اہتمام میں درس و تدریس کے ساتھ ادارہ کی ایسی خدمت کی کہ منظر اسلام کو اہل سنت کی مرکزی درسگاہ بنا دیا اور آج تک یہ ادارہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

آل انڈیا سنی کانفرنس اور حجۃ الاسلام

شعبان ۱۳۴۳ھ/مارچ ۱۹۲۵ء میں مسلمانوں کی مذہبی علمی اور سیاسی ترقی کے لیے مقتدر علما نے آل انڈیا سنی کانفرنس (جمیعیت عالیہ مرکزیہ) کی بنیاد رکھی، کانفرس کے بانی اراکین میں حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ کا اسم گرامی سرفہرست ہے، کانفرنس کے پہلے اور تاسیسی اجلاس منعقدہ ۲۰/تا۲۳/شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹/مارچ ۱۹۲۵ء مرادآباد میں بحیثیت صدر مجلس استقبال جو خطبہ ارشاد فرمایا، وہ مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی، معاشرتی، عمرانی غرض ہمہ وجوہ ترقی کے واضح اور مکمل لائحہ عمل پر مبنی ہے، وقت گزرنے کے باوجود آج بھی وہ خطبہ واضح نشان راہ ہے۔ ۱۹۲۷ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے صدر حضرت حجۃ الاسلام منتخب ہوئے۔

مسجد شہید گنج لاہور اور حجۃ الاسلام

۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء کے وسط میں مسجد شہید گنج لاہور کے ظالمانہ انہدام کا سانحہ پیش آیا، سکھوں نے انگریز حکومت کی پشت پناہی میں مسلمانوں کی مقدس عبادت گاہ کو یکا یک منہدم کر دیا، مسجد کی واگزاری کے لیے اسلامیان برصغیر تڑپ اٹھے، شعار اسلام مسجد کی حفاظت وصیانت کے لیے مسلمانوں نے مالی، جانی قربانیاں پیش کیں، امیر ملت سید جماعت علی شاہ، علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ کی زیر قیادت جلسے منعقد ہوئے، جلوس نکلے، حکام تک اپنے مطالبات پہنچائے گئے۔ تنظیمی دورے ہوئے، ۱۰/شعبان المعظم ۱۳۵۴ھ مطابق ۸/نومبر ۱۹۳۵ء بروز جمعہ کو دو لاکھ باحمیت مسلمانوں کا ایک پرامن جلوس شاہی مسجد حضور باغ لاہور سے باغ بیرون دہلی دروازہ پہنچا، مسلمانوں کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں، اس جم غفیر اور نازل موقع پر چھوٹا سا بھی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا، شرکائے جلوس علما حضرات اور راہنمایان قوم جو جلوس کی قیادت کر رہے تھے، ان میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا قدس سرہ کا اسم گرامی نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔

تحریک ترک موالات اور حجۃ الاسلام

تحریک ترک موالات ۱۹۲۰ء میں کانگریس کے ہمنوا مسلمان لیڈروں نے مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، یہ اقدام مسلمانوں کی ملی تباہی کا باعث تھا، ذی شعور علما نے اس کرب ناک صورت حال میں مسلمانوں کی صحیح راہنمائی کی اور مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کی حفاظت کی۔ ان اداروں میں علی گڑھ کالج، موجودہ مسلم یونیورسٹی سرفہرست ہے، حضرت حجۃ الاسلام نے ہندوؤں کی چیرہ دستیوں کے علاوہ خلافتی لیڈروں کی عدم بصیرت کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔ آپ کے احساسات ملاحظہ ہوں:

''انگریزوں کے مقابلہ کا تو نام، مگر مخالفت علما سے تھی، مسلمانوں کے کالجوں اور اسکولوں سے تھی، علی گڑھ یونیورسٹی سے تھی۔''

تحریک خلافت اور حجۃ الاسلام

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے ہیجانی دور میں بعض مسلمان لیڈروں نے ہندوؤں کو راضی کرنے کے لیے ذبیحہ گاؤ کے خلاف مہم چلائی اور ترکوں کی اعانت کے نام سے جو چندہ وصول کیا گیا، اس کا بے دریغ استعمال کیا گیا، بعض مصارف ایسے بھی تھے، جو بجائے اتحاد کے مسلمانوں میں انتشار کا باعث بنے۔ اس صورت حال کے خلاف حضرت حجۃ الاسلام نے آواز اٹھائی، ایک ارشاد ملاحظہ ہو:

''خلافت کمیٹی کے عروج واقبال کے زمانے میں جب اتحاد اتنا ضروری سمجھا گیا، کہ اس کے حدود وسیع کرنے کے لیے مذہب کی شہر پناہ کو منہدم کرنا ناگزیر خیال کیا گیا اور اس اتحاد کے لیے ہندوؤں کی طرف اس طرح ہاتھ بڑھایا گیا، جس سے اپنے مذہبی امتیازات چھوڑنا پڑے۔ ''سورت'' کے ایک پیر نے اپنے مریدوں سے ساٹھ ہزار گائیں چھین کر گئو رکھشا کی تھی، نام آور لیڈروں نے قشقے لگائے، گلال اڑائے، ہولیاں کھیلیں، جے پکاری، ارتھی اٹھائی، ہنود کے سرغنہ متعصبوں کو مسجدوں میں منبروں پر بٹھایا، گائے کے گوشت

www.muftiakhtarrazakhan.com

کے خلاف کتابیں لکھیں، رسالے تصنیف کیے، ناکردہ گناہ مسلمانوں کو ہندوؤں کی خاطر مجرم قرار دیا، مولویوں پر اظہار نفرت کیا گیا، اعلائے کلمۃ اللہ یعنی کلمہ اسلام کو پڑھنے کو جرم قرار دیا گیا، مسلمانوں کو ان کی مرضی کے خلاف دوبارہ کافر ہو جانے پر زور دیا گیا، یہ اور اس سے زیادہ بہت کچھ ہوا، میرے پاس جناب مولانا مولوی احمد مختار صاحب صدر جمعیت العلماء صوبہ بمبئی کا ایک خط آیا ہے، جو انہوں نے مدراس کا دورہ فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے، اس میں لکھتے ہیں کہ وہابی اس صوبہ میں اس قومی روپیہ جو ترکوں کے دردناک حالات بیان کر کے وصول کیا گیا تھا، اب تک دو لاکھ ''تقویۃ الایمان'' چھاپ کر مفت تقسیم کر چکے ہیں۔

کسی مخصوص غرض سے جمع شدہ سرمایہ کو اس مقصد سے متصادم مصرف پر خرچ کرنا دوہرا جرم ہے، ایمان سوز کتاب تقویۃ الایمان کی طباعت اور تقسیم خلافت فنڈ سے ایسا جرم وغبن ہے جس کی شاید ہی مثال ملے۔''

علم وفضل

حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خاں علیہ الرحمہ ''الولد سر لابیہ'' کے زندہ جاوید نمونہ تھے۔ آپ کے والد ماجد مجدد اعظم امام اہل سنت مفتی الشاہ احمد رضا خاں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے علوم وفنون کے گنجہائے گراں مایہ سے مالا مال فرمایا تھا، ان کا نقش تو اب امتداد زمانہ کے ساتھ خواص کی انجمن سے نکل کر عوام کی بزم میں بھی سر کی آنکھوں سے ملاحظہ کیا جا رہا ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام چوں کہ اس عبقری باپ کے علمی، عملی اور فکری جانشین تھے، اس لیے آپ کے اندر بھی فکر رضا اور علم رضا کی گھن گرج پوری آب وتاب کے ساتھ محسوس کی جا سکتی ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام کی ذات علوم ومعارف کا وہ گہوارہ تھی، جس کے حدود اربعہ کی پیائش ظاہر بیں نگاہوں کے بس کا کام نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ذات کے جس پہلو پر نظر ڈالیے، معانی کی تہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ ان کی شخصیت میں گوناگوں علوم وفنون کی ایسی ٹھاٹھیں مارتی نہریں نظر آتی ہیں، جنہیں دیکھ کر نگاہیں باغ باغ اور دل عش عش کرنے لگتا ہے۔ آپ کی حیات کا ایک ایک گوشہ اہل علم وخرد کے لیے دل کشی اور جاذبیت کا تاج محل نظر آتا ہے۔ آپ

www.muftiakhtarrazakhan.com

کی پوری زندگی خدمت خلق اور خدمت علم سے عبارت ہے۔اللہ رب العزت نے علمی جلال کے ساتھ شفقت ومحبت کے جذبہ فراواں سے بھی مالا مال کیا تھا، ذہانت وفطانت کا یہ عالم تھا کہ طالب علمی کے زمانے میں جو کتابیں پڑھتے تھے، ان پر عربی زبان میں حاشیہ تحریر فرماتے جاتے تھے، جن کتابوں پر آپ کے حواشی دستیاب ہوئے ہیں، ان میں توضیح تلویح کے علاوہ ہدایہ اور بخاری جیسی اہم کتابیں شامل ہیں، یہ اسی خداداد ذہانت کا ثمرہ تھا کہ آپ کی عربی دانی پر اہل زبان بھی انگشت بدنداں تھے۔

حجۃ الاسلام اور علمی خدمات

حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد فیض بنیاد ہے کہ ''علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ''یعنی میری امت کے علما کی میری امت میں وہی حیثیت ہوگی، جو انبیائے بنی اسرائیل کی حیثیت ان کی قوم میں تھی۔ بلفظ دیگر امت مرحومہ کے علمائے کرام واولیائے عظام کی قدرومنزلت وہی ہوگی، جو انبیائے بنی اسرائیل کی ان کی قوم میں تھی، وہ صاحب معجزات باہرات تھے، تو یہ مصدر کشف وکرامات، ان کو خلعت نبوت عطا ہوا، تو ان دلق پوشوں کو ''الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون '' کا مژدہ جاں بخش سنایا۔ وہ نبوت کے شناور تھے، تو یہ دریائے ولایت وامامت کے غواص، انبیائے بنی اسرائیل کے علما نے قوم کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو ترایا۔ چنانچہ دنیائے اسلام میں علی العموم اور ہمارے ہندوستان میں علی الخصوص جو مسلمانوں کی کثرت نظر آتی ہے وہ انہیں اللہ والوں کے دم قدم کی برکت ہے۔ انہیں میں ایک علمی شخصیت یعنی حجۃ الاسلام حضرت العلام محمد حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہ م۱۳۶۲ھ کی ہے۔ آپ کی تعلیم وتربیت تمام علوم مروجہ وفنون میں مثلا علوم نافعہ، اصول، منقول، معقول اور علوم ادبیہ اپنے والد ماجد کے زیر نگرانی ہوئی، ۱۹ برس کی عمر میں تحصیل علوم سے فراغت حاصل کیا، بیعت وخلافت کا شرف حضرت سید الشاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی م۱۳۲۲ھ قدس سرہ کے علاوہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ سے بھی حاصل ہے، آپ علم وعمل میں باکمال، علم وفضل اور حسن وجمال میں شہرہ آفاق ہیں۔ آپ محض فاضل

www.muftiakhtarrazakhan.com

بریلوی کے نورِ نظر ہونے کی بنا پر محترم ومکرم نہیں، بلکہ آپ اپنی خداداد صلاحیت، علم وفضل، استعداد، قابلیت، تبحر علمی اور علم وعرفان کی بدولت حجۃ الاسلام کے لقب سے ملقب ہوئے۔ آپ بہت خوبرو، حسین وجمیل ووجیہ تھے۔ چہرہ برہان تھا، واضح ہو کہ صورت وسیرت ہر اعتبار سے اسلام کی حجت وحقانیت کی دلیل کے برہان تھے، بدمذہب اور مرتدین آپ کے چہرہ زیبا کو دیکھ کر تائب ہوتے، شہسواری کا شوق خوب تھا، بادستان عظام اور رئیسان کرام دیدار کے لیے بے تاب رہا کرتے، اپنے اسلاف واجداد وآبا کے مکمل نمونہ تھے، اخلاق وعادات کے جامع تھے، طبیعت میں نفاست پسندی تھی، تدریس وتحریر کی طرح آپ کی تقریر بھی بہت مدلل اور موثر ہوتی تھی، فرق باطلہ سے کئی ایک مناظرے فرمائے، جس میں بفضلہٖ تعالیٰ ہمیشہ فتح پائی، لاہور کا فیصلہ کن مناظرہ آپ کا تاریخی مناظرہ تھا، ایسا نورانی علمی وپرشکوہ مناظرہ اہل لاہور نے کبھی نہ دیکھا ہوگا، فاضل بریلوی کو حجۃ الاسلام سے بہت محبت تھی اور ناز بھی تھا، حجۃ الاسلام ہر اعتبار سے اپنے والد کے صحیح معنوں میں جانشین اور وارث تھے۔ ان کی ہر تحریک اور ہر کام میں معاون ومددگار، ان کے ہم دم وہم راز، قدم قدم پر ان کے ساتھ اور پیروکار، ان کے دست راست اور وکیل، ہر موڑ پر اپنے والد بزرگوار کا ساتھ دیا، تمام دینی خدمات جو فاضل بریلوی کی موجودگی میں آپ نے حرمین طیبین میں سرانجام دیں، ان کو فاضل بریلوی نے بے حد سراہا۔

تصنیف وتالیف

قدرت نے حضرت حجۃ الاسلام کو زبان وقلم پر یکساں دسترس عطا فرمائی تھی اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ وہ مصنف اعظم امام احمد رضا کے خلف وخلیفہ تھے اور اپنی زندگی والد مکرم کے نقش قدم پر بسر کی تھی، آپ کی تصانیف بلند پایہ، پرمغز اور دلائل وبراہین کا خزانہ ہیں، یہ اور بات ہے کہ دینی وتبلیغی مصروفیات کی بنا پر تصانیف کی تعداد میں محققین کا اختلاف ہے۔ علامہ مفتی محمد حنیف صاحب قادری نے ۱۴؍تصانیف شمار کرائی ہیں، دوسرے ماہر رضویات فاضل نوجوان مولانا ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب نے اس تعداد کو ۲۳؍تک پہنچایا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں مزید تحقیق وجستجو کا سلسلہ جاری ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی فہرست کتب ذیل میں درج ہے:

www.muftiakhtarrazakhan.com

(۱)الصارم الربانی علی اسراف القادیانی	مطبوعہ
(۲)سرالفرار	مطبوعہ
(۳)دوآفت بد	مطبوعہ
(۴)نکس اباطیل مدرسہ خرما	مطبوعہ
(۵)اجلی انوار رضا	مطبوعہ
(۶)اجتناب العمال	مطبوعہ
(۷)سلامۃ اللہ لاہل السنۃ	مطبوعہ
(۸)رمز شیریں چاہ شور	مطبوعہ
(۹)قصدیم شیریں باچاہ شور	مطبوعہ
(۱۰)خطبہ استقبالیہ	مطبوعہ
(۱۱)اذان من اللہ	مطبوعہ
(۱۲)مراسلت سنت وندوہ	مطبوعہ
(۱۳)تیسیر المعیون للسکون فی وباء الطاعون	مطبوعہ
(۱۴)فاتحۃ الریاحین بطیب آثار الصالحین	مطبوعہ
(۱۵)جبل اللہ المتین	مطبوعہ
(۱۶)تعلیقات فتاوی رضویہ تیسری جلد	مطبوعہ
(۱۷)کنز المصلی پر حاشیہ	مطبوعہ
(۱۸)مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ	مطبوعہ
(۱۹)حاشیہ ملا جلال	مطبوعہ
(۲۰)ترجمہ الدولۃ المکیہ	مطبوعہ
(۲۱)ترجمہ حسام الحرمین	مطبوعہ
(۲۲)فتاوی حامدیہ	مطبوعہ
(۲۳)دیوان نعت (بنام تحائف بخشش)	مطبوعہ

http://t.me/Tehqiqat

کمیت کے اعتبار سے ان کی عظیم علمی وادبی شخصیت کو پیش نظر رکھا جائے تو ۲۳ رتصانیف بہت کم نظر آتی ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی گوناگوں دینی، تعلیمی سرگرمیاں اس راہ میں حائل تھیں، اگر گوشہ خمولی میں بیٹھ کر صرف علمی مشغلہ ہی ہوتا تو تصانیف کا انبار لگادیتے، کیوں کہ قلم کی توانائی، علم کی پختگی، فکر و بصیرت کی قوت میں وہ اعلیٰ حضرت کے سچے جانشین تھے، پھر بھی مصروفیات سے وقت نکال کر زمانے کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جو کچھ بھی لکھا، ان کی تبحر علمی، قوت قلم اور علم و بصیرت کی اعلیٰ مثال ہے، جو کیفیت کے اعتبار سے بڑی بڑی تصانیف پر بھاری ہے۔ ذیل میں دو کتابوں کا تعارف اجمالاً پیش قارئین ہے:

الصارم الربانی علی اسراف القادیانی

انگریزوں کے دور اقتدار میں امت مسلمہ کو منتشر اور پراگندہ کرنے کے لیے انگریزوں نے نام نہاد مسلم ایجنٹوں کو مال وزر دے کر آمادہ کیا اور انہوں نے اپنے بے ہودہ عزائم کو عملی شکل دینے کے لیے مسلمانوں میں عملی و اعتقادی فتنوں کی چنگاریاں پھیلادیں جو بعد میں آتش فشاں بن کر قوم مسلم کے مسلمہ نظریہ توحید اور ختم رسالت کو خاکستر بنانے کے لیے شعلہ زن ہوئیں، انہیں لوگوں میں مرزا غلام احمد قادیانی بھی ہے، جس نے انگریزوں کی پشت پناہی میں اپنی نبوت کا اعلان کیا اور مسلمانوں کو صراط مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کی۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی تحریر فرماتے ہیں، اس کا ایک رسالہ ہے، جس کا نام ایک غلطی کا ازالہ ہے، اس کے صفحہ نمبر ۶۷۳ پر لکھتا ہے کہ ''میں احمد ہوں جو آیت'' **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** ''میں مراد ہے۔'' اس قول میں صراحتاً ادعا ہوا کہ وہ رسول پاک جن کی جلوہ افروزی کا مژدہ حضرت مسیح لائے، مرزا قادیانی ہے، توضیح مرام طبع ثانی ص ۹ پر لکھتا ہے کہ ''میں محدث ہوں اور محدث بھی ایک معنیٰ میں نبی ہوتا ہے۔'' دافع البلاء مطبوعہ ریاض ہند ص ۹ پر لکھا ہے کہ ''سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔'' یہ ادعائے نبوت و رسالت ہی اس کے ارتداد و خلود فی النار کے لیے کافی تھا۔

دعوائے نبوت پر بعض سادہ لوح مسلمان اس کے پیروکار بن گئے اور اس نے دعوات

www.muftiakhtarrazakhan.com

کے زور پر اپنے ماننے والوں کے مختلف شہروں میں حلقے بنا لیے، اس فتنے کی تردید میں علمائے حق نے کتابیں لکھیں، مناظرے کیے اور تقریریں کیں، اسی سلسلہ کی ایک کتاب الصارم الربانی بھی ہے جو حجۃ الاسلام کی دینی غیرت اور جوش ایمانی کے ساتھ علمی دلائل و براہین کی جیتی جاگتی تصویر ہے، اس کتاب کے لکھنے کا داعیہ یہ ہے کہ سہارن پور کا ایک شخص جو قادیانی کو مسیح موعود اور خود کو اس کا خلیفہ بتاتا ہے، وہ ۱۳؍رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ میں چند سوالوں پر مشتمل ایک سوال نامہ مسلمانوں کے حوالے کر کے جواب کا طالب ہوا، حضور حجۃ الاسلام نے اس کے سوالوں کا مسکت و مدلل جواب تحریر فرمایا، جو رسالہ تحفہ حنفیہ پٹنہ رجب المرجب ۱۳۱۹ھ میں شائع ہوا، پھر طویل مضمون الصارم الربانی علی اسراف القادیانی کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا، جس نے قصر قادیانیت میں زلزلہ برپا کر دیا، اس وقت مرزا قادیانی موجود تھا، جو اپنے جنازہ پر محض مرثیہ خوانی کر رہا تھا، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اس رسالے کے تعلق سے فرماتے ہیں: پہلے اس ادعائے کاذب کی نسبت سہارن پور سے سوال آیا تھا، جس کا ایک مبسوط جواب ولد اعز، فاضل نوجوان مولوی محمد حامد رضا خاں حفظہ اللہ تعالیٰ نے لکھا بنام تاریخی ''الصارم الربانی علی اسراف القادیانی'' مسمی کیا۔

یہ رسالہ ۶۸؍صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں پانچ مقدمات اور پانچ ہی تنبیہات ہیں، استفتا میں مذکور پہلی تین باتوں کا جواب تین تنبیہات کے تحت دیا گیا ہے، چوتھی اور پانچویں میں قادیانی کے مسیح موعود ہونے کے دعوے کا رد فرمایا گیا ہے اور آخری سوال کا جواب ''جواب سوال اخیر'' سرخی کے تحت ہے اور اس پر رسالہ کا اختتام ہے۔

فتاوی حامدیہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے جانشین اول، ان کے وکیل و معتمد، دست راست اور علم و فضل و فقہ و فتوی کے وارث و امین حجۃ الاسلام کے وصال کے چالیس سال بعد بھی ان کی حیات و شخصیت اور کارناموں پر کوئی کتابچہ بھی شائع نہ ہو سکا، راقم (سید محمد ریان) نے ۱۹۸۳ء میں آپ کے وہ خطاب جو ۱۹۴۳ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس مراد آباد میں پیش

فرمائے تھے، یکجا کر کے بنام ''خطبات حجۃ الاسلام'' شائع کیا اور بعد میں ۶۴ رصفحات پر مشتمل ایک رسالہ آپ کی حیات اور تقدیسی کارناموں پر بعنوان حجۃ الاسلام شائع کیا۔اس کے کئی برسوں بعد علامہ ابراہیم خوشتر رحمۃ اللہ علیہ نے ''تذکرہ جمیل'' (سوانح حجۃ الاسلام) مرتب فرما کر شائع کیا اور پھر خاموشی۔لیکن اس عالم خاموشی میں ایک سنجیدہ مزاج نوجوان فاضل خموشی اور لگن کے ساتھ حجۃ الاسلام کی بسیط سوانح ترتیب دینے میں لگا تھا، ساتھ ساتھ حجۃ الاسلام کے فتاوی کی تلاش وجستجو کرتا رہا، محنت وجستجو رنگ لائی، تیرہ فتاوے دستیاب ہوئے اور اس طرح ''فتاوی حامدیہ'' زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آیا۔

فتاوی کو **باب العقائد، کتاب الطهارة، باب القرأة والجمعة ،باب الوتر والنوافل ،کتاب البیوع ، کتاب الحظر والاباحة** کے ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ حجۃ الاسلام کے ان فتاوی کے مطالعہ سے ایسا لگتا ہے جیسے ''فتاوی رضویہ'' (از اعلیٰ حضرت) کا مطالعہ کیا جارہا ہے۔اسلوب تحریر صاف وسلیس اور شگفتہ ہے، مفتی عبدالرحیم صاحب فاروقی نے عربی عبارات کے اردو تراجم بھی کرادیے ہیں۔ ہر فتوی بہت ہی مدلل ہے، ضرورت کے تحت قرآن واحادیث اور کتب فقہ وتفاسیر کے حوالے پیش فرمائے گئے ہیں۔

(ملخصا مضمون سید شاہ محمد ریان ابوالعلائی)

عربی زبان وادب میں مہارت

عربی زبان میں برجستہ فصاحت وبلاغت سے بھری ہوئی گفتگو فرماتے، جس کے قائل صرف علمائے عجم ہی نہیں، بلکہ اہل زبان عرب بھی ہیں، چنانچہ حضور صدرالافاضل علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ حجۃ الاسلام اجمیر شریف تشریف لے گئے تو مولانا معین الدین اجمیری نے عربی زبان میں کچھ سوالات کیے، جن کا حضور نے برجستہ عربی اشعار میں جواب دیا۔اس کے بعد صدرالافاضل جیسی علمی شخصیت نے اعتراف کیا، کہ ''عربی زبان کا ماہر میں نے حضرت جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔'' (امام احمد رضا ص ۲۷۸)

مولانا اعجاز ولی خاں شیخ الجامعہ جامعہ داتا گنج بخش لاہور لکھتے ہیں: مجھے اچھی طرح یاد

ہے،۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء میں حجاز مقدس کے وزیر دفاع سید حسین دباغ رحمۃ اللہ علیہ ان مظالم کا ذکر کررہے تھے، جو اہل حرمین ومقابر مطہرہ پر کیے جارہے تھے اور حضرت امام حجۃ الاسلام قدس سرہ ان کے ساتھ برجستگی کے ساتھ عربی میں گفتگو فرمارہے تھے، چنانچہ خود حضرت سید حسین دباغ نے فرمایا، کہ ''میں نے اکناف واطراف ہند کا دورہ کیا، مگر ایسی تیز اور نفیس وسلیس عربی بولنے والا دوسرا نظر نہ آیا۔'' اسی طرح ایک مرتبہ ترکی سے سید محمد مالکی تشریف لائے، گفتگو ہوئی، بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور یہی فرمایا کہ ''طول وعرض ہند میں ان جیسا کوئی عربی بولنے والا نہ ملا۔''

عربی زبان پر حاکمانہ قدرت ہی کا نتیجہ تھا، کہ ابوالکلام آزاد نے آپ کو عربی زبان میں مناظرے کا چیلنج دیا، اسے بدگمانی تھی، کہ حجۃ الاسلام عربی میں مناظرہ نہ کرسکیں گے، مگر جب آپ نے فرمایا، کہ عربی زبان میں مناظرہ ہوگا، مگر اس شرط کے ساتھ کہ عربی زبان کے تمام الفاظ اور جملے جو استعمال کیے جائیں گے وہ بے نقطہ ہوں گے، یہ جواب سن کر اس نے راہ فرار اختیار کرنے میں اپنی عافیت جانی۔

سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الدولۃ المکیۃ اور کفل الفقیہ الفاہم کی طباعت کے وقت حجۃ الاسلام کو حکم دیا، کہ دونوں کتابوں پر عربی زبان میں تمہیدات تحریر کردیں، حکم کی تعمیل کرنے کے بعد جب اعلیٰ حضرت کے حضور پیش کیا تو بہت خوش ہوئے اور ان تحریروں کو سراہا اور دعائیں دیں۔

عربی شاعری

حجۃ الاسلام شعروسخن میں بھی امام احمد رضا کے جانشین تھے، آپ نے عربی، اردو، فارسی تینوں زبانوں میں شاعری کی اور خوب فصاحت وبلاغت کے دریا بہائے۔ عربی زبان میں نعتیہ شاعری کی بہاروں کا دل آویز نقش ملاحظہ ہو ؎

وکلھم من رسول اللہ ملتمس
غرفا من البحر او شفا من الدیم

www.muftiakhtarrazakhan.com

و وافقون لدیہ عند حدھم
من نقطۃ العلم او من شکلۃ العلم

آپ کو قطعہ تاریخ لکھنے پر بھی کمال حاصل تھا، بریلی جنکشن کی مسجد جب تعمیر ہوئی تو اس کی تاریخ عربی اشعار میں لکھی ۔

انما یعمر المساجد من — آمن باالالٰہ والاخری
من بناہ بنی لہ اللہ — بیتا بجنۃ الماویٰ
شکر اللہ معی قیمہ — محمد حامد رضا شفیق رضا
قلت سبحان ربی الاعلیٰ — مسجدا اسس علی التقویٰ

۴۷۴+ ۸۵۴=۱۳۲۸

(معارف رضا کراچی شمارہ ہفتم)

الاجازۃ المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ جس میں اسناد حدیث وسلاسل طریقت کا ذکر ہے، اس کی تمہید کے یہ اشعار دیکھیں ۔

الا بابی من کان ملکا و سیدا — وآدم بین الماء والطین واقف
اذا رام امرا لا یکون خلافہ — ولیس لذالک الامر فی الکون صارف
فقربہ تقریبا و جعلہ الاکرام — حبیبا واصلہ من القلوب المحل جلیل

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے خلیفہ برہان ملت مولانا برہان الحق جبل پوری علیہ الرحمہ کی کتاب ''اجلال الیقین بتقدیس سید المرسلین'' پر منظوم تقریظ کا رنگ دیکھیں ۔

احمد اللہ خالق النسم — ذراء اللوح بارء القلم
ونصلی علی الحبیب لہ — اعلم الخلق خیر کلھم
وعلی آلہ واصحابہ — ما تمر السحاب بالدیم
من الحق فیہ یابرھان — فمسماہ لاسمک کسم

www.muftiakhtarrazakhan.com

فارسی شعروادب

حضور حجۃ الاسلام عربی زبان وادب پر حاکمانہ قدرت کے ساتھ فارسی زبان وادب پر بھی کمال رکھتے تھے، انہوں نے فارسی زبان میں نثری اور شعری یادگار چھوڑی، ذیل میں کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں، ایک فارسی قطعہ تاریخ جو مولانا عبدالکریم علیہ الرحمہ کی وفات پر نظم کیا۔

درس عبدالکریم عبد کریم　　کرد جان خودش بحق تسلیم
موت العالم لمیتۃ العالم　　ثلمہ دین احمد بے میم
روح الرواح وسقاہ　　ز آب کوثر وجعفر و تسنیم
امر معروف و نہی عن المنکر　　کار او بود در حیاۃ عبد کریم
درس دین نبی بگو حامد　　ختم شد در کراچی والتسلیم

۱۳۴۴ھ

خاتم الاکابر حضور سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہ کی شان میں اعلیٰ حضرت نے بھی ہدیہ مناقب پیش کیے اور حجۃ الاسلام نے بھی۔ حجۃ الاسلام کی یہ منقبت اردو میں ہے۔ اور بڑی طویل ہے، جس کا تاریخی نام ''ذریعۃ النجا'' ہے۔ اس میں دو اشعار فارسی کے دستیاب ہیں، اسے ملاحظہ فرمائیں۔

سر تا پایم فدا سرو پایت　　وہ چہ نور و ضیائے آل رسول
دل و جانم فدائے سرت گردم　　لمعہ حق نمائے آل رسول

ان کلمات سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اردو وعربی کی طرح فارسی زبان پر بھی انہیں قدرت تھی اور وہ بے تکلف اسے استعمال کرتے تھے۔

اردو شاعری

عربی وفارسی زبان میں نثر ونظم کے شاہکار نمونے یادگار چھوڑنے کے علاوہ اردو زبان

میں بھی بڑی معرکۃ الآرا نعتیں صفحہ قرطاس پر مرتسم کی ہیں، آپ کی نعتوں میں مجدد اعظم کی نعتیہ شاعری اور حب رسول کے سچے جذبات بہت نمایاں ہیں۔ سلاست وروانی، فصاحت و بلاغت کی خوبیاں حجۃ الاسلام کی شاعری میں بدرجہ اتم موجود ہیں، آپ کا معیاری کلام اردو نعت گوئی کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ حضرت حجۃ الاسلام امام شعروادب اعلیٰ حضرت کے جانشین تھے، جملہ علوم وفنون کے ساتھ شعروادب میں بھی اعلیٰ حضرت کے عکس جمیل تھے، آپ کی زبان نہایت پاکیزہ، سلاست اور بے ساختگی دیدنی ہے، شاعری میں مضمون آفرینی کے جلوے بھی حسن ادا کے ساتھ موجود ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

گناہ گاروں کا روز محشر شفیع خیرالانام ہوگا
دلہن شفاعت بنے گی دولہا نبی علیہ السلام ہوگا
کبھی تو چمکے گا نجم قسمت ہلال ماہ تمام ہوگا
کبھی تو ذرے سے مہر ہوگی وہ مہر ادھر خوش خرام ہوگا
انہیں کا سب منہ تکیں گے اس دن جو وہ کریں گے وہ کام ہوگا
دہائی سب ان کی دیتے ہوں گے انہیں کا ہر لب پہ نام ہوگا
انا لہا کہہ کے عاصیوں کو وہ لیں گے آغوش مرحمت میں
عزیز اکلوتا جیسے ماں کو انہیں ہر اک یوں غلام ہوگا
جدھر خدا ہے ادھر نبی ہے جدھر نبی ہے ادھر خدا ہے
خدائی پھر سب ادھر پھرے گی جدھر وہ عالی مقام ہوگا
حضور روضہ ہوا جو حاضر تو اپنی سج دھج یہ ہوگی حامدؔ
خمیدہ سر، آنکھ بند لب پر مرے درود و سلام ہوگا

ایک نعت شریف کے چند اشعار ملاحظہ ہوں، جس میں بیان کی شگفتگی کے ساتھ شیفتگی رسول صلی اللہ علیہ وسلم لفظ لفظ سے ظاہر ہوتی ہے ؎

شاہد گل ہے مست ناز جملہ نوبہار میں
ناز و ادا کے پھول ہیں پھول گلے کے ہار میں

www.muftiakhtarrazakhan.com

گائیں گھٹائیں جھوم کر عشق کے کوہسار میں
بارش غم ہے اشک بار گریہ بے قرار میں
عشق نے چھوڑی پھل جھڑی دل کی لگی بھڑک اٹھی
آتش گل کے پھول سے آگ لگی بہار میں
آنکھوں سے لگ گئی جھڑی بحر میں موج آ گئی
سیل سرشک ابل پڑا نالہ قلب زار میں
گردش چشم ناز سے حامد مے گسار مست
رنگ سرور و کیف ہے چشم خمار دار میں

حجۃ الاسلام کی قادرالکلامی اور شاعرانہ کمال کی بلندی ایک سخت زمین میں ۔

چاند سے ان کے چہرے پہ گیسوئے مشک فام دو
دن ہے کھلا ہوا مگر وقت سحر وشام دو
دو مئے صبح ایک سحر زلف دوتا ہے شام دو
پھول سے گال صبح دم مہر ہیں لالہ نام دو
عارض نور بار سے بکھری ہوئی ہٹی جو زلف
ایک اندھیری رات میں نکلے مہِ تمام دو
ان کی جبین نور پہ زلف سیہ بکھر گئی
جمع ہیں ایک وقت میں ضوئیں صباح وشام دو
اب تو مدینے میں بلا گنبد سبز دو دکھا
حامد و مصطفیٰ رضا ہند میں ہیں غلام دو

شکیب دل قرار جاں محمد مصطفیٰ تم ہو
طبیب درد دل تم ہو مرے دل کی دوا تم ہو
تمہارے حسن رنگیں کی جھلک ہے سب حسینوں میں

www.muftiakhtarrazakhan.com

بہاروں کی بہاروں میں بہار جاں فزا تم ہو

تصوف وسلوک

حضور حجۃ الاسلام کا خانوادہ علم شریعت وطریقت کا حسین سنگم تھا، جہاں شب وروز علوم ومعارف کے چشمے جاری رہتے، وہیں تزکیہ واحسان کے حصول کے لیے زہد وتقوی، توکل وقناعت، ذکر وفکر، اوراد ووظائف کی شمع فروزاں رہتیں، جن کے انوار سے دنیا معرفت کی روشنی حاصل کرتی۔ اس مقدس خانوادہ کو مارہرہ مقدسہ کے ان برگزیدہ شیوخ سے بیعت وخلافت کے برکات حاصل ہوئے، جن کا نسبی وروحانی تعلق زبدۃ العارفین حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی تک پہنچتا ہے۔ ہندوستان میں یوں تو سلسلہ قادریہ کی بہت سی خانقاہیں اور ذیلی شاخیں موجود ہیں، لیکن خانوادہ قادریہ کو جو ترقی اور فروغ آل برکات اور خلفائے برکاتیہ سے ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں قائم ہوا، وہ کسی کے نصیب میں نہ آیا۔

سلسلہ برکاتیہ کا فروغ

اس دور میں مختلف ناموں سے بہت سارے سلسلہ طریقت رائج ہیں، سلسلہ رضویہ، برکاتیہ، نوریہ، نظامیہ وغیرہ دراصل یہ سارے سلاسل حضور سیدنا سرکار غوث اعظم کے ہی بحر فیضان سے نکلی ہوئیں نہریں ہیں، جو قریب کے مشائخ کی طرف منسوب ہیں، ہر شخص نے سلسلہ قادریہ کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، خود بھی لوگوں کو مرید کرتے اور دوسروں کو بھی اجازت وخلافت دیتے، تاکہ دوسرے بھی اس کار حسن کو بحسن وخوبی انجام دیں، جس سے ایک طرف خلق خدا کو روحانی دولت ملے، تو دوسری طرف بارگاہ غوثیت میں سرخروئی حاصل ہو۔

سیدنا نورالعارفین شاہ ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حجۃ الاسلام کو اجازت وخلافت سے نوازا، یہ ایک بہت بڑی ذمہ دار تھی، جس کو آپ نے بہت ہی اخلاص کے ساتھ نبھایا، بکثرت لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور غوثیت مآب کی غلامی حاصل کی۔ آپ جہاں بھی جاتے، علما، طلبہ، عوام وخواص کی بھیڑ لگ جاتی اور لوگ جوق در جوق خدمت

میں حاضر ہوکر سلسلہ میں داخل ہوتے ،اس سلسلہ میں آپ نے ملک وبیرون ملک کے مختلف صوبوں اور شہروں کا دورہ کیا اور بندگان الٰہی کو حصول فیضان کا موقع بخشا۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی رقم طراز ہیں:

''میواڑ راجستھان کے علاقوں اودے پور، چتوڑگڑھ، بھیل واڑہ وغیرہ کے بیشتر سنی حجۃ الاسلام ہی کے حلقہ ارادت میں شامل تھے، اودے پور کے مشہور نعت گو اور آرکیٹک جناب قمر انجم صاحب جو ۱۹۴۷ء کے بعد کراچی پاکستان منتقل ہوگئے تھے، بارہ سال کی عمر میں اودے پور ہی میں حضور حجۃ الاسلام کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے تھے، ان کا بیان ہے کہ تقسیم ہند سے قبل ایک بھی وہابی ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل پاتا اور یہ سب حضرت حجۃ الاسلام کے قدموں کی برکت تھی۔'' (تجلیات حجۃ الاسلام ص ۵۵)

حضرت حجۃ الاسلام نے لاہور کے متعدد اسفار کیے تھے، لاہور میں آپ کا قیام عام طور سے حضرت شاہ محمد غوث قادری علیہ الرحمہ کے مزار پر ہوتا، یہاں علما اور عوام وخواص آپ سے خوب خوب استفادہ کرتے ،لوگ جوق در جوق داخل سلسلہ ہوتے۔ (ایضاص ۵۷)

بنارس میں آپ کے مریدین اور معتقدین کی ایک کثیر تعداد تھی، شیر بیشہ اہل سنت علامہ ہدایت رسول کے خانوادہ کے افراد سے خصوصی تعلق تھا، ان کے صاحب زادے مولانا وزارت رسول صاحب حجۃ الاسلام کے خاص مرید وخلیفہ اور تلمیذ تھے، ان سے آپ کو بہت محبت تھی۔ (ایضاص ۶۴)

گوالیار مدھیہ پردیش میں حضرت حجۃ الاسلام کے مریدوں کی اچھی خاصی تعداد تھی اور آپ ان شہروں کا اکثر دورہ فرمایا کرتے تھے، یہ شہر راجاؤں کے شہر تھے، راجگان بھی آپ کے دیدار کے لیے بے تاب رہا کرتے تھے، آپ جب ان مقامات میں سے کسی مقام پر جاتے تو کسی نہ کسی بہانے سے راجگان آپ کا دیدار کر لیتے۔ (ایضاص ۷۲)

حضرت حجۃ الاسلام کی بدولت بہت سارے لوگوں کو سلسلہ قادریہ میں دخول کا موقع ملا، علاوہ ازیں آپ نے بہت سی شخصیات کو اجازت وخلافت عطا فرمائی، جنہوں نے ہندوپاک میں سلسلہ کی توسیع کا کام کیا۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

آپ کے نامور خلفا کی تعداد بہت ہے، ان میں بعض کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

مفسر اعظم ہند مولانا محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں (م ۱۹۶۵ء)

محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد فیصل آباد (م ۱۹۶۲ء)

شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں پیلی بھیت (م ۱۹۶۰ء)

مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن قادری دھام نگر اڑیسہ (م ۱۹۸۱ء)

امین شریعت مفتی محمد رفاقت حسین کان پور (م ۱۹۸۳ء)

نبیرہ حجۃ الاسلام مولانا ریحان رضا خاں (م ۱۹۸۵ء)

شیخ الحدیث مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی (م ۱۹۸۶ء) وغیرہ علیہم الرحمہ

مرشدان طریقت سے عقیدت

یوں تو ہر شخص کو اپنے مرشد سے عقیدت و محبت ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیے، تاکہ فیضان مشائخ کا سلسلہ جاری رہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی اپنے مشائخ کا نہایت احترام فرماتے تھے، ان کی شان میں متعدد نظمیں لکھیں۔ حضرت حجۃ الاسلام کو اپنے مشائخ کا احترام، مشائخ و پیران طریقت سے والہانہ لگاؤ، بڑوں کی تعظیم، چھوٹوں پر شفقت یہ سب کچھ وراثت میں ملا تھا۔ اپنے والد گرامی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مارہرہ مطہرہ کی عظمتوں اور اپنے مشائخ کی شان رفیع کا جس محبت و عقیدت کے ساتھ ذکر کیا ہے اسے پڑھ کر طبیعت جھوم اٹھتی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ٹھنڈی ٹھنڈی نسیم مارہرہ
دل کی کلیاں کھلائے آل رسول
نوری مسند پہ نوری پتلا ہے
اچھا ستھرا رضائے آل رسول

اس طرح پچاس سے زائد اشعار لکھ کر حضرت حجۃ الاسلام نے مشائخ مارہرہ کی عظمتوں کو خراج عشق و محبت پیش کیا ہے۔ (فیضان مارہرہ و بریلی ص ۱۷۵)

مستجاب الدعوات شخصیت

حضرت شیر اہل سنت سے منقول ہے کہ سید حجۃ الاسلام کا ایک مرید جو کہ گھاس فروخت کر کے اپنی روزی کماتا تھا، لیکن حضرت حجۃ الاسلام سے حد درجہ پیار کرتا تھا۔ ایک دن سیدی حجۃ الاسلام جامعہ منظر اسلام بریلی شریف میں تشریف فرما تھے، کہ اتنے میں وہ مرید حاضر خدمت ہوا، جواب ضعیف العمر ہو چکا تھا، اپنی توتلی زبان سے عرض کرنے لگا، حضور دعا کیجیے، اللہ تعالیٰ بس مجھے حج کروادے، سیدی حجۃ الاسلام نے فوراً ہاتھ اٹھائے اور اس مرید کے لیے حج کی دعا فرمائی، آپ کی دعا اس کے حق میں حرف بحرف قبول ہوئی، اس نے اسی سال حج کی سعادت حاصل کی۔

اسی طرح آپ کے مستجاب الدعوات ہونے پر ایک واقعہ یوں بیان فرمایا:

ایک دفعہ سیدی حجۃ الاسلام اپنی نشست پر جلوہ فرما تھے، فقیر بھی خدمت اقدس میں حاضر تھا، کافی لوگ بیٹھے ہوئے تھے، اسی دوران ایک شخص نے مصافحہ کرتے وقت بے تکلف عرض کر دیا، حضور کچھ رقم کی ضرورت تھی، سیدی حجۃ الاسلام نے فرمایا، ابھی مل جائے گی، ان شاء اللہ، پھر خاموش ہو گئے، تھوڑی دیر میں ایک شخص آیا، اس نے کچھ رقم حضرت حجۃ الاسلام کے ہاتھ میں رکھی۔ حضرت نے آواز دے کر فرمایا، ارے بھائی! وہ شخص کہاں گیا، وہ بولا، حضور بیٹھا ہوں، فرمایا، فقیر نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی، لو تمہارا بندوبست ہو گیا ہے۔ اس نے رقم دیکھ کر فرمایا، حضور مجھے اتنوں کی ضرورت نہیں یہ تو زیادہ ہیں، فرمایا، لے جا تیری موج ہو گئی۔

زبان کی تاثیر و برکت

محمد شریف نامی ایک شخص سیدی حجۃ الاسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اس کے ساتھ اس کا ایک سات آٹھ سال کا بچہ بھی تھا، عرض گزار ہوا، مولوی جی! میرا یہ بچہ گالیاں بہت دیتا ہے اور باوجود منع کرنے کے بھی یہ عادت نہیں چھوڑتا۔ سیدی حجۃ الاسلام نے اس کی شکایت سن کر بچے کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، بیٹا! اب گالیاں نہیں دیا کرو گے؟ پھر فرمایا: وعدہ کرو کہ پھر

کبھی کسی کے لیے گالی نہیں نکالو گے، بچے نے ہاں میں سر ہلایا، اس کے بعد سیدی حجۃ الاسلام نے بچے کے والد کو مخاطب کر کے فرمایا، لو جی! آپ کے بیٹے نے فقیر سے وعدہ کر لیا ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ گالی نہیں دے گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضرت حجۃ الاسلام کی توجہ اور برکت سے اس بچے نے بعد میں گالی نہیں دی۔ یہ تاثیر ہوتی ہے، اللہ کے نیک بندوں کی زبان میں ہے۔

شمائل وخصائل

حجۃ الاسلام حسن صورت اور حسن سیرت کا بڑا دل کش سنگم تھے، گلاب رخ زیبا پر ایسا پر کشش نور تھا کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں اپنی طرف مرکوز کر لیتا۔ آپ کا نورانی چہرہ اسلام اور سنیت کی برہان تھا، نظر پڑتے ہی لوگ آپ کے شیدائی ہو جاتے تھے، ان کے جلوۂ رنگین کی بہاروں میں کھو کر رہ جاتے تھے ۔

تمہارے حسن کی تصویر کوئی کیا کھینچے
نظر ٹھہرتی نہیں عارض منور پر

یہی وجہ ہے کہ کتنے عیسائی پادری اور دیگر غیر مسلم آپ کے رخ زیبا کو ہی دیکھ کر آغوش اسلام میں آ گئے، کئی بد مذہب، وہابیت دیوبندیت سے تائب ہو گئے۔ زہرہ جمال رخ تاباں کی کرشمہ سازی تو دیکھیے کہ ایک بار آپ کا گوالیار تشریف لے جانا ہوا، آپ جب تک وہاں رہے، ہر روز وہاں کا راجہ صرف آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتا تھا، اور آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر محو حیرت رہا کرتا تھا۔

رخ زیبا

حسن و جمال اور پر کشش رخ زیبا علما و مشائخ کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، جس کی طرف قلوب انسانی کھنچتے چلے جاتے ہیں، خاص طور پر نور ایمان والے چہروں کی تابشیں تو مقناطیسی ہیں۔ ہندوستان کے اکابر علما کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نگاہوں نے حجۃ الاسلام

www.muftiakhtarrazakhan.com

سے زیادہ حسین وجمیل چہرہ نہیں دیکھا، پھر اس پر لباس کی سج دھج مزید برآں تھی، جو لباس بھی آپ زیب تن فرماتے، وہ بھی آپ کے جمال سے جگمگا اٹھتا، جس مقام سے گزر ہوتا تو لوگ حسن صوری دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے اور سارا ماحول غزل خواں ہو جاتا۔

ع دم میں جب تک دم ہے دیکھا کیجیے

ان کی شگفتہ باتوں کا یہ عالم ہوتا کہ منہ سے پھول جھڑتے تھے، اہل مجلس کا حال یہ ہوتا کہ ''وہ کہیں اور سنا کرے کوئی'' حسن خداداد ایسا کہ جس محفل میں ہوتے وہی جان محفل ہوتے، نگاہیں کھلی کی کھلی رہ جاتیں اور آنے والا شخص بے خودی میں پکار اٹھتا۔

ماھذابشرا ان ھو الا ملک کریم.

ان کا حسن و جمال، عمامہ کی بندش، ڈاڑھی کی وضع قطع اور پاکیزہ وصاف ستھرا لباس اور بزرگی دلوں کو مسخر کر رہی تھی، وہابیہ وشیعہ نے کہا کہ ایسی نورانی صورت آج تک دیکھی نہ گئی اور نہ ایسی مدلل تقریر سنی۔

حسن سیرت اور فضل وکمال

حضرت حجۃ الاسلام کا چہرہ خوبصورت تھا، اسی طرح ان کا دل بھی حسین تھا، وہ ہر اعتبار سے حسین تھے، صورت وسیرت، اخلاق وکردار، گفتار ورفتار، علم وفضل، تقوی وزہد سب حسین وخوبصورت، حجۃ الاسلام بلند پایہ کردار اور پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے، متواضع اور خلیق، مہربان اور رحیم وکریم، اپنے تو اپنے بے گانے بھی ان کے حسن سیرت اور اخلاق کی بلندی کے معترف تھے۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ آپ لمبے سفر سے بریلی واپس ہوئے۔ ابھی گھر پر اترے ہی تھے اور تانگہ پر بیٹھے ہی ہوئے تھے کہ بہاری پور بریلی کے ایک شخص نے جس کا بڑا بھائی آپ کا مرید تھا اور اس وقت بستر علالت پر پڑا ہوا تھا، آپ سے عرض کیا، کہ حضور روز ہی آکر دیکھ جاتا ہوں، لیکن چوں کہ حضور سفر پر تھے، اس لیے دولت کدہ پر معلوم کر کے ناامید لوٹ جاتا تھا، میرے بھائی سرکار کے مرید ہیں اور سخت بیمار ہیں، چل پھر نہیں سکتے، ان کی بڑی تمنا ہے کہ کسی

www.muftiakhtarrazakhan.com

صورت سے اپنے مرشد کا دیدار کرلیں۔ اتنا کہنا تھا کہ آپ نے گھر کے سامنے تانگہ رکوا کر اسی پر بیٹھے ہی بیٹھے اپنے چھوٹے صاحب زادے نعمان میاں کو آواز دی اور کہا، سامان اتروالو، میں بیمار کی عیادت کر کے ابھی آتا ہوں اور آپ فوراً اپنے مرید کی عیادت کے لیے چلے گئے۔

آپ خلفائے اعلیٰ حضرت اور اپنے ہم عصر علما سے نہ صرف محبت کرتے تھے، بلکہ ان کا احترام بھی کرتے تھے، جب کہ بیشتر آپ سے عمر اور تقریباً سبھی علم وفضل میں آپ سے چھوٹے اور کم پایہ کے تھے، سادات کرام خصوصا مارہرہ مطہرہ کے مخدوم زادگان کے سامنے تو بچھ جاتے تھے اور آقاؤں کی طرح ان کا احترام کرتے تھے، حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے آپ کو بڑی انسیت تھی اور دونوں میں اچھے اور گہرے مراسم بھی تھے، ان کو آپ نے ہی ''شبیہ غوث اعظم'' کے لقب سے سب سے پہلے یاد کیا۔

زہد وتقوی

حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نہایت متقی اور پرہیز گار شخصیت کے مالک تھے، علمی وتبلیغی کاموں سے فراغت پاتے ہی ذکر الٰہی اور اوراد ووظائف میں مصروف ہوجاتے۔ ہمیشہ عزیمت پر عمل کرتے، سخت سے سخت شکل حالات میں بھی دامن عزیمت ہاتھ سے نہیں چھوٹتا، فرمان الٰہی ''اتقوا اللہ'' کی جیتی جاگتی تفسیر تھے۔

تواضع وانکساری

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اکرموا الضیوف.

مہمانوں کی عزت واکرام کرو۔

ایک حدیث میں فرمایا:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا.

وہ شخص ہماری سنت پر نہیں ہے جو ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور بڑے کی

عزت واحترام نہ کرے۔

ان احادیث طیبہ پر حجۃ الاسلام کا پورا عمل تھا، آپ کی زندگی پیکر تواضع وانکسار رہی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے میں تیز گام رہی۔

مدینہ منورہ سے بحیثیت مہمان وقت کے ایک عظیم تاجدار حضرت شیخ الدلائل مدنی علیہ الرحمہ آپ کے یہاں بریلی شریف تشریف لائے، اس وقت شہنشاہ علوم وفنون پیکر زہد وتقوی، تاجدار ولایت بایں جبہ ودستار کس طور کی تواضع وانکسار اور اخلاق کریمہ پیش کرتے ہیں ان ہی کی زبانی سنیے، وہ فرماتے ہیں:

حجۃ الاسلام نورانی شکل وصورت والے ہیں، میری اتنی عزت کرتے کہ جب میں مدینہ طیبہ سے ان کے یہاں گیا تو کپڑا لے کر میری جوتیاں تک صاف کرتے، اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتے، ہر طرح خدمت کرتے، کچھ روز کے قیام کے بعد جب میں بریلی شریف سے واپس عازم مدینہ ہونے لگا، تو حضرت حجۃ الاسلام نے فرمایا ''مدینہ طیبہ میں سرکار اعظم سے میرا سلام عرض کرنا اور یہ شعر۔

اب تو مدینے میں بلا سبز گنبد دو دکھا
حامد ومصطفیٰ رضا ہند میں ہیں غلام دو

تواضع وانکسار جو حضور حجۃ الاسلام کی سیرت کا درخشاں پہلو ہے، یہ وہ طریقہ ہے، جو صوفیہ وصالحین کو معرفت کے اعلیٰ مراتب تک پہنچاتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے، شعبان کی پندرہویں شب اللہ تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا پر اجلال فرماتا ہے اور بندوں کی مغفرت کے دروازے کھول دیتا ہے اور ہر ایک مغفرت چاہنے والے کی مغفرت فرماتا ہے، مگر مشرک اور کینہ رکھنے والوں کو نہیں بخشتا:

ان اللہ لیطلع فی لیلۃ النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقہ الا لمشرک او مشاحن.

اس حدیث شریف پر عمل کرتے ہوئے امام احمد رضا نے اپنی زندگی کا یہ معمول بنالیا تھا کہ جوں ہی شب برات کا موقع آتا، اپنوں اور بے گانوں کے پاس پہنچتے اور ان سے

www.muftiakhtarrazakhan.com

معافی مانگتے، یہاں تک کہ چھوٹوں سے بھی کہتے کہ تم مجھے معاف کردو، اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہوتو بخش دو، تیرا کوئی حق مجھ پر آتا ہو اور مجھ سے اس کی ادائیگی میں کوتاہی ہوئی ہوتو معاف کردو، مذکورہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت امام احمد رضا پر عمل کرتے ہوئے حضور حجۃ الاسلام نے بھی اپنی زندگی کا اصول بنالیا کہ جوں ہی شب برات کا موقع آتا، آپ ہر ایک سے معافی مانگتے، معافی مانگنے کا انداز دیکھنے سے تعلق رکھتا، بڑے تو بڑے چھوٹے چھوٹے بچوں سے بھی بڑی لجاجت کے ساتھ علم وفضل کے یہ تاجدار معافی مانگ رہے ہیں، یہ آپ کی منکسر المزاجی، تواضع وعاجزی اور خوش اخلاقی ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا آپ کے قدموں پر گرتی نظر آرہی ہے۔

من تواضع لله رفعه الله.

جو اللہ کی رضا کے لیے تواضع وعاجزی پیش کرے اللہ اس کو سربلند کردیتا ہے۔

کے جلوے نظر آرہے ہیں۔

ڈاکٹر اعجاز انجم صاحب استاذ دارالعلوم منظر اسلام بریلی نے اس حوالے سے ایک اچھا خاکہ پیش کیا ہے، آپ فرماتے ہیں، حضور حجۃ الاسلام نہایت متواضع، منکسر المزاج اور وسیع اخلاق کے مالک تھے، سب کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتے، دینی طالب علموں، فقیروں اور حاجت مندوں پر بہت شفقت فرماتے تھے۔

قناعت اور دنیاوی مال وزر سے بے رغبتی کا معاملہ صرف کارافتا تک ہی محدود نہیں تھا، بلکہ دنیا سے بے نیازی اور مال ودولت سے مفران کا طرہ امتیاز تھا، اپنے ایک عزیز کو یوں تحریر فرماتے ہیں: عزیزم مولوی امانت رسول سلمہ کا خط دیکھا، مولیٰ تعالیٰ انہیں دونوں جہان کی نعمت سے سرفراز کرے، ان کی ہمدردی کا شکریہ! دل سے دعائے خیر کے سوا کیا ہوسکتا ہے، مگر فقیر کوئی زبردست دنیادار عبدالدرہم عبدالدینار فقیر نہیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی روش میرے لیے بہترین اسوہ ہے۔ میں نے ناظم نلگنڈہ عزیز محترم منشی شیخ محمد حسین صاحب مرحوم کی تحریک پر جب بارہ سو روپے ماہ وار کی جگہ پر نظر نہ کی تو اب چھ سو روپے کی ملازمت کرکے کیا دنیا طلبی کروں گا۔ نواب رام پور نے پچاس ہزار روپے خانقاہ شریف کے نام سے دینے کا لالچ دیا اور

بار باران کے خطوط بنام فقیر آئے ،مگر الحمد للمولیٰ تعالیٰ کہ فقیر نے اصلا توجہ نہ کی۔مولیٰ تعالیٰ دین حق کا خادم رکھے اور اس کی سچی خدمتوں کی توفیق رفیق فرمائے اور خلوص نیت واخلاص عمل کے ساتھ خالصا لوجہ اللہ خدمت دین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چلائے ،اسی پر مارے اور اسی پر محشور فرمائے۔آمین۔میں جب کبھی حیدرآباد گیا،ان سے ملوں گا،انہیں مطلع کروں گا،یہ میرا کام نہیں کہ میں اپنی مبالغہ آمیز تعریفوں کے اشتہار چھپوا کر وہاں بھیجوں اور دنیا سازی سے طلب دنیا کا جال بچھاؤں،جب جاؤں گا اپنے کسی عزیز کے یہاں قیام کروں گا،جس سے میرا روحانی یا خون کا رشتہ ہوگا،بڑے بڑے رؤسا سے میرا کوئی علاقہ وواسطہ نہیں ،رہی دین کی خدمت وہ جس طرح میرا رب مجھ سے لے میں اس کے لیے ہر وقت حاضر ہوں۔والدعا۔

علمائے اہل سنت کا بہت احترام فرماتے تھے،دین کی خدمت کا کوئی کام دیکھ کر اور اہل سنت کی کوئی انجمن دیکھ کر یا اس کے قیام کی خبر سن کر بہت خوش ہوتے تھے۔

آپ نمونہ اسلاف تھے

حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے وقت کے رئیس العلما،تاج الاتقیا، آفتاب شریعت ومعرفت،شیخ المحدثین،راس المفسرین،مفکر اسلام،عالم علوم اسلامیہ وماہر علوم عقلیہ تھے، بلکہ اعلم علمائے ہند تھے،آپ سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ نوریہ رضویہ کے چالیسویں امام ہدایت اور شیخ طریقت ومعرفت میں مجدد اعظم،امام اہل سنت،محدث عالم،شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ القوی کے خلف اکبر اور مجاز وجانشین ہیں،آپ اپنے اسلاف وآباواجداد کے مکمل نمونہ تھے،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر سختی سے عمل پیرا تھے،اپنے والد ماجد کی تمام خوبیوں کے جامع اور آئینہ دار تھے،آپ کی عبقری شخصیت اسلاف کی جیتی جاگتی تصویر تھی،آپ کے خصائل وعادات سے متعلق مولانا عبدالمجتبیٰ مرحوم لکھتے ہیں:

''آپ اپنے اسلاف وآباواجداد کے مکمل نمونہ تھے،اخلاق وعادات کے جامع تھے، آپ جب بات کرتے تو تبسم فرماتے ہوئے بات کرتے،لہجہ انتہائی محبت آمیز ہوتا،بزرگوں

کا احترام، چھوٹوں پر شفقت کا برتاؤ آپ کی سرشت کے نمایاں جوہر تھے، ہمیشہ نظریں نیچی رکھتے، درود شریف کا اکثر ورد فرماتے، یہی وجہ ہے کہ اکثر آپ کو نیند کے عالم میں بھی درود شریف پڑھتے دیکھا گیا، آپ کی طبیعت انتہائی نفاست پسند تھی، چنانچہ آپ کا لباس آپ کی نفاست کا بہترین نمونہ ہوتا تھا، انگریز اور اس کی معاشرت کے آپ اپنے والد ماجد کی طرح شدید مخالف رہے، اور اس کی مخالفت میں نمایاں کام انجام دیا۔'' (تذکرہ مشائخ قادریہ)

حجۃ الاسلام کا تصلب فی الدین

حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ خود فرماتے ہیں:

''وہ (امام اہل سنت اعلیٰ حضرت) یقیناً اللہ کے سچے محبوب، عاشق رسول، سچے نائب غوث الوریٰ ہیں، جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلی ابنہ الکریم وبارک وسلم تھے۔ اور بحمدہ تعالیٰ انہوں نے مجھے سچا جانشین کیا اور میں نے مولانا عبدالباری لکھنوی کے ساتھ ان (اعلیٰ حضرت) ہی کی روش برتی، جب وہ لکھنؤ کے ریلوے اسٹیشن پر میرے استقبال کے لیے آئے تھے اور ان کے ہمراہ لکھنؤ کے بڑے بڑے جاگیردار اور رؤسا وعلما سیکڑوں کی تعداد میں تھے، میری گاڑی کے آنے پر میرے سکنڈ کلاس کے ڈبے کے پاس سرعت سے آئے اور جب میں اترا، انہوں نے سلام کیا، میں نے جواب نہ دیا، انہوں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا، میں نے ہاتھ مصافحہ کو نہ دیا، میں ویٹنگ روم کی طرف بڑھا، وہ میرے پیچھے پیچھے آئے اور دیر تک میری شرکت کے لیے اصرار کرتے رہے، میں نے صاف کہہ دیا کہ جب تک میرے اور آپ کے درمیان مذہبی صفائی نہ ہوجائے، میں آپ سے نہیں مل سکتا، نہ آپ کے جلسے میں شرکت کروں، نہ آپ سے میل جول رکھوں اور بحمدہ تعالیٰ میری اس روش سے انہیں متاثر ہونا پڑا اور انہوں نے صدرالافاضل مولانا مولوی نعیم الدین صاحب کے بالمشافہ توبہ نامہ تحریر فرمایا، اس کے بعد ان سے ملا، عزیز مولوی حشمت علی صاحب اس کے شاہد ہیں۔''

حضرت حجۃ الاسلام کی روش سے متعلق مندرجہ بالا عبارت نے ہمیں باور کرایا کہ حضور حجۃ الاسلام نہایت متصلب سنی تھے، کسی بدمذہب سے سلام ومصافحہ نہیں کرتے، اس

کے سلام کا جواب نہیں دیتے، اس سے میل ملاپ نہیں کرتے تھے، لہذا ہم تمام سنیوں کو ایسی ہی روش اختیار کرنی چاہیے۔ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حجۃ الاسلام کا عشق رسول

حضور حجۃ الاسلام مولانا مفتی حامد رضا خاں، جہاں بہت سے خصائل حمیدہ سے متصف تھے، وہیں اپنے والد ماجد کی طرح زبردست عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے، آپ کے عشق رسول اور محبت رسول ہی کی کارفرمائی تھی کہ کثرت سے درود شریف پڑھا کرتے تھے، آپ کا عشق سچا تھا، جس کے جلوے عیاں نظر آتے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین متین کی خدمت کے لیے اپنی حیات مستعار کو وقف کر دیا، دربار رسالت کے ایک پہرہ دار اور عاشق ہونے کی حیثیت سے ناموس رسالت کی حفاظت وصیانت میں پوری زندگی گزار دی، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت والفت کا سکہ دلوں میں بٹھا دیا اور گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اٹھنے والے اعتراضات کے جوابات دیے، عظمت رسول کے حوالے سے خود کو قربان کر دیا، یہ عشق ومحبت ہی کی جلوہ گری ہے کہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں نعت کی کئی سوغاتیں پیش کیں اور ہمیشہ کے لیے مداحان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فہرست میں اپنا نام لکھا گئے۔

اوراد ووظائف سے شغف

ذکر الٰہی کے کلمات اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کو وقتوں کی پابندی کے ساتھ پڑھنے اور اسے اپنا معمول بنا لینے کو ورد ووظیفہ کہتے ہیں۔

اگر کئی ورد ووظیفہ اپنے معمولات میں رکھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ورد ووظیفہ ہی نہیں اوراد ووظائف کا پابند ہے۔ قرآن کریم، احادیث طیبہ اور معمولات مشائخ میں بے شمار اذکار اور دعاؤں کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، جن کو بندگان خدا اپنا کر اپنی زندگی میں روحانی نکھار لاتے ہیں، انہیں ان کے ذریعہ معرفت الٰہی کا نور اور قلب کا سرور حاصل ہوتا ہے، جہنم

سے نجات ملتی ہے اور جنت ان کا ٹھکانہ بنتا ہے، ان سے بلائیں دور ہوتی ہیں اور شفائے کامل ملتی ہے، اذکار اور دعاؤں کے بہترین مجموعہ ''الوظیفۃ الکریمہ'' کی ترتیب کے وقت اس کی تمہید میں خود حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

''بارگاہ کرم مبدأ کرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور پرنور سیدنا اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں جو مبارک دعائیں ہمیں پہنچیں اور وہ اذکار واشغال کہ درمکنون کی طرح خاندان عالیہ میں مخزون ہے، برادران اہل سنت وخواجہ تاشان قادریت ورضویت کے لیے شائع کرتے اور دعوے سے کہتے ہیں کہ ان کا عامل دین ودنیا کی برکتوں سے مالا مال ہوگا۔ ہر بلا وآفت سے محفوظ رہے گا۔''

جس طرح حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ والرضوان نے دوسروں کو وظائف ومعمولات کے ذریعہ یاد الٰہی کرنے کی تلقین فرمائی، ٹھیک اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ خود ان پر عمل پیرا نظر آئے۔

''آپ صرف پنج وقتہ نماز باجماعت کے پابند نہ تھے، بلکہ ان کے علاوہ نوافل کے بھی پابند تھے، آپ کی زندگی کے لیل ونہار ملاحظہ فرمانے والے حضرات بیان کرتے ہیں کہ

''حضرت حجۃ الاسلام، عابد شب زندہ دار اور تہجد گزار بزرگ تھے اور اوراد ووظائف کے عامل تھے، آپ اپنے والد ماجد امام احمد رضا کی طرح دنیوی معاملات سے کنارہ کش رہتے، جائداد اور مالی امور اپنے فرزند اکبر مفسر اعظم مولانا محمد ابراہیم خاں جیلانی میاں کے سپرد کردیے تھے۔''

وصال شریف

حجۃ الاسلام کی علالت کا آغاز ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۹ء سے ہوگیا تھا، مگر علالت میں بھی عبادات کی ادائیگی اور معمولات زندگی میں فرق نہ آنے دیا، متعدد تبلیغی اسفار کیے، وصال پاک سے ایک سال پہلے ہی اپنی رحلت کے احوال وکوائف بیان فرمانے لگے تھے، یہ بھی ارشاد فرمایا:

www.muftiakhtarrazakhan.com

''وقت وصال میری زبان سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام اور ذکر میں مشغول ہوگی، روح قرب وصال کے چھلکتے ہوئے کیف وسرور کے جام سے محظوظ ہوگی۔''

چنانچہ ۱۷؍جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳؍مئی ۱۹۴۳ء کو ۷۰؍سال کی عمر پاکر نماز عشا کے دوران عین حالت قعود میں کلمات تشہد اور درود وسلام پڑھتے ہوئے رات کے دس بج کر ۴۵؍منٹ پر آپ کا وصال مبارک ہوا، یعنی ۱۷؍جمادی الاولیٰ کا دن گزار کر ۱۸؍کی شب کو وصال فرمایا، کسی نے کیا خوب کہا۔

جب تری یاد میں دنیا سے گیا ہے کوئی
جان لینے کو دلہن بن کے قضا آئی ہے

سوگواروں نے نمناک آنکھوں سے جنازہ اٹھایا، نماز جنازہ محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد علیہ الرحمہ نے پڑھائی، نماز جنازہ میں ہزاروں لوگ شریک ہوئے، لاشہ مبارک روضہ اعلیٰ حضرت میں مزار شریف سے متصل مغربی حصہ میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

اس نابغہ روزگار متبحر عالم ربانی کی وفات کو لوگوں نے ثانی اعلیٰ حضرت کی وفات سے تعبیر کیا، مولانا شاہ محمد ابراہیم فریدی نے آپ کی رحلت پر یہ فارسی قطعہ تاریخ کہا۔

شب ز مہ پنج ہیز دہم آمدہ
چو زفنائے مکاں رفتہ بدار بقا
کلک فریدی نوشت از پئے سال وصال
بیں جناں آمدہ مولوی حامد رضا

۱۳۶۲ھ

دیگر

سوئے زبزم جہاں رفت بہ بزم جناں
مفتی دین متیں مولوی حامد رضا
عابد شب زندہ دار صوفی وصافی منش
رہرو راہ سلوک صاحب رشد و ہدیٰ

www.muftiakhtarrazakhan.com

بر سر عرش ہدیٰ ماہ شرف ذات او
نجم صداقت پئے مطلع صدق وصفا
داغ فراق رضا باز بدل تازہ شد
وارث فضل رضا رفتہ بقرب رضا
مرگ گزیں عالمے مرگ جہاں ہم بود
ماتم او ماتم دہر بود برملا
غیر رضا بالقضا چارہ دل ہیچ نیست
شیوہ ایماں بود صبردم ابتلا
بسکہ بسر بردہ بود عمر بخیرالعمل
رحمت رب بہرہ اش ساختہ خیرالجزا
اسم محمد شدہ عہد ولادت نگر
۱۲۹۲ھ
سیزدہ صد شصت ودو دیدہ گزیدہ آں سرا
۱۳۶۲ھ

www.muftiakhtarrazakhan.com

مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی

علیہ الرحمۃ والرضوان

جب سے احقر نے آنکھ کھولی ہزاروں علما و مشائخ کے دیدار کی سعادت حاصل کی۔ ان میں اکثر و بیشتر علما کے نقوش ماضی کے دھندلکوں میں گم ہو گئے۔ بعض حضرات کی شکل وشباہت ذہن میں محفوظ ہے، مگر ان کی یاد کبھی کبھی آتی ہے اور غور و تامل کے بعد ان کی یادوں کے دریچے کھلتے ہیں، مگر کچھ ایسی مقدس ہستیاں ہیں، جن کے نورانی چہرے کے انداز، رفتار و گفتار، طرز نشست و برخاست پردہ ذہن پر اس طرح منقوش ہیں کہ ہر روز ہی عالم خیال میں ان کے صحیفۂ رخ کی زیارت ہوتی ہے یا بلفظ دیگر ان کی نورانی صورتیں نہاں خانۂ دل میں اس طرح محفوظ ہیں کہ

ع جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

انہیں عظیم ہستیوں میں تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ خصال علمی و روحانی ذات گرامی ہے۔

بندۂ احقر کو آپ کی زیارت کا موقع بچپن ہی سے حاصل ہوتا رہا، مگر مجھے قطعی طور پر یاد نہیں کہ پہلی بار حضور کی دست بوسی کا موقع کب میسر آیا؟ اسی طرح زیارتوں کی تعداد کا تعین بھی از بس دشوار ہے، مگر صغر سنی اور کم عمری کی وجہ سے حضرت کے قریب دیر تک بیٹھ کر علمی و روحانی گفتگو سننے کی سعادت حاصل نہ کر سکا، جس کا تادم مرگ افسوس رہے گا۔ تاہم آپ کی نورانی شکل وصورت اور مناظر ذہن کے پردہ پر اس طرح نقش ہو گئے ہیں، کہ جب بھی ذکر آتا ہے چشم خیال میں نورانی منظر پھر جاتا ہے اور تصور میں ماضی کے واقعات پوری تابانی کے ساتھ گردش کرنے لگتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گردش ایام نے ماضی کے کسی موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔

گھوسی کے پلیٹ فارم پر ارادت مندوں کا ہجوم ہے، لوگوں کی چشم شوق بار بار ریل گاڑی کی آمد کی سمت اٹھ رہی ہے، شدید انتظار کے بعد ٹرین آئی، لوگ اس ڈبے کی طرف بڑھے جس میں حضور تشریف فرما ہیں، نورانی چہرے پر نظر پڑتے ہی تکبیر و رسالت کے نعروں سے فضا گونج اٹھی، حضرت پلیٹ فارم پر تشریف لائے، ارادت مند ادب کے ساتھ آگے بڑھے، سلام و مصافحہ، دست بوسی و قدم بوسی کا سلسلہ شروع ہوا، پھر حضور ارادت مندوں کے جلوس میں اپنی فرودگاہ کی جانب روانہ ہوئے، پیچھے پیچھے عقیدت مندوں کا ہجوم ہے، جو بڑی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ رواں دواں ہے، قیام گاہ پر اہل عقیدت احترام و ارادت کے ساتھ مودب بیٹھے ہیں۔ ان میں علما بھی ہیں اور عوام بھی، بچے بوڑھے سبھی شامل ہیں۔ تاجدار اہل سنت مسند پر رونق افروز ہیں۔ چہرہ انور کے جلووں میں ساری بزم نہا رہی ہے اور لوگوں کی چشم اشتیاق جی بھر کر ان جلووں کو سمیٹ رہی ہے۔ حضور کی نگاہیں جھکی ہوئی ہیں، مگر لوگوں کے پاس ادب و احترام کا یہ حال ہے کہ نگاہیں ملا کر عرض و معروض کی جرأت نہیں ہوتی۔ خاموشی اور سکوت کا ایسا عالم کہ آنکھیں بند کر لی جائیں تو صرف لوگوں کے تنفس کا زیر و بم سنائی دے، مے خانہ قادریت کے جرعہ خوار اس طرح بیٹھے ہیں کہ سروں کو جنبش تک نہیں ہوتی، ایسا محسوس ہوتا ہے سروں پر پرندے بیٹھے جو ذرا سی حرکت سے اڑ جائیں گے۔

کوئی عقیدت مند غلامی میں داخل ہونے کے لیے حاضر ہوا، تہذیب و شائستگی کا مرقع بن کر حضور کے سامنے دوزانو بیٹھا ہوا ہے۔ سرکار اس کا ہاتھ اپنے مبارک ہاتھوں میں لے کر توبہ و استغفار کرا رہے ہیں، منکرات و منہیات سے بچنے کی تنبیہ فرما رہے ہیں، ایمان و اعتقاد اور مسلک اہل سنت و جماعت پر سختی کے ساتھ قائم رہنے کی ہدایت کر رہے ہیں، عمل صالح اور مکارم اخلاق کی تلقین فرما رہے ہیں۔ اس طرح سلسلہ قادریہ رضویہ نوریہ میں بیعت کے بعد دست دعا بلند ہوتا ہے۔ مرید اور جملہ حاضرین کے لیے دعائے خیر کی جا رہی ہے، ایمان کی سلامتی، عقیدے کی صحت، مریضوں کی شفا، تنگ دستوں کی خوش حالی اور اہل اسلام کی سربلندی کی دعا سید المرسلین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم اور محبوب سبحانی حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارگاہ قاضی الحاجات میں پیش کی جا رہی ہے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

اہل حاجت اپنی اپنی ضروریات پیش کررہے ہیں، کسی کے حق میں کلمات خیر اور دعا کی جارہی ہے، کسی کے لیے تعویذ لکھا جارہا ہے، مگر شور وہنگامہ نہیں، متانت وسنجیدگی کا ماحول ہے، سکوت ایسا کہ تعویذ لکھنے کے وقت صریر خامہ نوائے سروش بن کر فردوس گوش ہورہی ہے۔ ناچیز شاہراہ حیات کی ۷۲ رویں منزل میں قدم رکھ چکا ہے، مگر اب تک ایسی متین وسنجیدہ، پروقار اور باعظمت مجلس نگاہوں سے نہیں گزری۔ یہ سب کچھ تاجدار اہل سنت کی عظیم علمی وروحانی شخصیت کا اثر تھا۔ اس قدسی صفت برگزیدہ ہستی کے جلووں سے خانۂ دل منور اور چشم خیال روشن ہے۔

رخ زیبا کے جلووں سے دل تاریک روشن ہے
تری یادوں کے پھولوں سے مرا صحرا بھی گلشن ہے

ولادت

اسلام کے بطل جلیل، صبر واستقامت کی چٹان، علم وعمل کا پیکر جمیل، شریعت وطریقت کا سنگم، اخلاص وایثار کا مظہر، حق وصداقت کے منارۂ نور، مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی مصطفیٰ رضا خاں بریلوی بن امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ولادت ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۱۰ھ/ ۷ رجولائی ۱۸۹۳ء بروز جمعہ بوقت صبح صادق بریلی شریف میں ہوئی۔

آپ کا پیدائشی اصلی نام محمد ہے، اسی نام پر عقیقہ ہوا، غیبی نام آل الرحمٰن ہے، پیرومرشد نے آپ کا نام ابوالبرکات محی الدین تجویز فرمایا اور والد ماجد نے عرفی نام مصطفیٰ رضا رکھا، آپ کا تخلص نوری ہے۔ عرفی نام اس قدر مشہور ہوا کہ خاص وعام میں اسی نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

بشارت

امام احمد رضا اپنے مرشد حضرت سید آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت اور

www.muftiakhtarrazakhan.com

حضرت سید ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے مفتی اعظم ہند کی ولادت سے قبل مارہرہ شریف پہنچے، ۲۲؍ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ شب ولادت نصف رات تک امام احمد رضا اور سید ابوالحسین نوری کے درمیان علمی وروحانی مذاکرات رہے۔ پھر دونوں بزرگ اپنی قیام گاہوں میں آرام فرما ہوئے، خواب میں دونوں کو حضرت مفتی اعظم ہند کی ولادت کی نوید دی گئی، اور نومولود بچے کا نام آل الرحمٰن بتایا گیا، دونوں بزرگ بیدار ہوئے، تو ہر ایک نے دوسرے بزرگ کو مبارک باد دینے کا ارادہ کیا، فجر کی نماز کے لیے جب مسجد گئے تو مسجد کے دروازے ہی پر دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی اور ہر ایک نے دوسرے کو مبارک باد پیش کی، نماز فجر کے بعد حضور نوری میاں سے فرمایا، آپ نومولود بچے کے ولی ہیں، اجازت دیں، تو میں اسے داخل سلسلہ کردوں، اعلیٰ حضرت نے اجازت دی، نوری میاں نے مصلے ہی پر مفتی اعظم ہند کو غائبانہ داخل سلسلہ کرلیا اور اعلیٰ حضرت کو اپنا جبہ، عمامہ، عنایت کرتے ہوئے فرمایا، میری یہ امانت محفوظ رکھیں، بچہ جب اس کے لائق ہوجائے تو مرحمت فرمادیا جائے، خواب میں اس بچے کا نام آل الرحمٰن بتایا گیا ہے، لہذا نومولود بچے کا نام آل الرحمٰن رکھا جائے، مجھے بچے کے دیکھنے کی تمنا ہے، وہ بڑا فیروز بخت اور مبارک بچہ ہے، پہلی فرصت میں بریلی پہنچ کر اسے روحانی امانت تفویض کردوں گا۔

بیعت وخلافت

۶؍ماہ ۳؍دن عمر شریف ہوئی، ۲۵؍جمادی الثانی ۱۳۱۱ھ کو شیخ المشائخ ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی انگشت شہادت مفتی اعظم ہند کے دہن مبارک میں رکھی، آپ شیر مادر کی طرح انگشت مبارک چوسنے لگے، نوری میاں نے داخل سلسلہ فرمایا اور تمام سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمائی، پھر اسی مجلس میں ارشاد فرمایا:

''یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہنچے گا، یہ بچہ ولی ہے، اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ انسان دین حق پر قائم رہیں گے، یہ فیض کا دریا بہائے گا۔''

www.muftiakhtarrazakhan.com

بعدازاں بچے کوامام احمد رضا کی گود میں دیتے ہوئے فرمایا: ''مبارک ہو آپ کو! یہ قرآنی آیت ''واجعل لی وزیرا من اھلی '' کی تفسیر مقبول ہوکر آپ کی گود میں آ گئی ہے۔آل الرحمٰن محمدابوالبرکات محی الدین جیلانی مصطفیٰ رضا

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے بھی اپنے لخت جگر نور نظر کو جمیع اوراد واشغال، اوفاق واعمال اور جمیع سلاسل طریقت کی اجازت عطا فرمائی۔

تعلیم وتربیت

حضور مفتی اعظم ہند خانوادہ رضویہ کے چشم و چراغ تھے، مرشد برحق آپ کی عالمانہ شخصیت کی بشارت، بچپن ہی میں دے چکے تھے، چنانچہ جب نوشت وخواند کی عمر کو پہنچے، قرآن حکیم ناظرہ پڑھنے کے بعد اردو، فارسی اور عربی کی کتابیں پڑھنی شروع کیں۔ پھر مدرسہ اسلامیہ میں داخلہ لیا اور وہاں کے اساتذہ سے متوسطات تک درس لیا اور اعلیٰ حضرت سے درسیات کی تکمیل کی۔خداداد ذہانت، ذوق مطالعہ، لگن اور اعلیٰ حضرت کی کامل توجہ سے معقولات ومنقولات کے جملہ علوم وفنون پر عبور حاصل کر کے مرکز علم وفن دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف سے ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں سند فراغت حاصل کی، اس وقت آپ کی عمر ۱۸ رسال تھی۔

مفتی اعظم ہند نے علوم اسلامی کی اکثر و بیشتر تحصیل اپنے والد گرامی امام احمد رضا سے کی، ان کے علاوہ آپ کے چند مقتدر اساتذہ یہ ہیں:

حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں، علامہ شاہ رحم الٰہی منگلوری، علامہ سید بشیر احمد علی گڑھی، علامہ ظہور الحسن فاروقی رام پوری۔

حضور مفتی اعظم ہند نے مندرجہ ذیل علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔

تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، فرائض، جدل، عقائد، کلام، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، منطق، مناظرہ، فلسفہ، تکسیر، ہیئت، حساب، ہندسہ، قرأت، تجوید، تصوف، سلوک، اخلاق، اسماء الرجال، سیر، تاریخ، لغت، ادب، عروض وقوافی، توقیت، اوفاق، علم الاعداد، جفر۔

تدریس

فراغت کے بعد مرکزی دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف میں مسند تدریس کو رونق بخشی، دارالافتا کی مصروفیات کے باوجود طلبہ کو درس دیا کرتے، حضور مفتی اعظم ہند کا دائرہ تدریس محض درسی کتب تک محدود نہ تھا، بلکہ تدریس وتربیت افتا میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔آپ کی درسگاہ فیض سے جہاں سیکڑوں مقتدر علما نے فیض پایا، وہیں سیکڑوں باکمال مفتی بھی پیدا ہوئے، مفتی مطیع الرحمٰن مضطر صاحب مفتی اعظم ہند کی تدریس افتا کی خصوصیات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

حضور مفتی اعظم ہند درس افتا میں اس کا التزام فرماتے تھے کہ محض نفس حکم سے واقفیت نہ ہو بلکہ اس کے مالہ اور ماعلیہ کے تمام نشیب وفراز ذہن نشیں ہوجائیں، پہلے آیات واحادیث سے استدلال کرتے، پھر اصول فقہ وحدیث سے اس کی تائید دکھاتے اور قواعد کلیہ کی روشنی میں اس کا جائزہ لے کر کتب فقہ سے جزئیات پیش فرماتے۔پھر مزید اطمینان کے لیے فتاوی رضویہ یا امام احمد رضا کا ارشاد نقل فرماتے، اگر مسئلہ میں اختلاف ہوتا، تو قول راجح کی تعیین دلائل سے کرتے اور اصول افتا کی روشنی میں ماعلیہ الفتوی کی نشاندہی کرتے، پھر فتاوی رضویہ یا امام احمد رضا کے ارشاد سے اس کی تائید پیش فرماتے، مگر عموماً یہ سب زبانی ہوتا، عام طور سے جواب بہت مختصر اور سادہ لکھنے کی تاکید فرماتے، ہاں! کسی عالم کا بھیجا ہوا استفتا ہوتا اور وہ تفصیلات کا خواستگار ہوتا تو جواب میں وہی رنگ اختیار کرنے کی بات ارشاد فرماتے۔(جہان مفتی اعظم ص ۱۱۲)

حضور مفتی اعظم ہند طلبہ پر بہت مشفق ومہربان تھے، بعض طلبہ کی مالی کفالت بھی فرماتے، دوران درس طلبہ کے اعتراضات کا مدلل جواب عنایت فرماتے، خوشی کے موقع پر طلبہ کی عمدہ کھانوں سے ضیافت فرماتے، بہت سے طلبہ دونوں وقت حضرت کے گھر پر کھانا کھاتے اور آپ کے علمی وروحانی فیضان سے مستفیض ہوتے۔مولانا سید مظہر ربانی رقم طراز ہیں:

''طلبہ کی توقیر، طلبہ سے شفقت ومحبت جو آج کل بڑی بڑی ہستیوں میں مفقود ہوتی جارہی ہے (حضرت مفتی اعظم) کا طرہ امتیاز تھا۔ (جہان مفتی اعظم ص ۱۱۳)

تلامذہ

حضور مفتی اعظم ہند کی تعلیم وتربیت سے بہرہ مند ہونے والے علما ومفتیان کرام کی ایک بہت بڑی جماعت ہے، جو اندرون ملک وبیرون ملک علم کی اشاعت، دین کی تبلیغ اور فرائض افتا بخوبی انجام دے رہی ہے، ان میں محقق، مفتی، مناظر، مبلغ، ہر وصف سے متصف علما پائے جاتے ہیں، ان کے اندر حضور مفتی اعظم ہند کی سیرت وکردار، علم کی پختگی اور قول وفعل کی یکسانیت وہم آہنگی کا اثر موجود ہے۔

آپ کے تلامذہ اور مستفیضین کا باقاعدہ ریکارڈ نہیں رکھا گیا، ورنہ ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوجاتی، کچھ اہم شاگردوں کے نام درج کیے جاتے ہیں:

(۱) مولانا سردار احمد رضوی محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ (۲) مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ (۳) مولانا تحسین رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ (۴) مولانا مبین الدین امروہوی رحمۃ اللہ علیہ (۵) مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ (۶) مولانا محمد ریحان رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ (۷) مفتی اختر رضا خاں ازہری رحمۃ اللہ علیہ (۸) محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی (۹) مولانا اعجاز ولی خاں رحمۃ اللہ علیہ (۱۰) مولانا غلام جیلانی گھوسوی علیہ الرحمہ (۱۱) مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ (۱۲) مولانا بدرالدین گورکھپوری علیہ الرحمہ (۱۳) قاضی عبدالرحیم بستوی علیہ الرحمہ (۱۴) مفتی مطیع الرحمٰن رضوی (۱۵) سید شاہد علی رام پوری علیہ الرحمہ

مسند افتا

حضور مفتی اعظم ہند عمر کی اٹھارویں منزل میں پہنچے، تو ایک دن رضوی دارالافتا میں حاضر ہوئے، وہاں رضاعت کے متعلق سب سے پہلا فتوی لکھا، سائل وہ فتوی لے کر امام

www.muftiakhtarrazakhan.com

احمد رضا کی بارگاہ میں پہنچا، تو اعلیٰ حضرت نے خط پہچان لیا اور بہت مسرور ہوئے، فرزند ارجمند کو بلا کر فرمایا، اس فتوی پر دستخط کرو پھر اعلیٰ حضرت نے اس پر **صح الجواب بعون العزیز الوھاب** لکھ کر اپنا دستخط ثبت فرمایا۔

فتوی نویسی کے حسن آغاز پر امام احمد رضا نے اپنے صاحب زادے کو بطور انعام پانچ روپے عطا فرما کر ارشاد فرمایا ''تمہاری مہر بنوا دیتا ہوں، اب فتوی لکھا کرو، اپنا ایک رجسٹر بنالو، اس میں نقل بھی کیا کرو۔''

مہر پر یہ نام تھا ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن عرف محمد مصطفیٰ رضا'' یہ مہر مفتی اعظم ہند کے دینی شعور اور فقہی بصیرت کی سند تھی، یہ عجیب اتفاق ہے کہ امام احمد رضا نے پہلا فتوی رضاعت سے متعلق لکھا اور ان کے آئینہ جمال وکمال مفتی اعظم نے بھی پہلا مسئلہ رضاعت کا لکھا۔

امام احمد رضا کو اپنے بیٹے مفتی اعظم کی فقاہت وثقاہت پر اس نوعیت کا اعتماد تھا، کہ اپنے بعض فتوی پر ان کے تائیدی دستخط کرواتے تھے۔

رجب ۱۳۳۹ھ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے متحدہ ہندوستان کے لیے دارالقضا شرعی قائم فرمایا اور بعض علمائے کرام کی موجودگی میں حضرت صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رضوی کو پورے متحدہ ہندوستان کے لیے قاضی شرع بنایا اور حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا نوری، حضرت مفتی برہان الحق جبل پوری علیہما الرحمہ کو دارالقضا کے مفتی اور معین القاضی کی حیثیت سے مامور فرمایا اور یہ بھی ظاہر کر دیا، کہ ''اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اختیار مجھے عطا فرمایا ہے، اس کی بنا پر یہ تقرر عمل میں آیا ہے۔''

(جہان مفتی اعظم ص ۱۲۶)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد رضوی دارالافتا کے دو اہم رکن حضور صدرالشریعہ اور حضور مفتی اعظم ہند تھے، جو ملک اور بیرون ملک سے آئے ہوئے، استفسارات کے مدلل جوابات تحریر فرمایا کرتے، جب حضرت صدرالشریعہ اجمیر شریف تشریف لے گئے، تو دارالافتا کی ساری ذمہ داریاں حضور مفتی اعظم ہند کے سر آ گئیں،

جنہیں آپ بحسن وخوبی انجام دیتے، آپ کی ذات سے رضوی دارالافتا کا وقار اور عظمت عہد اعلیٰ حضرت کی طرح قائم رہی، علما وفقہا آپ کی علمی جلالت اور فقہی بصیرت سے روشناس ہوئے۔ ۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۷ھ مطابق اگست ۱۹۲۸ء کو عرس رضوی کے موقع پر ہندوستان کے گوشے گوشے سے آنے والے سیکڑوں جلیل القدر مشائخ، علما وفقہا کی موجودگی میں حضرت علامہ مفتی مصطفیٰ رضا خاں کو صدر العلما اور مفتی اعظم کے لقب سے یاد کیا گیا۔

حضور مفتی اعظم کی ذات صرف ہندوستان ہی نہیں، بلکہ دیگر ممالک کے علما کا مرجع فتوی تھی، جب حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے، تو علمائے حجاز، مصر، شام اور ترکی وغیرہ کے علما نے آپ سے مسائل دریافت کیے، علاوہ ازیں آپ کے پاس عرب، افریقہ، ماریشش، امریکہ، انگلینڈ، پاکستان اور بنگلہ دیش سے استفتا آئے اور آپ نے ان کے جوابات تحریر فرمائے۔ حضور مفتی اعظم ہند نے حکومت کے دباؤ اور وقت کی مصلحتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے، اپنے فتووں میں قرآن وسنت اور مجتہدین احناف کے اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے، صحیح حکم شرع بیان کیا، اس سلسلے میں نہ دبے نہ جھکے۔

مسئلہ مسجد شہید گنج لاہور

۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں سکھوں نے انگریز حکام کی پشت پناہی میں مسجد شہید گنج لاہور کو مسمار کر دیا اور دعوی کیا، کہ یہ عمارت اور جگہ گرودوارہ کی ہے، مسلمانوں نے اس پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے، مسجد کے انہدام پر برصغیر کے مسلمان تڑپ اٹھے، مسجد کی واگزاری کے لیے جلسے، جلوسوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، بدقسمتی سے مجلس احرار نے مسلمانوں کی اجتماعی مساعی میں نہ صرف عدم شرکت کی بلکہ اس خالص اسلامی تحریک کی مخالفت کی اور یہ پروپیگنڈہ کیا کہ اس تحریک میں حصہ لینا جائز نہیں۔ جو مسلمان اس تحریک میں جان کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں، ان کی موت، حرام موت ہے، وہ شہید نہیں، اس سلسلے میں حضور مفتی اعظم ہند سے استفسار کیا گیا، جس کے جواب میں آپ نے مومنانہ جرأت کے ساتھ جواب تحریر فرمایا۔ مسلمانوں

پر فرض ہے کہ اس تحریک میں حصہ لے کر مسجد کو سکھوں سے آزاد کرائیں اور جو لوگ اس تحریک میں جان کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں وہ شہید ہیں۔

نس بندی کا مسئلہ

۱۳۹۶ھ/ ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۶ء/۱۹۷۷ء کا زمانہ اسلامیان ہند کے لیے ایک بھیانک طوفان کا دور تھا، حکومت نے نس بندی کا ہنگامہ بڑے زور وشور سے اٹھا رکھا تھا اور جبراً نس بندی نافذ کر دی تھی، مصلحت اندیش مفتیوں اور مولویوں نے نس بندی کے جواز کا فتوی دے دیا تھا، ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے ان فتووں کی خوب تشہیر کی گئی، ہندوستان کا مسلمان اب ایسے نازک موڑ پر آ چکا تھا، جہاں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی چھائی ہوئی تھی، پوری قوم ایک ایسے میر کارواں کی تلاش میں تھی، جو انہیں سہارا دے اور ایمان واعتقاد کی اجڑی ہوئی کھیتی کو لالہ زار بنا دے، اس حال میں پاسبان ناموس رسالت ملت اسلامیہ کے عظیم مجاہد، اہل سنت کے تاجدار حضرت مفتی اعظم ہند اپنے علمی وروحانی وقار سے جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنے کھڑے ہوئے، آپ نے بے باکی اور حق گوئی سے کام لیتے ہوئے فتوی جاری کیا:

''نس بندی حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے۔''

چوں کہ ذرائع ابلاغ پر حکومت کے آہنی پنجوں کا مضبوط قبضہ تھا، ان کو اشاعت کا ذریعہ بنانا ممکن نہ تھا، آپ نے حکومت کے خلاف فتوی عدم جواز نس بندی کو سائیکو اسٹائل کرا کے ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا، اندیشہ سود وزیاں سے بے نیاز ہو کر حضرت مفتی اعظم ہند کا جرأت مندانہ اقدام دین مصطفیٰ کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا اور حکام آپ کے فتوی کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئے۔

حضور مفتی اعظم ہند کے فتووں کا مجموعہ فتاوی مفتی اعظم ہند سات ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، آپ کے فتاوے فقہی بصیرت، وسعت نظر، تحقیق وتدقیق اور اعلان حق وصداقت کا مظہر اتم ہیں۔

تنظیمی وتبلیغی سرگرمیاں

حضور مفتی اعظم ہند متبحر عالم، عظیم القدر مفتی اور عظیم الشان روحانی پیشوا ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست تنظیمی قوت، تحریکی شعور رکھتے تھے، دین حق کی اشاعت کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہتے۔

سیدنا امام احمد رضا نے جماعتی نظم، تبلیغ دین اور اشاعت حق کے لیے ۱۳۳۹ھ میں کل ہند رضائے مصطفیٰ قائم کیا، اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں اور مفتی اعظم ہند نے اس تنظیم کی تجدید وتوسیع کی اور اس کے پلیٹ فارم سے وفود تیار کیے گئے، جنہوں نے غیر اسلامی نظریات اور متحدہ قومیت کے ہیجانی دور میں اسلامی تشخص کو بحال رکھنے کے لیے ملک کے گوشے گوشے میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔

ابتدا میں جماعت رضائے مصطفیٰ کی حیثیت مقامی تنظیم کی تھی، جس کے دو بڑے علمی وعملی شعبے تھے، جن پر جمعیت نے تاریخ ساز کردار ادا کیا، رفتہ رفتہ اس کی شاخیں پورے ہندوستان میں پھیل گئیں۔ ۱۳۸۳ھ مطابق ۳/اکتوبر ۱۹۶۳ء کو جبل پور (ایم پی) میں برہان ملت علیہ الرحمہ کے آستانے پر حضور مفتی اعظم ہند کی سرپرستی میں جماعت رضائے مصطفیٰ کا عظیم اجلاس منعقد ہوا، جس میں کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کے دائرہ عمل کو پورے ہندوستان تک پھیلا دیا گیا اور اس کی تجدید نو کی گئی اور اغراض ومقاصد میں اضافہ کیا گیا۔

شدھی تحریک

۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء میں شدھی سنگٹھن کے پلیٹ فارم سے سادہ لوح مسلمانوں کو مرتد بنانا شروع کیا گیا، علمائے اہل سنت نے اس اقدام کے خلاف عملی جدوجہد کی، آریوں سے مناظرے کیے اور شدھی تحریک کے مراکز پر جا کر مسلمانوں کی حفاظت کی اور دین سے منحرف ہونے والوں کو صراط مستقیم پر گامزن کیا، اس سلسلے میں حضور مفتی اعظم ہند کا نام سرفہرست ہے، آپ کی کوششوں سے ہزاروں مسلمان مرتد ہونے سے باز رہے اور بے شمار ہندوؤں نے

www.muftiakhtarrazakhan.com

اسلام قبول کیا۔

☆ حرمین شریفین پر نجدی تسلط عالم اسلام کا ایک دردناک واقعہ ہے، نجدیوں نے مسلمانوں کو قتل کیا، لوٹا، جنت البقیع، جنت المعلیٰ اور دیگر مقامات پر واقع صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے مقابر منہدم کر ڈالے، سعودی حکومت کو ان مظالم سے باز رکھنے کے لیے ہندوستان سے ایک وفد حجاز بھیجا گیا، جس کے اخراجات کے لیے حضور مفتی اعظم ہند نے اپنی جیب خاص سے پانچ سو روپے پیش کیے۔

☆ ۱۹۲۹ء میں برطانوی حکومت ہند نے شرعی امور میں مداخلت کی، جسے کوئی مسلمان ہرگز برداشت نہیں کرسکتا، چنانچہ جماعت رضائے مصطفیٰ کے زیر اہتمام بریلی شریف میں ایک احتجاجی جلسہ مفتی اعظم ہند کی سرپرستی میں ۲۰ ستمبر ۱۹۲۹ء کو منعقد ہوا، اس اجلاس میں حکومت کے ''شاردا بل'' کے متعلق ایک ریزویشن پاس کیا گیا۔

یہ جلسہ حکومت ہند کو توجہ دلاتا ہے، کہ وہ مسئلہ ازدواج میں تقیید عمر سے باز رہے اور وہ اس وعدے کو یاد کرے جو کسی مذہب میں مداخلت نہ کرنے کے متعلق کر چکی ہے، نکاح یا زفاف کے لیے قانوناً کوئی عمر مقرر کرنے کا اسے کسی طرح کوئی حق ہے؟ ایسے قوانین ضرور ہماری مذہبی و دینی آزادی سلب کرنے والے ہیں، مسلمان ایسے قوانین کو جابرانہ اور قانون شرع میں ترمیم پر یقین کر رہے ہیں اور اس سے دین دار مسلمانوں کی انتہائی دل آزاری ہو رہی ہے۔

☆ ۴/اگست ۱۹۲۸ء کو جماعت رضائے مصطفیٰ کے زیر اہتمام ایک احتجاجی جلسہ منعقد ہوا، جس میں ''اخبار ہندو'' کی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی جس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے، چنانچہ ''اخبار ہندو'' اور اس کے ایڈیٹر سے متعلق ریزرویشن پاس کیے گئے۔

(۱) مسلمانان بریلی کا یہ جلسہ ''اخبار ہندو'' کے اس طرز عمل کو نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتا ہے، جو اس نے اپنے حالیہ اشاعتوں میں پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی اور کعبہ کی شان میں افترا پردازی کر کے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا۔

(۲) یہ جلسہ گورنمنٹ سے استدعا کرتا ہے کہ ایسے خلاف تہذیب، دل آزار، مخرب اخلاق، مذہب وپیشوایان مذہب کی توہین کرنے والے تمام پرچے ضبط کرے اور اس کے ایڈیٹر، پبلیشر کو دردناک سزائیں دے۔

(۳) ۱۹۲۷ء میں آریہ سماجیوں کی طرف سے ''رنگیلا رسول'' نامی بدنام زمانہ کتاب منظر عام پر آئی، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخیاں کی گئی تھیں، اس سے مسلمانوں کے دلوں کو سخت صدمہ پہنچا، اس کتاب کے خلاف ۲۴/جون ۱۹۲۷ء کو جماعت رضائے مصطفیٰ کی طرف سے احتجاجی اجلاس منعقد ہوا، جس میں اس بدنام زمانہ کتاب اور اس کے خلاف احتجاج کرنے والے مسلمانوں کو جو سزائیں دی گئیں، ان کی مذمت کی گئی اور حکومت سے اس سلسلے میں حق وانصاف کا مطالبہ کیا گیا۔

حضور مفتی اعظم ہند پورے ہندوستان کے ہر خطے میں تبلیغ دین، اشاعت حق اور لوگوں کی روحانیت بیدار کرنے کے لیے سفر فرمایا کرتے اور مسلمانوں کے اعتقاد وعمل کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتے۔

عظمت کردار

دنیا وآخرت کی صلاح وفلاح کا دارومدار اطاعت واتباع رسول پر ہے، اس کے بغیر کوئی مسلمان کامیابی وکامرانی کی منزل تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔

اللہ والوں کی مقدس ہستیاں اخلاق نبوی کا نمونہ ہوا کرتی ہیں، ان نفوس قدسیہ کا ہر قول وعمل سنت نبوی کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہوتا ہے اور ان کا یہ طرز حیات انہیں عظمت کردار کے ذروہ کمال تک پہنچا دیتا ہے اور ان کی روحانی شخصیت لوگوں کی عقیدتوں کا مرکز بن جاتی ہے، حضور مفتی اعظم ہند، علم وفضل کے بلند مینار اور کردار وعمل کے غازی تھے، آپ کی زبان مبارک سے اقوال رسول کے موتی جھڑتے اور کردار وعمل سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی تجلیاں ظاہر ہوتیں۔ آپ تعلیمات نبوی کے سچے امین اور اسوۂ رسول کی منہ بولتی تصویر تھے، آپ ہرگز اس مکان میں قدم نہ رکھتے، جس کے اندر کسی جاندار کی تصویر

ہوتی، محرمات پر نگاہ ڈالنا تو بہت دور کی بات ہے:

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم.

اس آیت کریمہ میں بندوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی دعا تعلیم فرمائی گئی اور آگے وضاحت کی گئی کہ صراط مستقیم پر چلنے والے رب کریم کے انعام یافتہ ہیں، یہ وہ انعام ہے جس سے انبیائے کرام، صدیقین، شہدا اور صالحین سرفراز فرمائے گئے۔

حضور مفتی اعظم ہند پر رب کریم کی بے کراں نعمتیں تھیں اور وہ مورد انعام باری تعالیٰ تھے۔ والد گرامی مجدد اعظم، فقیہ عصر اور تاجدار روحانیت تھے، جنہیں عرفا غوث اعظم کی روشن کرامت، رسول اعظم کا عظیم معجزہ اور قادر مطلق کی قدرت کاملہ سے تعبیر کرتے تھے اور بردار ذی وقار حسن صورت و جمال سیرت اور کمال علم و فضل کا پیکر نورانی تھے، دنیا جنہیں حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کرتی، ان کے مرشد شیخ الشیوخ، نور الانوار، سید السادات، آیت ربانی، سر الٰہی اور شاہ برکات کی روحانیت کے امین تھے، جنھوں نے مفتی اعظم کی شخصیت کو پیکر نور عرفان بنا دیا۔ یہ تو نسبتیں تھیں، خود حضور مفتی اعظم ہند کی شخصیت ہمہ گیر علمی و روحانی پہلوؤں کی امین تھی، آپ علم و دانش کی ہر انجمن کے صدر نشیں تھے۔

تقوی وطہارت، زہد وقناعت، شرافت وکرامت، مجاہدہ وریاضت، اصابت، استقامت، ذکاوت وفراست کی وہ کون سی شاہراہ ہے جہاں آپ کے نقوش قدم نہیں ملتے۔ حضور مفتی اعظم ہند کی سب سے بڑی کرامت ہر حال میں شاہراہ دین وشریعت پر آپ کی استقامت ہے، آپ اسلام کے بطل جلیل اور استقامت کی مضبوط چٹان تھے کہ طوفان حوادث جس سے سر ٹکرا کر اپنا رخ بدلنے پر مجبور ہوئے اور اسے جنبش نہ دے سکے، آپ کی شخصیت بلاشبہ مطاع ومقتدا تھی، جس کا اعتراف عام لوگوں نے نہیں بلکہ وقت کے جلیل القدر علما وفضلا نے کیا۔ سید المتکلمین، سند المحققین، علامہ سید محمد کچھوچھوی محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے مفتی اعظم ہند کے ایک فتوے کی تصدیق میں یہ جملہ تحریر فرمایا ''**ھذا حکم العالم المطاع وماعلینا الا البلاغ**'' (یہ ایک عالم مطاع کا حکم ہے اور ہمارے لیے اتباع کے سوا کوئی چارہ کار نہیں) اس کلام کی عظمت متکلم کی عظمت سے پہچانی جاتی ہے،

www.muftiakhtarrazakhan.com

اس کے اندر حضور مفتی اعظم ہند کے تفقہ، علمی بصیرت اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی روشن سند ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

رب کائنات کا ارشاد ہے:

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر.

تم لوگ بہترین امت ہو جو انسانوں کے لیے بنائی گئی ہیں تا کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دو اور برائیوں سے روکو۔

یہ حکم داعیان حق کے لیے دعوت وتبلیغ کا ایک مستحکم اصول ہے، اعلائے حق کا فریضہ اوامر کا نفاذ، منکرات سے نہی، امت مسلمہ کے لیے فرض کفایہ ہے، جو عہد صحابہ سے لے کر صبح قیامت تک علمائے حق کی اہم دینی، ذمہ داری ہے۔ مناہی ومنکرات سے لوگوں کو باز رکھنے کی تاکید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی:

من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه وان لم یستطع فبقلبه ذالک اضعف الایمان.

تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے، اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کی برائی بیان کرے اور اگر کوئی اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا تو دل میں اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی میں ممتاز زمانہ تھے، پوری زندگی لوگوں کو اللہ اور رسول کے احکام کی دعوت دی اور جہاں کہیں کوئی برائی یا غلط بات دیکھی، اس کی سختی کے ساتھ نہی فرمائی، سفر ہو یا حضر کہیں کسی سے کوئی خلاف شرع بات دیکھتے تو نکیر فرماتے، اس سلسلے میں مصلحت کی بنا پر خاموش نہ رہتے، آپ کی مجلس میں تعویذ لینے والوں کی بھیڑ ہوتی، جن میں خواتین کی کثرت ہوا کرتی، لیکن کیا مجال کسی عورت کا چہرہ تو درکنار ہاتھ بھی بے حجاب ہو جائے، اگر بے خبری میں کسی عورت کا ہاتھ بے پردہ ہو جاتا

توسختی کے ساتھ ڈانٹتے۔

ایک مرتبہ دو اپٹوڈیٹ مسلمان خواتین ساڑی میں ملبوس بے پردہ تعویذ کے لیے حضرت کی خدمت میں پہنچیں، آپ کی نگاہ ان پر پڑی تو چہرہ پھیر لیا اور دیر تک ان کی فہمائش کرتے رہے، آپ نے فرمایا، نہ اللہ ورسول کے حکم کا خوف نہ اپنے طرز معاشرت کی پرواہ ، نہ انجام کا خیال، اتنی دور سے عورتیں تنہا چلی آئیں، ساتھ میں کوئی محرم نہیں، اس پر ظلم یہ کہ بے پردہ، مزید ستم یہ کہ لباس بھی مسلمانوں کا نہیں، کسی حادثہ میں مرجائیں تو کیسے معلوم ہو کہ یہ مسلمان ہیں، نہ جنازہ ہوگا، نہ مٹی، یوں ہی پھونک دی جائیں گی، یہ سب وبال اللہ اور رسول کے خلاف ورزی کا ہے، وہ عورتیں بے حد شرمندہ ہوئیں۔

مقررین جوش بیان اور نکتہ آفرینی کے زعم میں بہت سی غیر محتاط باتیں اور غیر شرعی باتیں بول جاتے ہیں، حضور مفتی اعظم ہند اسٹیج پر ہوتے تو مقررین کی ان باتوں پر نکیر فرماتے اور ان سے توبہ کراتے۔

حضور بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی رحمۃ اللہ علیہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مغربی یوپی کے کسی علاقے میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا ''بدنصیب مسلمان آج کل رات میں بارہ بجے تک سنیما دیکھتے ہیں اور دن میں بارہ بجے تک سوتے ہیں'' حضور مفتی اعظم ہند اسٹیج پر تشریف فرما تھے، میری طرف مخاطب ہو کر بلند آواز سے فرمایا، ''مولانا! میں اس کو مان نہیں سکتا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بدنصیب ہو، آپ اس کو بد نصیب نہ کہیے، کچھ اور کہہ لیجیے، حق ہے کہ جس امت کے نگہبان رسول عربی ہوں وہ بدقسمت کیسے ہوسکتی ہے؟۔''

بارگاہ مفتی اعظم ہند میں شرعی، اخلاقی یا لسانی لغزش ہو سب پر پوری داروگیر ہوتی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کیا جاتا۔

حضور مفتی اعظم ہند نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بڑی شان کے ساتھ انجام دیا اور شاہراہ حق کو روشن وتابناک بنا دیا۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

غیرت ایمانی اور جرأت حق

مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ غیرت ایمانی اور جرأت حق کا پیکر تھے، دین کے خلاف جو بھی آواز اٹھی، اس کو دبانے کی بھرپور کوشش کی اور جہاں کہیں اسلام کی شان وشوکت کو خطرہ لاحق ہوا، بڑھ کر عظمت اسلام کے پرچم کو ہاتھوں میں لے لیا، اس سلسلے میں اپنی جان ومال کی ہرگز پروانہ کی۔ ۱۹۲۰ء کے بعد ہندوستان میں انتہا پسند ہندوؤں نے شدھی سنگٹھن قائم کیا اور سیدھے سادے مسلمانوں کو راہ حق سے پھیرنے کی جدوجہد شروع کردی، جس کے اثر سے کچھ مسلمان مرتد بھی ہوگئے اور کچھ تشکیک وتذبذب کا شکار، اس تحریک کا مرکز آگرہ کے مضافات اور راجپوتانہ کے بعض خطے تھے، جہاں روز وشب مسلمانوں کو بے دین بنانے کی مہم جاری تھی، حضور مفتی اعظم ہند کی غیرت ایمانی بیدار ہوئی اور یکہ وتنہا چند معاونین کو لے کر اس طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے نکل پڑے، آپ نے آگرہ کو مرکز بنایا اور دیہاتوں کا پیدل دورہ شروع کردیا، شدھی سنگٹھن کے لیڈر کا تعاقب کرتے رہے اور اس کے مضر اثرات سے مسلمانوں کو بچاتے رہے، آپ کو اطلاع ملی، کہ آگرہ سے بیس میل کے فاصلے پر شدھی لیڈر کا پاؤں جم گیا ہے اور وہاں کے کچھ مسلمان لالچ اور خوف کی وجہ مرتد ہونے کے لیے آمادہ ہیں۔ آپ حضرت شیر بیشہ اہل سنت اور ایک دوسرے رفیق کو ساتھ لے کر آگرہ سے روانہ ہوئے، کچھ دور ریل سے سفر کیا، پھر پانچ میل پاپیادہ چل کر اس گاؤں میں پہنچے، دیکھا کہ ایک مجمع اکٹھا ہے، آگ جل رہی ہے، گانا دھوم سے ہو رہا ہے، حلوائی کڑھائیوں میں پوریاں چھان رہے ہیں اور کئی نائی استرا وقینچی لیے بیٹھے ہیں، ایک تخت پر شدھی سنگٹھن کا لیڈر بیٹھا ہوا ہے، معلوم ہوا، کہ یہ مجمع ان سب مسلمانوں کا ہے، جو مرتد ہونے پر راضی ہیں اور انہیں ہندو بنانے کے لیے یہ جشن ہو رہا ہے، حضور مفتی اعظم ہند جرأت ایمانی اور غیرت حق کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو لیے ہوئے تخت کے پاس پہنچ گئے اور شدھی سنگٹھن کے لیڈر سے کہا، آؤ مناظرہ کرلیں، لیکن اس نے انکار کیا اور کہا کہ یہ لوگ ہندو ہونے پر راضی ہیں، اب مناظرے کی ضرورت نہیں، اس پر شیر بیشہ اہل سنت نے اسلام کی صداقت اور بت پرستی کی

مذمت میں تقریر کی، مگر مجمع پر اثر نہ ہوا، حضور مفتی اعظم کی غیرت ایمانی کو جوش آیا، شیر بیشہ اہل سنت سے فرمایا، مجمع والوں سے کہو، کہ یہ پنڈت مناظرہ کے لیے آمادہ نہیں اور تم لوگ میری بات نہیں مانتے تو اس پنڈت سے کہو، کہ میرے ساتھ اس جلائی ہوئی آگ میں کود ے، جو آگ سے بچ کر نکل آئے، تم لوگ اس کا دین قبول کرلو، حضرت شیر بیشہ اہل سنت نے باآواز بلند یہ پیغام لوگوں تک پہنچادیا، پھر مفتی اعظم ہند مومنانہ جرأت و بے باکی کے ساتھ تخت پر چڑھ گئے اور لیڈر کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، چل! ہم دونوں آگ میں کودیں! ہیبت حق سے وہ مردود کانپنے لگا اور مبہوت ہوکر رہ گیا، حضور مفتی اعظم ہند اسے کھینچتے رہے، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا، کچھ دیر تک یہی ہوتا رہا، یہ منظر دیکھ کر گانے والے گانا بھول گئے، حلوائیوں نے پوریاں چھاننی چھوڑ دیں، سارا مجمع ساکت وجامد ہوکر دیکھتا رہا، تھوڑی دیر بعد مجمع کے اندر سے کچھ سربرآوردہ لوگ حضرت کے پاس آئے اور کہا، مولوی جی! اسے چھوڑ دو، ہمیں سمجھ میں آگیا کہ تمہارا دین حق اور اس کا دھرم باطل ہے، ورنہ یہ آگ میں جانے سے نہ ڈرتا، پھر تمام حاضرین نے مفتی اعظم ہند کے ہاتھ پر توبہ کی، کلمہ پڑھا اور سچے پکے مسلمان بن گئے۔

خدمت خلق

عمدہ انسانی سماج کی تشکیل باہمی امداد واعانت اور خیر خواہی کے بنیادی اصولوں پر ہی ہوسکتی ہے، جو معاشرہ کمزوروں کی حمایت، لاچاروں کی اعانت اور غمزدوں کی غم گساری کے جذبات سے خالی ہو تو وہ ترقی وخوش حالی کے مدارج طے کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنے اجتماعی ومعاشرتی تصورات میں ہر فرزند توحید کو باہمی امداد واعانت اور غم گساری ومودت کی موثر تعلیم دی ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

من کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته ومن فرج عن مسلم کربة فرج الله عنه کربة من کربات یوم القیامة .(بخاری شریف حدیث ۲۴۴۲، کتاب المظالم دارالکتاب العربی بیروت)

جوشخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا اور جوشخص کسی مسلمان کی مصیبت دور کرے گا تو خدا اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کرے گا۔

من نفس عن مسلم کربة من کرب الدنیا نفس الله عنه کربة من کرب یوم القیامة ومن یسر علی معسر یسر الله علیه فی الدنیا والآخرة ومن ستر مسلما ستره الله فی الدنیا والآخرة والله فی عون العبد ماکان العبد فی عون اخیه. (ترمذی شریف حدیث ۱۹۳۰ کتاب الحدود دارالکتاب العربی بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جوکسی مسلمان کی کوئی دنیوی تکلیف اور پریشانی دور کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی تکلیف اور پریشانی سے اسے نجات دے گا اور جوکسی تنگ دست پر آسانی کرے گا، (اسی طرح جوقرض خواہ اپنے تنگ دست مقروض کو اپنے قرض کی وصولی کے سلسلہ میں سہولت دے گا تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں سہولت دے گا) اور جوکسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور جوکوئی بندہ جب تک اپنے کسی بھائی کی امداد واعانت کرتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا رہے گا۔

خیر الناس من ینفع الناس.

سب سے اچھا وہ ہے جولوگوں کو نفع پہنچائے۔

یہ وہ موثر تعلیمات تھیں، جن پر عمل پیرا ہوکر قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے ایک ایسے سماج کی تشکیل کی تھی، جوسراپا رحمت ومودت اور ہمدردی وغم گساری کا بے مثال مظہر تھا، جس کا ہر فرد دوسرے افراد کی خیر خواہی، اعانت اور ہمدردی کے لیے آمادہ رہتا تھا۔ انسان دوستی، مسکین نوازی، غریب پروری کی ذمہ داری خواص کے لیے بڑھ جاتی ہے اور خلق خدا کے لیے اس کی ایثار وخلوص اور مودت ومحبت کا جذبہ امتیازی شخص کی علامت بن جاتا ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سید القوم فی السفر خادمهم

فمن سبقهم بخدمة لم يسبقوه بعمل الا الشهادة.

(مشکوۃ شریف ص ۳۴۰ مجلس البرکات مبارک پور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، قوم کا سردار سفر میں لوگوں کا خادم ہوتا ہے، پس جو شخص خدمت میں ان پر سبقت لے جائے اس پر وہ لوگ شہادت کے سوا کسی بھی عمل کے ذریعہ سبقت نہیں کر سکتے۔

سربراہ قوم کا یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں کی ضرورتوں کو سمجھے اور ان کو آسانیاں بہم پہنچانے کی کوشش کرے، بے کس و مجبور اور درماندہ انسانوں کی امداد و تعاون کرے۔ حاجت روائی مدد اور کارسازی صفت خداوندی ہے اس لیے خدمت خلق کو سنت الٰہیہ سے ایک خاص تعلق ہے، اس لیے اس کی فضیلت ایک واضح حقیقت ہے۔ اس نقطہ نظر سے جب ہم مقتدائے اہل سنت حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ہم پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اسلام کے سچے خادم کی طرح آپ کی زندگی کے بیشتر اوقات بندگان خدا کی اعانت، حاجت مندوں کی حاجت روائی اور دردمندوں کی دل داری میں بسر ہوا کرتے تھے۔ مسند افتا ہو یا بیعت وارشاد کی مجالس یا تعویذ نویسی کا شغل ہر مرحلہ میں لوگوں کی مشکل کشائی اور اعانت کے جلوے نظر آتے ہیں۔ مسند افتا پر بیٹھ کر لوگوں کے سوالات اور استفسارات کے جوابات تحریر کرنا، دینی مشکلات کا حل کرنا اور انہیں منشائے شریعت سے آگاہ کرنا، پھر بیعت وارشاد اور تبلیغ واشاعت دین کے لیے ملک کے طول وعرض میں سفر کرنا، لوگوں کو روحانی قدروں سے آشنا کرنا، بدعات ومنکرات سے احتراز کی تعلیم دینا اور بھلائیوں کی ترغیب ودعوت بلاشبہہ یہ حضور مفتی اعظم کے وہ علمی اور دینی کارنامے ہیں جن کے ذریعہ عام مسلمانوں کی خدمت ہوتی رہی ہے، لیکن خدمت خلق کا ہمہ گیر کارنامہ جو آپ نے تعویذات اور نقوش کے ذریعہ انجام دیا، وہ خدمت خلق کے تعلق سے سب سے اہم ہے، جس سے فائدہ اٹھانے والے صرف مسلمان ہی نہیں، بلکہ وہ تمام برادران وطن بھی تھے، جن کا اسلام سے کوئی بھی مذہبی تعلق نہ تھا۔ تعویذ کے طلب گاروں میں ہندو مسلم، سکھ، مرد وزن، ہر طبقہ اور مذہب کے لوگ ہوا کرتے تھے۔

سفر میں ہوں یا حضر میں جب بھی کوئی درد کا مارا حاضر بارگاہ ہوتا، اپنی مصیبتیں بیان کرتا اور چارہ گری کی استدعا کرتا، مفتی اعظم اسے تعویذ اور نقوش عطا فرماتے، زخموں پر تسکین کا مرہم رکھتے، مایوسیوں کے اندھیرے سے نکالتے اور مسرت وانبساط سے بہرہ مند کرتے۔ یہ شغل کسی مالی منفعت یا کسی ذاتی غرض سے ہرگز نہ تھا، بلکہ خالصتاً لوجہ اللہ خدا کے بندوں کی خدمت تھی۔

حضور مفتی اعظم کے اس جذبہ خدمت نے بلا تفریق مذہب وملت سب کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ بریلی شریف میں مقیم ہوں یا دوران سفر ہندوستان کے کسی شہر، قصبہ یا قریہ میں اقامت گزیں ہوں یا سفر کی حالت میں سواریوں پر ہوں، ہر جگہ دردمندوں کا ہجوم پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع رہتا اور ہر دردمند شخص اپنی ضرورت پیش کرتا اور روحانیت کے تاجدار کی بارگاہ سے فیض یاب ہوکر خوش وخرم لوٹتا۔

منعم بہ کوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

ذیل میں راقم السطور ایک واقعہ نقل کرتا ہے، جس کا تعلق حضور مفتی اعظم کی بے پایاں روحانی شخصیت سے ہے اور یہ جذبہ خدمت خلق کی روشن دلیل ہے۔ میرے چھوٹے ماموں جناب امتیاز احمد مرحوم عمر میں مجھ سے تقریباً ایک سال بڑے تھے۔ ۱۹۶۱ء/۱۹۶۲ء کا ذکر ہے، جب ان کی عمر بارہ تیرہ سال تھی، خبیث جنوں کے نرغے میں آ گئے، ابتدا میں ایسا ہوتا کہ کبھی کانوں اور کبھی دانتوں میں شدید درد ہوتا، پوری پوری رات بستر پر پڑے تڑپتے رہتے، تدبیریں الٹی ہوتیں اور دوائیں بے اثر ثابت ہوتیں۔ پورا گھر ان کی جاں گسل تکلیفوں سے پریشان رہتا، یہ آزار باقی ہی تھا، کہ جنوں کے اثر سے ادھر ادھر بھاگنے لگے، جب پکڑ کر لائے جاتے، ہوش آتا، تو انہیں پچھلی کیفیت یاد نہ رہتی۔ اسی طرح کے چند واقعات پیش آتے رہے کہ نانا جان مرحوم اور دوسرے اہل خانہ کو سحر یا جنون کے اثر کا شبہ ہونے لگا، پھر جھاڑ پھونک اور تعویذوں کا سلسلہ جاری ہوا، بعض عاملوں کی کوششوں سے جن حاضر ہونے لگے، یہ حضرات ان کو قابو میں لانے کی جدوجہد کرتے، مگر ناکامی ہوتی۔

اب روز کا معمول ہوگیا تھا، کہ مغرب کی نماز کے بعد کچھوچھہ شریف کا چراغ جلایا جاتا۔ ماموں جان اس کے سامنے بیٹھتے، فوراً جن سوار ہوجاتے اور ایران وتوران کی باتیں کرتے، اللہ ورسول کا واسطہ دے کر انہیں قائل کرنے کی کوششیں کی جاتیں، مگر وہ کسی طرح مریض کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوتے۔ اسی زمانے میں ادری کی جامع مسجد میں ایک عظیم الشان جلسے کا انعقاد ہوا، جس میں علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ ایڈیٹر ''پاسبان'' اور مولانا سید اسرار الحق صاحب خصوصی مقرر کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔ راقم السطور نے پہلی بار اسی جلسے میں ان دونوں حضرات کو دیکھا اور ان کی موثر ودل آویز اور پر جوش تقریریں سماعت کیں، غالباً کچھ ہی دنوں کے بعد آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ کانفرنس دلی میں منعقد ہونے والی تھی، جس کا خاص مدعا دلی اور اطراف دلی میں واقع سیکڑوں مساجد اور مقابر جن پر شرنارتھیوں کا ناجائز قبضہ تھا، انہیں خالی کرکے ۱۹۴۷ء سے قبل کی پوزیشن پر لانا تھا۔

علامہ نظامی اور سید مولانا اسرار الحق صاحب نے عام مسلمانوں سے کانفرنس کے کام اور دلی چلنے کی خاص طور پر اپیل کی تھی۔ اسی دن شام کی بات ہے، کہ میں نانا جان کے مکان پر موجود تھا، بعد مغرب کچھوچھہ شریف کا چراغ جلایا گیا، جس کے سامنے ماموں جان بیٹھے، اس مجلس میں میرے چچا جناب محمد مصطفیٰ امجدی مرحوم، نانا جان جناب عبدالاحد مرحوم، راقم السطور اور دوسرے اہل خانہ موجود تھے، ایک مشہور عامل ومعوذ نے پانی پر دم کرکے دیا تھا اور ہدایت کردی تھی کہ جنوں کی سواری آئے، تو ان سے کہا جائے کہ وہ پیچھا چھوڑ دیں۔ اگر وہ شرافت کے ساتھ جانے کے لیے آمادہ نہ ہوں، تو آسیب زدہ کے چہرے پر رومال ڈال دیا جائے اور دونوں کانوں کو مضبوطی سے بند کرکے پانی کے چھینٹے مریض کے چہرے پر مارے جائیں۔ اس اذیت سے جن پریشان ہوں گے اور پھر کبھی نہ آئیں گے۔

ہدایت کے مطابق عمل شروع ہوا، ابتدا میں یکے بعد دیگرے دو جن آئے، گفتگو ہوئی، آخر میں تیسرا سرکش جن آیا، جس نے اپنا نام نور العین بتایا۔ دیر تک مباحثہ ومکالمہ جاری رہا، مگر وہ اپنی ہٹ پر قائم رہا، تو چہرے پر رومال ڈال کر عامل کے دم کردہ پانی کے چھینٹے مارے جانے لگے، جن شور مچاتا رہا، چھوڑنے کی قسمیں کھاتا رہا، جب اس نے کبھی نہ آنے کا وعدہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

کیا، تو پانی کا چھڑکاؤ بند کر دیا گیا اور رومال ہٹالیا گیا اور ماموں جان ہوش میں آ گئے۔ گھر والوں کو یک گونہ مسرت حاصل ہوئی، کہ اب جنوں کے آسیب سے مریض نے نجات پالی ہے، مگر چند روز بعد یہ مسرت غارت ہوگئی اور پھر شریر جنوں کا حملہ بڑی قوت وشدت کے ساتھ ہونے لگا، مریض کی حالت بد سے بدتر ہونے لگی۔ عاملوں کے تعویذات، پانی، چلے پھر شروع ہوئے، درگاہوں میں حاضری دی جانے لگی، مگر جن اپنی ضد پر اڑے رہے۔

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

نانا جان مرحوم لخت جگر کی تکلیفوں سے شب وروز پریشان رہتے اور ہر کس وناکس سے التجائیں کرتے، کہ وہ کسی ایسے عامل کا پتہ بتادے، جس کے جھاڑ پھونک سے فرزند، خبیث جنوں کی گرفت اوران کے شدید آزار سے نجات پاجائے، اسی پریشانی ودرماندگی اور بے کسی وبے بسی میں دو تین سال کا طویل عرصہ گزر گیا، ہر طرف مایوسیوں کا اندھیرا چھانے لگا، کسی معوذ کا تعویذ، کسی عامل کا عمل کارگر نہ ثابت ہوا۔

مایوسیوں کے اسی دور میں تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان ادری تشریف لائے، قیام حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی علیہ الرحمہ کے مکان پر ہوا (موصوف نانا جان کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں) مفتی صاحب ماموں جان کی حالت زار اوران کے خانوادہ کی سالہا سال پرانی پریشانیوں سے بخوبی واقف تھے، نانا جان نے جب مفتی صاحب کی وساطت سے فرزند کی حالت زار کا مختصراً تذکرہ بارگاہ مفتی اعظم ہند میں کیا اور تعویذ کی درخواست پیش کی، حضرت نے قلمدان طلب فرمایا، چند تعویذات تحریر فرمائے اور انھیں مریض کے گلے میں پہنانے اور بازو میں باندھنے کی ہدایت فرمائی، دوسرے عاملوں کی طرح لمبا چوڑا چلہ یا دوسری تدبیر کی کوئی ہدایت نہ فرمائی، نانا جان نے ادب واحترام کے ساتھ تعویذ لیا اور حکم کے مطابق ماموں جان کو پہنایا، اس کے بعد کیا ہوا نانا جان نے فرمایا۔

''میں نے امتیاز احمد کے گلے میں تعویذ ڈال دیا، حضور مفتی اعظم ہند ادری سے تشریف لے گئے، پھر ایک رات خواب میں دیکھا، کہ شاہ رکن الدین علیہ الرحمہ کے مزار کے

www.muftiakhtarrazakhan.com

قریب تالاب کے کنارے فرش بچھا ہوا ہے، کچھ لوگ خاموش بیٹھے ہیں، ایک طرف کچھ کپڑا اور کنارے بالٹی میں پانی رکھا ہوا ہے، ماحول یہ بتا رہا ہے، کہ کسی کا انتقال ہو گیا ہے اور لوگ تجہیز و تکفین کی تیاریوں میں مصروف ہیں، میں نے دریافت کیا کہ کس کا انتقال ہو گیا ہے، ایک شخص نے جواب دیا، نور العین، شمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ (یہ تینوں نام خبیث جنوں کے ہیں، جو ماموں جان کو برسوں سے مبتلائے آلام کیے ہوئے تھے) جب میں بیدار ہوا، خواب پوری طرح یاد رہا، یہ خواب ہی تھا، یقین کیسے کر لیا جاتا کہ واقعی سچا بھی ہے، لیکن دن گزرتے رہے اور امتیاز احمد کی صحت بحال ہونے لگی، جسمانی تکلیف اور جنوں کی سواری کا سلسلہ بند ہو گیا، مجھے یقین آ گیا، کہ خواب سچا تھا اور حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے تعویذ کی برکت اور آپ کے روحانی تصرف سے جنوں کا خاتمہ ہو گیا''۔

ماموں جان اس کے بعد تقریباً ۳۷ برس زندہ رہے، عمر کے آخری سالوں میں اگر چہ وہ شدید علیل رہنے لگے، مگر شیطانی آسیب کا کبھی کوئی اثر تا دم مرگ ان پر نہیں ہوا، بے شمار عاملوں کے تعویذات، چلے جنوں کو جلانے، ہلاک کرنے، بند کرنے کی ساری تدبیریں جہاں رائگاں ثابت ہوئیں، روحانی دنیا کے تاجدار کے چند نقوش نے مریض کو درد والم کی جاں گسل مشقتوں سے نجات دلا دی، بظاہر یہ چند نقوش تھے، جن کی حیرت انگیز تاثیر سے مدتوں کی کلفت و رنج سے صرف ایک شخص نے نجات نہیں پائی، بلکہ خبیث جنوں کی ہلاکت کے سبب بے شمار لوگوں کے شر سے مامون و محفوظ ہو گئے، حقیقتاً یہ حضور مفتی اعظم ہند کی روحانی قوت کا کرشمہ اور آپ کی ناقابل انکار کرامت تھی، جو تعویذ کے پردہ میں اپنا کام کر گئی، اسی روحانی رمز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محقق عصر شارح بخاری حضرت علامہ الحاج مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نائب مفتی اعظم ہند نے اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمایا ہے۔

''حضور مفتی اعظم ہند نے فرمایا، کچھ اللہ والے اپنی کرامتوں کو دوا اور تعویذ میں چھپاتے ہیں، پھر سرکار سید حمزہ مارہروی علیہ الرحمہ کا واقعہ بیان فرمایا، کہ ایک شخص دعا کے لیے حاضر ہوا، حضرت نے اسے ایک دوا کا نسخہ عنایت فرمایا، مدت کا مریض ایک ہی خوراک میں ٹھیک ہو گیا، حضرت نے اپنی کرامت دوا میں چھپالی''۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

یہی حال حضور مفتی اعظم ہند کا ہے، کہ وہ اپنی کرامتوں کو تعویذ کے پردے میں چھپائے ہوئے تھے، جس کی دلیل یہ ہے، کہ وہی تعویذات بہت سے لوگ لکھتے ہیں، مگر فائدہ نہیں ہوتا۔ (انوار مفتی اعظم ہند ص ۲۶۶)

ایک اور واقعہ

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی مسکین نوازی اور کرم گستری کا ایک واقعہ حضرت مولانا مفتی عزیز الحسن علیہ الرحمہ خلیفہ مفتی اعظم ہند نے اس طرح بیان فرمایا۔

۱۹۶۴/۶۵ء کا ذکر ہے، تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند مالیگاؤں تشریف لائے، جب میں دارالعلوم اشرفیہ مالیگاؤں میں بحیثیت شیخ الحدیث تدریسی فرائض انجام دے رہا تھا، دارالعلوم اشرفیہ میں قیام فرمایا، صبح کا وقت تھا، ایک وسیع کمرے میں حضرت رونق افروز ہیں، عقیدت مند زائرین اور ضرورت مند لوگ مودب بیٹھے ہوئے ہیں، ہر شخص اپنی اپنی پریشانی اور ضرورت بیان کر رہا ہے، حضرت تعویذ عطا فرماتے اور دعا کرتے جاتے، اسی دوران ایک خستہ حال دیہاتی جس کے جسم پر پھٹا پرانا لباس ہے اور چہرے سے پریشانی کے آثار ظاہر ہیں، بدحواسی کے عالم میں حضرت کے قریب پہنچا، سلام عرض کیا، حضرت نے سر اوپر اٹھایا، سلام کا جواب دیا، اس شخص نے دست بوسی کی، حضرت نے خیریت دریافت فرمائی، اس نے انتہائی لجاجت اور دل گرفتگی کے ساتھ عرض کیا، ''حضور میں غریب آدمی ہوں، دو جوان بیٹیوں کی شادی کرنی ہے، تعویذ مرحمت فرمائیں تاکہ شادی کے سلسلے میں اخراجات کا انتظام ہو جائے''۔

حضرت نے نرمی سے فرمایا، تم غریب ہو تمہیں تعویذ ضرور ملے گا، کچھ دیر بیٹھو، پھر حضرت تعویذ نویسی میں مصروف ہو گئے، چند آدمیوں کو تعویذ عطا فرمانے کے بعد دیہاتی شخص کی جانب متوجہ ہوئے تو وہ وہاں موجود نہ تھا، پورے کمرے پر نگاہ ڈالی، کہیں نظر نہ آیا، دریافت فرمایا، وہ غریب کہاں گیا؟ تلاش کیا جائے، لوگ یہ سنتے ہی باہر نکلے، مدرسہ کے اردگرد تلاش کرنے لگے، دوکانوں اور چائے خانوں میں گئے، مگر وہ کہیں نظر نہ آیا، حاضر ہو کر

عرض کیا، حضور اس آدمی کا پتہ نہیں چلا، کہاں گیا، حضرت نے فرمایا، وہ غریب ہے اسے تعویذ دینا ہے، جاؤ تلاش کرو، بار بار یہی جملہ دہراتے رہے، حاضرین پریشان ہوگئے چونکہ وہ ایک اجنبی شخص تھا، شہر کا باشندہ ہوتا تو اسے کوئی پہچاننے والا مل جاتا، اس کے گھر جا کر لایا جاسکتا تھا، مگر اس اجنبی غریب کو تلاش کرلانا سخت دشوار تھا اور حضرت کا پیہم اصرار، وہ غریب ہے اسے تعویذ دینا ہے اسے تلاش کرو، لوگوں نے دور دور تک تلاش کیا، مگر اسے نہ ملنا تھا نہ ملا لوگ حیران اور حضرت کا مسلسل اصرار۔

مالیگاؤں کے ایک قریبی قصبہ کے چند معزز اشخاص حضرت کو اپنے وہاں لے جانے کے لیے حاضر ہیں، دیر ہوتی جارہی ہے، وہ عرض کرتے حضور وقت زیادہ ہوگیا ہے، گاڑی حاضر ہے، تشریف لے چلیں، لیکن حضرت فرمارہے ہیں ''وہ غریب ہے اسے تعویذ دینا ہے اسے تلاش کرو'' اس طرح کافی وقت گزر گیا، مضافاتی قصبہ کے لوگوں نے گزارش کی، حضرت چلنے کے لیے آمادہ ہوگئے، مگر کار میں بیٹھتے ہوئے فرمایا، وہ غریب ہے اسے تعویذ دینا ہے، کار روانہ ہوئی، تمام ارادت مند رخصت ہوئے، مدرسہ کے اساتذہ ذمہ داراس واقعہ سے حیران تھے، الٰہی وہ کون شخص تھا؟ جس نے حضرت کو پریشان کردیا اور حضرت بار بار اسے یاد کررہے ہیں، ڈیڑھ گھنٹہ ہوا ہوگا، کہ مدرسہ کی طرف کار آنے کی آواز سنائی دی، کچھ لوگ باہر آئے، وہی کار جس پر حضرت سوار ہوکر گئے تھے، مدرسہ کے دروازہ پر آکر رکی اور حضرت نے کار سے باہر آکر فرمایا، وہ غریب ہے اسے تعویذ دینا ہے، اسے تلاش کرو، یہ کہتے ہوئے مدرسہ میں داخل ہوئے اور قیام گاہ کے کمرے میں جاکر اپنی نشستگاہ پر بیٹھ گئے، بار بار فرمارہے ہیں، وہ غریب ہے اسے تعویذ دینا ہے، حاضرین دم بخود ہیں، پریشان ہیں، ابھی چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ وہی خستہ حال دیہاتی حاضر ہوا، حضرت نے اسے دیکھا، متبسم ہوکر فرمایا ''تم آگئے، پھر قرطاس وقلم سنبھالا، چند نقوش تحریر فرمائے اور اسے عطا فرمادیے۔'' اس کے بعد مضافاتی قصبہ کے معززین کے ساتھ ان کے ہاں تشریف لے گئے، پھر بعض لوگوں نے اس دیہاتی شخص سے پوچھا، تم کہاں چلے گئے تھے، حضرت کو اور ہم سب کو پریشانی میں مبتلا کردیا، جواب دیا، میں جھونپڑ پٹی کا رہنے والا ہوں، ایک غریب آدمی ہوں، یہاں سے گھر

www.muftiakhtarrazakhan.com

چلا گیا تھا، اب واپس آیا ہوں۔

بعد میں مضافاتی قصبہ کے معزز افراد سے حضرت کی اتنی جلد مراجعت کا حال دریافت کیا گیا، تو انھوں نے بتایا، کہ ہم حضرت کو اپنے مکان پر لے گئے، وہاں ناشتہ حاضر کیا گیا، حضرت نے اسے ہاتھ نہ لگایا، فرمانے لگے ''وہ غریب ہے، اسے تعویذ دینا ہے'' اسی جملے کی تکرار کرتے رہے۔

آخر میں فرمایا، ہمیں مالیگاؤں لے چلو، کس کی مجال تھی انکار کرتا، فوراً ہی ہم کار میں بٹھا کر یہاں لائے، راستہ میں بھی حضرت کی زبان پر وہی جملہ بار بار آتا رہا، خدمت خلق اور مفلس نوازی کا وہ جذبہ خیر تھا، جس نے آپ کو ایک انجانے غریب کے لیے اس درجہ مضطرب کر دیا تھا اور اس وقت تک سکون نہ حاصل ہوا، جب تک اس غریب کو تعویذ عطا نہ فرما دیا، اللہ کے قدسی صفات بندے پریشان حال غم زدہ مخلوق خدا کے زخمی دلوں پر مرہم رکھ کر ہی سکون و مسرت پاتے ہیں، ان کا مقصد حیات دردمندوں کی غمگساری اور شکستہ حالوں کی چارہ سازی ہے، یہی طرز عمل رضائے الٰہی کے حصول اور دائمی راحت قلب وجگر کا سرچشمہ ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند کی عبقری شخصیت سے خیر وصلاح کے چشمے پھوٹے، آپ کی پوری زندگی دوسرے انسانوں کی خیر خواہی وخدمت کے لیے وقف تھی، وہ سفر ہو یا حضر ہر حال میں خدمت خلق کے جذبات سے سرشار اور اس کے لیے مستعد رہتے تھے، ان کی یہ ہمہ گیر خدمت کسی ذاتی غرض یا خارجی دباؤ کا نتیجہ نہ تھی، انھوں نے اسے شہرت وناموری یا دنیاوی مفاد کے حصول کا ذریعہ ہرگز نہ بنایا، بلکہ اسے ایک مقدس فریضہ سمجھ کر انجام دیتے رہے، انھوں نے اس کے ذریعہ خدا کی رضا طلب کی اور اسی سے صلہ وکرم کی امید وابستہ رکھی، اس طرح انھوں نے خلق خدا کا دل جیت لیا۔

ع دل بدست آور کہ حج اکبر است

عشق رسول

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کو مصطفیٰ جان رحمت کی محبت اور ولولہ شوق میراث میں

حاصل ہوا تھا۔ آپ کے والد بزرگوار عشق ومحبت رسول کی علامت تھے، ان کے پورے وجود میں عشق مصطفیٰ خون بن کر گردش کر رہا تھا، حضور مفتی اعظم ہند نے اسی پاک وجود سے عشق مصطفیٰ کی دولت پائی تھی، نگارخانۂ عشق مصطفیٰ کی ایک نورانی تصویر حضور مصطفیٰ رضا خاں تھے، اس پیکر نورانی میں عشق مصطفیٰ اپنی تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر تھا جن کی ہر ادا اتباع رسول کا نمونہ تھی اور محبوب رب العالمین کی محبت قلب وروح میں جاگزیں ہوگئی تھی، جذبہ محبت اپنی حدوں سے گزرتا تو شعر کا قالب اختیار کر لیتا، عشق مصطفیٰ سے سرشار دل کی آواز میں پاکیزگی لطافت اور دلوں کو منور کر دینے والی وہ کیفیت ہے جو ایک صاحب دل بزرگ کے گداز دل کا پتہ دیتی ہے۔

حسرت دیدار دل میں ہے اور آنکھیں بہہ چلیں
تو ہی والی ہے خدایا دیدہ خوں بار کا

چارہ گر ہے دل تو گھائل عشق کی تلوار کا
کیا کروں میں لے کے پھاہا مرہم زنگار کا

ہائے اس دل کی لگی کو میں بجھاؤں کیوں کر
فرط غم نے مجھے آنسو بھی گرانے نہ دیا

حضور مفتی اعظم ہند کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا امین تھا۔

ترا ذکر لب پر خدا دل کے اندر
یوں ہی زندگانی گزارا کروں میں
خدا ایک پر ہو تو اک پر محمد
اگر قلب اپنا دوپارہ کروں میں
دم واپسیں تک ترے گیت گاؤں

www.muftiakhtarrazakhan.com

محمد محمد پکارا کروں میں

حضور مفتی اعظم ہند دیار حبیب کی زیارت کا والہانہ شوق اور اس در کی عظمتوں کا بیان اپنے اشعار میں جس طرح فرماتے ہیں، اس کی تاثیر خود اپنی نظیر ہے۔

یارب مری سوئی ہوئی تقدیر جگادے
آنکھیں مجھے دی ہیں تو مدینہ بھی دکھادے

حبیب خدا کا نظارہ کروں میں
دل وجان ان پہ نثارا کروں میں

آبلے پاؤں میں پڑ جائیں جو چلتے چلتے
راہ طیبہ میں چلوں سر سے قدم کی صورت

عاشق صادق کی جلوہ سامانی عشق اس نعت میں ملاحظہ فرمائیں۔

تو شمع رسالت ہے عالم ترا پروانہ
تو ماہ نبوت ہے اے جلوۂ جانانہ
جو ساقی کوثر کے چہرے سے نقاب اٹھے
ہر دل بنے میخانہ ہر آنکھ ہو پیمانہ
ہر پھول میں بو تیری ہر شمع میں ضو تیری
بلبل ہے ترا بلبل پروانہ ہے پروانہ
گر پڑ کے یہاں پہنچا مر مر کے اسے پایا
چھوٹے نہ الٰہی اب سنگ در جانانہ
آباد اسے فرما ویراں ہے دل نوری
جلوے ترے بس جائیں آباد ہو ویرانہ

علم وفضل

تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے علم وفضل کے ایسے چمن زار میں آنکھ کھولی، جس کی فضا علم وحکمت کے رنگا رنگ پھولوں کی نکہتوں سے معمور تھی اور جس کے ذرے ذرے سے علم وعرفان کی روشنی پھوٹ رہی تھی، موروثی علمی وفکری وجاہت کے ساتھ حضور مفتی اعظم ہند میں علم وحکمت کا بحر بے کراں موجیں مار رہا تھا، آپ بلاشبہ امام احمد رضا کی علمی وفنی بساط کے سچے امین تھے، آپ بیک وقت علوم دینیہ اور فنون عقلیہ کے جامع تھے، علم وحکمت کا کوئی میدان ایسا نہ تھا، جس میں آپ گوئے سبقت نہ لے گئے ہوں، قرآن وتفسیر، حدیث واصول حدیث، عقائد وکلام، ادب وانشا، شعر وسخن، فصاحت وبلاغت، فقہ فتاوی، منطق وفلسفہ ہر علم وفن پر حاکمانہ قدرت رکھتے تھے۔ بلاشبہہ آپ عظیم المرتبت عبقری عالم اور ماہر فنون تھے، آپ کی مصنفات اور فتاوے جس پر شاہد عدل ہیں۔ علمائے عرب وعجم نے آپ کی عالمانہ عظمت ووقار کے سامنے اپنی پیشانیاں خم کیں۔

فقہی بصیرت

حضور مفتی اعظم ہند کی فقہی بصیرت اور تفقہ کے روشن آثار فتووں میں نظر آتے ہیں، جن سے واضح طور پر یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے، کہ آپ ماہر فقیہ اور محقق تھے۔ وسعت مطالعہ، جزئیات کا استحضار، دلائل کی قوت وضعف میں امتیاز، شواہد کا احاطہ، متعارض جزئیات میں تطبیق، ترجیح کی قدرت، ملکہ استخراج، حالات زمانہ کی رعایت، اہل زمانہ کے حالات سے آگاہی، سائل کی عقل وفہم کے لحاظ سے گفتگو، جامع اور بہتر تعبیر، مسائل کے خلجان کا ادراک اور اس کا شافی حل رکھتے تھے۔

حضور مفتی اعظم ہند بلاشبہہ مفتی اعظم تھے، جس طرح عرب وعجم نے اعلیٰ حضرت کی علمی عبقریت اور فقاہت کو تسلیم کیا، اسی طرح دنیائے علم وفن نے ان کے صاحب زادے علامہ مفتی مصطفیٰ رضا خاں کی جلالت علم اور فقہی بصیرت کو تسلیم کیا۔ برصغیر ہند میں جب بھی

کسی مسئلہ میں علما کا اختلاف ہوتا، تو مفتی اعظم ہند کی طرف رجوع کیا جاتا، سرکار جو فیصلہ فرماتے، سب اسے بلا چوں چرا قبول کر لیتے۔ ایسی ہمہ گیر علمی شخصیت آپ کے عہد میں موجود نہ تھی۔ آپ جب کسی مسئلے کا تحریری یا زبانی جواب دیتے، تو صرف نفس مسئلہ بتا دینے پر اکتفا نہ کرتے، بلکہ دلیل مسئلہ بھی ارشاد فرماتے، تاکہ سائل کو پورے طور پر اطمینان حاصل ہو جائے۔

اشرف الفقہا خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الحاج مفتی مجیب اشرف رضوی صاحب اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، جب بھی کسی سائل نے زبانی مسئلہ دریافت کیا، آپ نے اس کا تسلی بخش جواب مرحمت فرمایا اور ساتھ ہی فقہ کی کتابوں کی وہ عبارتیں بعینہ بیان فرمائیں جس کا تعلق اس مسئلے سے ہوتا۔ ایک صاحب نے عرض کیا، کہ عورت حیض کی حالت میں درود شریف، ذکر و اذکار اور دعائیں وغیرہ پڑھ سکتی ہے یا نہیں اور ایسی کتابیں جن میں درود شریف اور وظیفے وغیرہ لکھے ہوئے ہوں انہیں چھونا کیسا ہے؟ حضرت مفتی اعظم نے فرمایا پڑھ سکتی ہے اور ان کتابوں کو چھو بھی سکتی ہے، جن میں قرآنی آیات کے سوا صرف درود شریف اور وظیفے وغیرہ لکھے ہوتے ہیں۔ درمختار کے باب الحیض (ص ۴۸۸، دار الکتب العلمیہ بیروت) میں ہے:

لا بأس للحائض والجنب بقرأة الادعية ومسها وحملها.

یعنی حیض والی عورت اور جنبی جس پر غسل واجب ہے، ان دونوں کے لیے دعاؤں کے پڑھنے، چھونے اور اٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔

پھر فرمایا، ایسی کتابوں کو نہ چھونا بہتر ہے، جن میں درود شریف وغیرہ تحریر ہو۔

☆ سائل نے پوچھا، حضور! میرے گھٹنے میں بہت پرانا زخم ہے، جو علاج کے بعد بھی اچھا نہیں ہو رہا ہے، دعا فرمائیں کہ اچھا ہو جائے، حضور مجھے سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ زخم کے اندر ہمیشہ نمی رہتی ہے، جب کپڑا اس سے چھو جاتا ہے، تو کپڑے میں زخم کی رطوبت لگ جاتی ہے، بار بار ایسا ہونے سے کپڑا داغ دار ہو جاتا ہے، تو کیا اس سے کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے اور وضو اس رطوبت سے ٹوٹ جاتا ہے یا باقی رہتا ہے؟ حضور مفتی اعظم

ہند نے سائل کے سوال کو سن کر پہلے دعا فرمائی، کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفائے کلی عطا فرمائے، پھر مسئلے کا جواب ارشاد فرمایا ''رطوبت اگر صرف نمی کی حد تک ہے، بہہ کر باہر آنے کی اس میں قوت نہیں ہے، تو نہ اس سے وضو ٹوٹے گا، نہ کپڑے پر لگنے سے کپڑا ناپاک ہوگا، چاہے کم مقدار میں ہو یا زیادہ، شامی (ج ا ص ۲۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت) میں ہے:

لان القمیص لو تردد علی الجرح فابتلی فلا ینجس مالم یکن کذالک لانه لیس بحدث ای و ان فحش.

یعنی اس لیے کہ اگر قمیص زخم پر بار بار لگے اور زخم کی تری سے کپڑا تر ہو جائے تو کپڑا ناپاک نہ ہوگا، جب کہ وہ رطوبت بہنے والی رطوبت کی طرح نہ ہو، اس لیے کہ ایسی نمی حدث (وضو توڑنے والی) نہیں، اگر چہ کپڑے پر بہت زیادہ لگ جائے۔

مفتی اعظم ہند نے دونوں سائلوں کو صرف نفس مسئلہ ہی نہیں بتایا، بلکہ اس کتاب کا نام بھی ارشاد فرمایا، جس میں جزئیہ موجود تھا اور کتاب کی نص عبارت بھی پڑھ کر سنادی، ایسا علمی استحضار اور حفظ وضبط کی قوت کوئی معمولی بات نہیں، قدرت کا یہ عظیم عطیہ سرکار مفتی اعظم کے حصے میں آیا تھا۔

حضرت مفتی مجیب اشرف صاحب تحریر فرماتے ہیں: میں نے بارہا دیکھا کہ فتوی لکھتے ہوئے بلا تکلف کتاب دیکھے بغیر جزئیات مع عبارت نقل فرماتے جاتے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پوری کتاب ازبر ہے۔ **ذالک فضل اللہ یوتیه من یشاء۔**

(جہان مفتی اعظم ص ۴۷۶)

تصانیف

تاجدار اہل سنت سرکار مفتی اعظم ہند بلند پایہ معلم ومفتی، عظیم روحانی مرشد اور بے مثال دینی قائد ہونے کے ساتھ ساتھ قابل قدر مصنف بھی تھے، جن کی نوک قلم سے بہت سی اہم مایہ ناز علمی وفقہی کتابیں معرض وجود میں آئیں، جن سے آپ کی عالمانہ عبقریت، تحقیقی شعور، ذہانت وطباعی اور ژرف نگاہی کا اندازہ ہوتا ہے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

حضور مفتی اعظم ہند نے پہلا حج ۱۹۴۵ء میں، دوسرا ۱۹۴۸ء اور تیسرا حج ۱۹۷۱ء میں فوٹو کے بغیر کیا۔

پہلے حج کے موقع پر حضرت سید محمد مغربی صاحب نے مکہ شریف میں حضور مفتی اعظم ہند سے ملاقات کی اور فرمایا ''اعلیٰ حضرت معیار حق ہیں'' اور سید صاحب نے حضرت سے بیعت وخلافت حاصل کی، اسی سفر حج میں حضرت شاہ ابن سعود نجدی کی جانب سے حجاج کرام پر ناجائز ٹیکس عائد کیے جانے کے خلاف عربی زبان میں انتہائی مفصل ومدلل فتوی تحریر فرمایا، جو''القانبل الذرية على اوثان النجدية '' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا، جس کا مطالعہ کرنے کے بعد علمائے حرمین طیبین نے متفقہ طور پر فرمایا:

ان هذا الا الهام

اور متفقہ طور پر حضور مفتی اعظم کو امام وقت، شیخ الہند والحرم تسلیم فرمایا اور بطور تبرک قرآن وحدیث اور فقہ کے سلاسل کی اجازتیں دیں۔ آپ کی گراں قدر تصانیف کے اسماء یہ ہیں:

(۱)القسوة على ادوار الحمر الكفرة (۲)القول العجيب فى جواز التشويب (۳)الحكمة على امراء كلكته (۴)مقتل اكذب واجهل (۵)حجة باهره بوجوب الجنة الحاضره (۶)مقتل كذب وكيد (۷)وقعات السنان فى حلق المسمارة بسط البنان (۸)الموت الاحمر (۹)طرق الهدىٰ والآثار الى احكام الامارة والجهاد (۱۰)فتاوى مفتى اعظم هند (۱۱)ادخال السنان الى حنک الحلقى بسط البنان (۱۲)سامان بخشش عرف گلستان نعت نورى (۱۳)مسائل سماع (۱۴) سيف القهار على عيد الكفار (۱۵) فصل الخلافة وغيره

روحانیت

اولیاء اللہ تزکیہ باطن، ذکر وفکر، عبادت وریاضت کی بدولت انعامات خداوندی کا

مورد بن جاتے ہیں اور ان کے عمل وکردار مادیت سے ماورا، روحانیت کا کرشمہ ہوجاتے ہیں۔ حضور مفتی اعظم ہند کی باکمال اخلاقی وروحانی ذات کشف وکرامت کا نمونہ بن گئی تھی، ان کی ذات سے ایسی کرامتوں کا صدور ہوا، جن سے سلف صالحین کی روحانی شخصیتوں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، ایسی ہی ایک کرامت بیان کی جاتی ہے:

ایک سال بریلی شریف کے ایک حاجی صاحب حج سے واپس آئے، تو لوگوں سے دریافت کیا، حضرت مفتی اعظم کب حج کے لیے گئے تھے اور واپس ہوئے یا نہیں؟ لوگوں نے انہیں بتایا کہ حضرت مفتی اعظم اس سال حج کے لیے نہیں گئے تھے، انہوں نے عیدگاہ میں عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھائی ہے، میں نے خود پڑھی، سب حاضرین نے متفق اللفظ ہوکر یہی بتایا، انہوں نے حیرت سے کہا، آپ لوگ کیسی باتیں کررہے ہیں، میں نے ان کو طواف کرتے دیکھا ہے، مسجد حرام، منیٰ اور عرفات میں ان سے ملاقات کی ہے۔ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، مواجہہ اقدس میں سلام عرض کرتے ہوئے دیکھا ہے، یہ سن کر سارے حاضرین دم بخود رہ گئے، لوگوں نے کہا، تمہیں دھوکا ہوا ہوگا، حضرت امسال بریلی ہی میں رہے، حج کے لیے نہیں گئے، مگر حاجی صاحب نے کہا، دھوکا کیسا؟ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان سے وہاں ملاقات کی، دست بوسی کی اور گفتگو کی ہے، اس بات کا چرچا ہوا، لوگوں نے کہا، تم جو کہتے ہو سچ ہے، لیکن حضرت امسال حج کے لیے تشریف نہیں لے گئے، حاجی صاحب جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے ان کی طرف نگاہ کی، دلنواز تبسم فرمایا اور حسب عادت ان کے قدموں اور آنکھوں کا بوسہ لیا، حاجی صاحب دم بخود ٹکٹکی باندھے حضرت کو دیکھتے رہے، کچھ دیر بعد حضرت مخاطب ہوئے اور حرمین طیبین کے حالات پوچھتے رہے، دوران گفتگو فرمایا، حاجی صاحب! ہر بات بیان کرنے کی نہیں ہوتی، اس کا خیال رکھیے گا، اس واقعہ سے متاثر ہوکر حاجی صاحب حلقہ بگوش ارادت ہوگئے۔

حضور مفتی اعظم ہند کی بلند قامت روحانی شخصیت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ جو ناگڑھ کاٹھیاواڑ کے حاجی محمد ابراہیم مارفانی کا بیان ہے، مجھے کسی پیر کامل سے مرید ہونے کا شوق زمانے سے تھا، پیر کی تلاش میں رہتا، کاٹھیاواڑ میں جو شیخ طریقت آتا،

اس سے ملاقات کرتا، مگر کسی پر دل نہ جمتا، ایک شب بوقت خواب یہ شوق زیادہ ہوا، مجھ پر رقت طاری ہوگئی، روتے روتے میں نے عرض کی، الٰہی! مجھے کوئی پیر کامل عطا فرما اور اس حالت میں سوگیا، خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ صورت انسان دوسرے بزرگ کو دکھا کر فرماتے ہیں کہ تیرے پیر یہ ہیں، اچھی طرح دیکھ لے، حاجی ابراہیم نے بتایا کہ اس تنبیہ پر میں نے بہت غور سے ان بزرگ کو دیکھا اور ان کے حلیہ جمال کا نقش دل پر ثبت کرلیا، پھر آنکھ کھل گئی، سوچنے لگا، اس شکل وشمائل کے بزرگ کون ہیں؟ اور کہاں رہتے ہیں؟ کیا نام ہے؟ کچھ معلوم نہیں، تلاش کروں تو کہاں تلاش کروں؟ میرا شوق دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا، کاٹھیاواڑ کے پورے علاقے میں رابطہ قائم کیا کہ جو بھی پیر آئے مجھے خبر دی جائے، پیر آتے جاتے رہے، مگر ان میں میرا کوئی پیر نہ تھا، اجمیر مقدس پہنچا، وہاں بھی جستجو کی لیکن میرے مرشد نظر نہ آئے، مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ اسی دوران دھوراجی تشریف لائے، دھوراجی پہنچا، روئے انور کی زیارت کی تو سکتہ طاری ہوگیا، خواب میں جسے میرا پیر بتایا گیا تھا وہ مفتی اعظم کی شکل میں میرے سامنے جلوہ گر تھے، حیرت میں کھڑا جمال مرشد کا مشاہدہ کرتا رہا، جب قوی قابو میں آئے تو قریب پہنچ کر قدموں میں گر گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، جب سر اٹھایا، تو درخواست کی کہ مجھے مرید فرمالیں، بلا تاخیر حضرت نے مجھے سلسلہ عالیہ قادریہ میں داخل فرمالیا۔

عرفانی شخصیت

حضور مفتی اعظم ہند زہد وتقوی، عرفان وتصوف، اتباع شریعت، اخلاق وایثار، کرم وسخاوت، انسانیت نوازی، خلق پروری، دینی شعور وآگہی، خوف الٰہی وخشیت خداوندی اور علم ودانش کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ آپ کی روشن پیشانی اور نور ولایت سے تابناک چہرے کو دیکھ کر قرون اولیٰ کے حق پسند مشائخ وصوفیہ کی یاد تازہ ہوتی تھی، آپ کی مجلس میں شریک ہونے والا ہر ہوش منداس بات کی تمنا کرتا تھا ؎

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند

آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

علم وفضل کی یہ بلند قامت شخصیت ہونے کے ساتھ تصوف وطریقت کی دنیا کے عظیم مقتدا وپیشوا بھی تھے، آپ چشمہ ہدایت اور قطب الارشاد تھے، برادر زادہ اعلیٰ حضرت استاذ العلما علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ نے قاری امانت رسول رضوی سے فرمایا تھا میں سچ کہتا ہوں کہ حضور مفتی اعظم قطب الارشاد ہیں۔ میں مفتی اعظم کا چچیرا بھائی اور ان کا ہم عصر ہوں، قاری صاحب! ان کا اور میرا بچپن ایک ساتھ گزرا، وہ بچپن میں بھی کھیل کود اور لہوولعب سے دور ہی رہے، میں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، گھر میں دیکھا، باہر دیکھا، قاری صاحب! میرا یہ قول نوٹ کرلو، چراغ لے کر اگر دنیا میں ڈھونڈو گے تو واللہ مفتی اعظم جیسا شیخ نہیں پاؤ گے ؎

ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس دہر میں تھک جاؤ گے
مفتی اعظم کے جیسا نہیں پاؤ گے

☆ حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: آج کی دنیا میں جس کے لیے فتوی سے بڑھ کر تقوی ہے، وہ شخصیت مجدد مائۃ حاضرہ کے فرزند دل بند کا پیارا نام مصطفیٰ رضا بے ساختہ زبان پر آتا ہے اور زبان بے شمار برکتیں لوٹتی ہے۔

مسند بیعت وارشاد

مرشد برحق حضرت سید ابوالحسین نوری نے ششماہہ دل بند اعلیٰ حضرت کو گود میں لے کر مرید کیا، پھر بچے کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا، دیر تک دعاؤں سے نوازا اور خاندان برکات کے تیرہ سلاسل کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا اور ارشاد فرمایا، یہ بچہ مادر زاد ولی ہے، فیض کے دریا بہائے گا، اس فیض بخش مادر زاد ولی نے واقعتاً مسند رشد وہدایت سے فیض کا دریا بہادیا، خداوند تعالیٰ نے اکیانوے سال کی طویل عمر عطا فرمائی اور آپ کے دست حق پرست پر لاکھوں مسلمانوں نے بیعت کا شرف حاصل کیا، ہزاروں اشخاص گناہوں سے

تائب ہوئے اور سیکڑوں کافروں نے رخ زیبا کی طلعت دیکھ کر کفر سے توبہ کی اور اسلام کے دامن میں پناہ لی۔ بے شمار علمائے حق نے اجازت وخلافت حاصل کی، آپ کا ہر عمل طاعت خدا، اتباع سنت مصطفیٰ سے عبارت، ہر سانس ذکر الٰہی سے سرشار، قلب محبت مصطفیٰ کا مرکز جن کی بنا پر آپ کا ہر قدم درس ہدایت اور ہر عمل تجلی بار حقیقت تھا، وہ سراپا علم وعرفان کا مظہر تھے ۔

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقش پا چراغ
وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

حضور مفتی اعظم ہند کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بحیثیت مرشد وہ مقبولیت اور روحانی عظمت نصیب فرمائی، کہ جہاں جاتے ارادت مندوں کی بھیڑ اکھٹا ہو جاتی، عوام تو عوام علما اور خواص بھی آپ کی نورانی وعرفانی شخصیت سے متاثر ہو کر داخل سلسلہ ہو جاتے، قادری نسبت کا یہ فیضان آپ کے ذریعہ ہندوستان کے چپہ چپہ میں بلکہ بیرون ہند بنگلہ دیش، سری لنکا، پاکستان، حرمین شریفین، مصر وشام، افریقہ، برطانیہ اور امریکہ تک پہنچا۔

تیسرے حج کے موقع پر حضور مفتی اعظم ہند نے مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالمعبود الجیلانی کی زیارت کی جو غوث پاک کی اولاد سے تھے، جنہوں نے اسی حج کیے تھے، اس وقت ان کی عمر ایک سو چھیالیس سال تھی، حضرت جب ان کی خدمت میں پہنچے، تو انہوں نے استقبال کیا، اٹھنے کی کوشش کی، حضرت ان کے قدموں سے لپٹ گئے، انہوں نے فرمایا، صاحب زادے اگر میرے پیروں میں تکلیف نہ ہوتی تو میں آپ کے استقبال کے لیے ضرور کھڑا ہوتا۔

مکہ معظّمہ میں حضور مفتی اعظم ہند نے ان علما سے ملاقاتیں کیں، جنہوں نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی زیارت کی تھی، ان اکابر میں سے صرف تین لوگ باقی رہ گئے تھے، جو حضرت سید عمان یحییٰ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے تھے، جن سے اعلیٰ حضرت نے فقہ میں استفادہ کیا تھا، وہ تین اکابر یہ تھے:

حضرت سید امین قطبی صاحب (۲) حضرت سید عباس علوی صاحب (۳) حضرت نور محمد صاحب۔ مفتی اعظم ہند نے ان بزرگوں سے ملاقات کی تو وہ لوگ بڑی عزت وتکریم

www.muftiakhtarrazakhan.com

سے پیش آئے اور آپ سے سلسلہ عالیہ قادریہ کی اجازت وخلافت بھی حاصل کی، یہ بات حضور مفتی اعظم ہند کی عظیم روحانی شخصیت کا واضح ثبوت ہے۔

آپ کے تلامذہ، مستفیدین اور خلفا کی تعداد بہت زیادہ ہے، جنہوں نے ملک اور بیرون ملک علم دین، تبلیغ اسلام اور رشد وہدایت کی مسند آراستہ کی، ذیل میں کچھ اہم خلفا کے اسمائے گرامی نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) مفسر اعظم ہند حضرت مولانا محمد ابراہیم رضا جیلانی (۲) مبلغ اسلام علامہ ابراہیم خوشتر صدیقی ماریشش (۳) غزالی دوراں حضرت مولانا سید احمد سعید کاظمی پاکستان (۴) عطائے خواجہ مولانا سید احمد علی رضوی اجمیر شریف (۵) جانشین حضور مفتی اعظم تاج الشریعہ علامہ اختر رضا ازہری (۶) رئیس التحریر علامہ ارشد القادری جمشید پور (۷) حضرت مولانا مفتی اعجاز ولی خاں بریلی لاہور (۸) بحر العلوم مفتی سید افضل حسین مونگیری (۹) اشرف الفقہا مفتی مجیب اشرف رضوی (۱۰) ڈاکٹر سید امین میاں برکاتی (۱۱) مولانا محمد انور علی رضوی بہرائچ (۱۲) فضیلۃ الشیخ مفتی محمد امین حجاز مقدس (۱۳) مولانا بدرالدین احمد گورکھپوری (۱۴) مولانا بہاء المصطفیٰ امجدی (۱۵) مولانا بدرالقادری ہالینڈ (۱۶) علامہ تحسین رضا خاں بریلی (۱۷) مفتی تقدس علی خاں سندھ (۱۸) علامہ جلال الدین قادری پاکستان (۱۹) مفتی جہانگیر خاں (۲۰) مولانا محمد حسن علی رضوی پاکستان (۲۱) مفتی محمد حسین قادری سنبھل (۲۲) مفتی محمد خلیل خاں برکاتی حیدرآباد (۲۳) مفتی رفاقت حسین کان پور (۲۴) مولانا سید ریاست علی کراچی (۲۵) مفتی رضوان الرحمٰن فاروقی اندور (۲۶) مفتی رجب علی نانپارہ (۲۷) مولانا سید زاہد علی قادری فیصل آباد (۲۸) علامہ سردار احمد خاں محدث پاکستان (۲۹) مولانا سید نور محمد مکی حجاز مقدس (۳۰) مفتی شاہد علی رام پوری (۳۱) شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی (۳۲) شمس العلما قاضی شمس الدین جون پوری (۳۳) علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری کراچی (۳۴) محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری (۳۵) مفتی قاضی عبدالرحیم بستوی۔ علیہم الرحمہ ومدظلہ العالی

وصال

حضور مفتی اعظم ہند کی عمر شریف ۹۰؍سال سے متجاوز تھی ،ضعف و نا توانی اور مرض نے گھیر لیا اور آپ صاحب فراش ہو گئے، اطبا نے لوگوں سے ملنے جلنے اور آنے سے منع کر دیا، اس کے باوجود آپ لوگوں کے سہارے مسجد میں تشریف لاتے اور کسی کا سہارا لیے بغیر کھڑے ہو کر نماز با جماعت ادا فرماتے، وضو میں کسی سے مدد نہ لیتے ، یہ حضور مفتی اعظم ہند کا ذوق عبادت اور تقوی تھا، جس کی مثال مشکل ہی سے نظر آئے گی ، مرض کے زمانے میں غذا تقریبا ترک ہو گئی تھی ، لوگوں کے اصرار پر دودھ یا اس جیسی کوئی چیز مختصر نوش فرما لیتے ۔ سلف صالحین کے طریقے پر اپنے جسم کو مادی اسباب سے خالی کر رہے تھے، جب وقت موعود قریب آیا تو بیعت کرتے وقت جو کلمات ادا فرمائے گویا لوگوں کو مرید کر رہے ہیں، اس طرح ان تمام لوگوں کو جو آپ سے ارادت رکھتے تھے، مگر باضابطہ مرید نہ ہو سکے تھے، انہیں حلقہ ارادت میں داخل کیا، پھر دونوں ہاتھ مصافحہ کی طرح بڑھائے ، جب کہ بظاہر کوئی موجود نہ تھا، یہ فرمایا میں غوث پاک کے ہاتھ پر بیعت ہوا ، پھر ان دعاؤں کو پڑھا جن کو اکثر پڑھا کرتے تھے، اس کے بعد روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ، یہ سانحۂ ارتحال ۱۴؍محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/۱۲؍نومبر ۱۹۸۱ء کی رات ایک بج کر چالیس منٹ پر پیش آیا، وصال کے وقت آپ کی عمر ۹۱؍سال تھی۔

علم و فضل کا تاجدار، سنت و شریعت کا پاسدار، زہد و تقوی کا مینار، دین حق اور مسلک اہل سنت کا ترجمان دنیا سے رخصت ہوا، آپ کے وصال کی خبر پورے ہندوستان ہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں جہاں سنی مسلمان آباد ہیں، آناً فاناً مشتہر ہو گئی اور ارادت مندوں کا قافلہ جوق در جوق بریلی شریف کی سرزمین پر وارد ہونے لگا ، بروز جمعہ ۳؍بج کر پندرہ منٹ پر اسلامیہ کالج کے میدان میں نماز جنازہ ادا کی گئی، لاکھوں سوگواروں نے نماز جنازہ ادا کی ۔

سید شاہ محمد قائم قتیل داناپوری نے مادہ تاریخ وصال اخذ کیا:

”ہجری ست سال در سو بہشت بزرگ وقصر“

۱۴۰۲ھ

http://t.me/Tehqiqat

www.muftiakhtarrazakhan.com

''پرواز کرد مفتی اعظم'' عیسوی است

۱۹۸۱ء

سرکار مفتی اعظم کے وصال پر بہت سے شعرانے خراج عقیدت پیش کیے، مولانا اسلم بستوی کا خراج عقیدت ملاحظہ فرمائیں۔

وہ پیشوائے طریقت وہ رہنمائے سلوک
وہ ایک ذرہ مگر کوہ استقامت تھا

وہ ایک نقطہ مگر جوہر شرافت تھا
وہ ایک نقش محبت کی جو علامت تھا

وہ ایک قطرہ مگر عزم کا سمندر تھا
نحیف جثہ مگر وہ جہاد پیکر تھا

بلند جس نے کیا تھا صداقتوں کا علم
صلیب وقت پہ بن کر رہا جو مشق ستم

وہ خارزاروں میں دیوانہ وار پھرتا تھا
وہ دشت ظلم میں مردانہ وار پھرتا تھا

مگر جبیں پہ شکن تھی نہ لب پہ شکوہ تھا
رضائے مولا پہ راضی رہے وہ بندہ تھا

زمین قیس پہ اک آسماں بنا کے رہا
دیار حسن سے کچھ اور زخم کھا کے رہا

وہ نجدیوں کو جھلک عشق کی دکھا کے رہا
وہ ریگزار میں فصل وفا اگا کے رہا

خلیج نجد نہ اس کے جنوں کو روک سکی
دیار حسن سے رحمت کا پھر پیام آیا

وہ مضطرب گیا آیا تو شادکام آیا
وہ کوئی اور نہ تھا وہ ایک عاشق تھا

وہی امیر شریعت وہی اسیر حبیب
مزاج وقت کا نباض قوم کا وہ طبیب

دلوں میں آج بھی اس کا مقام روشن ہے
جہاں میں آج بھی اس کا پیام روشن ہے

www.muftiakhtarrazakhan.com

مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں

علیہ الرحمۃ والرضوان

''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مقولہ خانوادہ اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت رضی اللہ عنہ پر صادق آتا ہے، بلکہ میں تو کہتا ہوں، کہ خانوادہ رضا میں پشتہا پشت سے صدیوں تک علم وعرفان کی جو مقدس شمع روشن ہوئی اور ان کی نور افشانیوں سے پورا عالم مستفید ومستنیر ہوتا رہا، یہ مقولہ اسی خانوادہ علم ونور کی تاریخی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے بولا گیا۔

حضور مفسر اعظم، حضور حجۃ الاسلام، جانشین اعلیٰ حضرت کے فرخندہ فال خاندانی علمی وجاہت کے امین تھے۔ گلشن حجۃ الاسلام میں وہ تر وتازہ پھول کھلا، جس کی عطر بیزی نے گلشن علم وعمل اور چمن زار رضویہ کو معطر بنا دیا۔ دس ربیع الآخرہ ۱۳۲۵ھ کا دن خانوادہ رضویہ کے لیے خصوصا اور تمام مریدین ومخلصین کے لیے عموماً بڑی خوشی ومسرت کا دن تھا، پورا خاندان مسرتوں اور شادمانیوں کی عطر بیز فضاؤں میں ڈوبا ہوا تھا، استاذ زمن مولانا حسن رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرط مسرت میں برجستہ یہ مصرع موزوں کیا۔

ع علم و عمر اقبال و طالع دے خدا

۱۴۰+۳۱۶+۱۳۴+۱۱۶+۶۱۹=۱۳۲۵ھ

استاذ زمن کی یہ دعا دل سے نکلی تھی، جسے قبولیت کا شرف حاصل ہوا، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو علم شریعت وطریقت کا سنگم بنایا، جس کی خدمت عمر بھر فرماتے رہے۔

امام احمد رضا نے اپنے پوتے کا نام محمد تجویز فرمایا، حجۃ الاسلام نے فرزند کا اسم گرامی ابراہیم رضا رکھا، دادی جان نے پکارنے کے لیے جیلانی کا عرف مقرر کیا، اس طرح مفسر اعظم علیہ الرحمہ کا نام نامی اسم گرامی محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی ہوا، اسی نام پر عقیقہ کیا گیا۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

تم نے ہر ذرے میں برپا کر دیا طوفان شوق
اک تبسم اس قدر جلووں کی طغیانی کے ساتھ

تعلیم

عمر شریف تقریباً سات سال ہوئی، والد ماجد نے باقاعدہ تعلیم کے لیے دارالعلوم منظر اسلام میں داخل فرما دیا، یہ ادارہ اس وقت ہندوستان میں بڑی شہرت ومقبولیت حاصل کر چکا تھا، ایک سے بڑھ کر ایک علما اور دانشور مسند تدریس کو رونق بخش رہے تھے، ان میں قابل ذکر شمس العلما حضرت مولانا رحم الٰہی مظفر نگری، حضور مولانا ظہور الحسین فاروقی رامپوری، حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، مولانا نور الحسین مجددی اور اسی جامعہ کے فارغ التحصیل علما مثلاً مفتی اعظم ہند، علامہ حسنین رضا خاں اور مولانا احسان علی مظفر پوری رحمۃ اللہ علیہم۔ مفسر اعظم کا داخلہ ۱۳۳۲ھ میں ہوا، میزان الصرف سے درس کی ابتدا ہوئی اور اس دانش گاہ علمی میں تقریباً بارہ تیرہ سال اپنی فطری ذہانت اور محنت وکاوش سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق وفلسفہ، عقائد وکلام اور دیگر علوم وفنون کی منتہی کتابیں پڑھ کر شعبان ۱۳۴۴ھ میں سند فضیلت اور جبہ ودستار سے سرفراز ہوئے، اسی تقریب میں حضور حجۃ الاسلام نے فرزند دل بند کو علما ومشائخ کرام کی موجودگی میں سلاسل طریقت کا مجاز وماذون بنایا اور اپنی نیابت وخلافت سے سرفراز کیا۔

حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی:

سلام اے حامی سنت سلام اے محسن اعظم
سلام اے ماحی بدعت سلام اے محسن اعظم
تری ہستی متاع اہل سنت کی نگہباں ہے
کہ نور نگاہ حضرت حامد رضا خاں ہے
ترے افعال سے گلشن مہکتے ہیں شریعت کے
ترے اعمال سے روشن منازل ہیں طریقت کے

www.muftiakhtarrazakhan.com

ترے ہرقول سے بے باکی مسلم نمایاں ہے
ترے حسن عمل سے لوح انسانی درخشاں ہے
تری تقریر سے دیوبند کا ایوان لرزاں ہے
تری تحریر سے خود نجد کا شیطان لرزاں ہے
تری تقریر کا ماخذ کلام اللہ کیا کہیے
بجا ہے گر کہوں تجھ کو ولی اللہ کیا کہیے
ترا نقش قدم ایقان مستحکم کی راہیں ہیں
ترا جوش عمل مرد مجاہد کی نگاہیں ہیں
ترا نظم سیاست درس ہے تنظیم عالم کا
ترا ہر لفظ دشمن کے لیے اک تازیانہ ہے
ترا جوش ارادت فی الحقیقت عارفانہ ہے

عقد نکاح

حضور مفسر اعظم کی صغر سنی کا دور تھا، اعلیٰ حضرت کے چہیتے پوتے تھے، جن سے قلبی لگاؤ رکھتے، ایک دن کی بات ہے، مفسر اعظم جد امجد کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، اسی دوران حضور مفتی اعظم ہند کی بڑ صاحب زادی جو ننھی منی تھیں، لڑکھڑاتے قدموں سے بارگاہ رضا میں حاضر ہوئیں، امام احمد رضا نے گلستان رضا کے ان دونوں پھولوں کو اپنے زانو پر بیٹھالیا اور دیر تک ان دونوں کے چہروں پر شفقت ومہربانی کی نگاہ ڈالتے رہے اور اپنے علمی وروحانی فیضان کی برکتوں سے ان نونہالوں کے قلوب کو مصفی کرتے رہے، پھر حضور حجۃ الاسلام اور حضور مفتی اعظم ہند کو طلب کیا اور ان دونوں سے فرمایا، میں تم دونوں کا شرعی ولی ہوں، اور تم دونوں کی شہادت وموجودگی میں ان دونوں کا شرعی نکاح کر دینا چاہتا ہوں، علم وفضل کے آفتاب وماہتاب دونوں صاحب زادوں نے عرض کیا، یہ ہم دونوں کے ساتھ ان بچوں کی خوش نصیبی ہوگی کہ آپ اپنی ولایت ووکالت میں عقد فرمادیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ نے ان دونوں کا

www.muftiakhtarrazakhan.com

صغرسنی میں نکاح کردیا اور جب اس کی اطلاع اہل خانہ کو ہوئی، تو سبھی خرد وکلاں باغ باغ ہوگئے۔اس کے بعد دونوں اپنے اپنے گھر اسلامی ماحول میں پروان چڑھنے لگے، یہاں تک کہ اسی کے درمیان اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے پردہ بھی فرمایا۔ گویا تقریباً سولہ سال کے بعد جب حضرت جیلانی میاں قبلہ کی عمر اکیس سال آٹھ ماہ کی ہوگئی تو خاندانی رسم ورواج کے مطابق اعزہ واقارب اور دوست واحباب کی موجودگی میں رخصتی عمل میں آئی۔یعنی دھوم دھام کے ساتھ شادی ورخصتی کی تقاریب منعقد ہوئیں، جن میں مشائخ عظام، علمائے کرام، طلبائے منظر اسلام، اعزہ واقارب اور دوست واحباب شریک بزم ہوئے۔حضور حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے منظوم دعوت نامہ جاری فرمایا، جو اس وقت کے ماہنامہ ''یادگار رضا'' میں بھی شائع ہوا، جس کے بعض اشعار یہ ہیں یہ تقریب ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں منعقد ہوئی۔

بعد الحمد فصل گل آئی جوبنوں پر ہے حسن آرائی
گل وبلبل کی ہے رچی شادی ہو مبارک یہ خانہ آبادی
میرے لخت جگر کی ہو شادی میرے نور نظر کی ہو شادی
لخت دل میرا پیارا ابراہیم برضائے رضا سعید وسلیم
خالق مصطفیٰ کی رحمت سے غوث اعظم کی پھر عنایت سے
نیک ساعت ہے شبھ گھڑی آئی میں نے منہ مانگی آرزو پائی
چارشنبہ کو شب کے آٹھ بجے بعد پچیس کے جو شب آئے
اور چھبیس ویں کو ہے رخصت لائیں تشریف تو زہے عزت
ہے بہاروں پہ خوب ہی جوبن یعنی دلہن کی ہے پھبن میں چمن
ہے نواسنج مرغ لاہوتی بولتا ہے حجاز کا طوطی
جوش پہ آئے ولولے دل کے جذبے یوں دل کے گدگدانے لگے
میرا نور نگاہ جیلانی بندہ بارگاہ جیلانی

آرزو تھی کہ اس کی شادی رچے خیر سے اپنے گھر دلہن آئے
نوری فیض وکرم عنایت سے اعلیٰ حضرت ہی کی کرامت سے

www.muftiakhtarrazakhan.com

ٹھہری تاریخ ماہ فاخر کی یعنی ماہ ربیع الآخر کی
بعد سہرے کی رسم کے اس رات جائے گی مصطفیٰ کے یہاں بارات
جمعہ کی صبح کو کرم حضرت ہے ولیمہ کی دعوت سنت
عرض حامد رضا ہے منت سے اس گدا پر کرم ہو شرکت سے

اعلان نیابت وجانشینی

متذکرہ بالا فرائض اور معمولات زندگی کی ادائیگی میں تقریباً پندرہ سال کا زمانہ گزر گیا، حضور حجۃ الاسلام کی خواہش تھی، کہ اپنی زندگی ہی میں خلف اکبر کو اپنا سجادہ نشیں مقرر فرمادیں، چنانچہ حضور حجۃ الاسلام نے اپنے وصال سے قبل باضابطہ تحریری طور پر حضور مفسر اعظم مولانا شاہ ابراہیم رضا جیلانی اور مولانا حماد رضا خاں نعمانی رحمۃ اللہ علیہما کی خلافت کا اعلان فرمایا، ساتھ ہی ساتھ حضرت جیلانی میاں قبلہ کو اپنا نائب مطلق، خانقاہ عالیہ رضویہ کا سجادہ نشیں ودار العلوم منظر اسلام کا مہتمم اور جائداد منقولہ وغیر منقولہ کا متولی نامزد فرمایا، حالاں کہ اس سے قبل ۱۳۴۴ھ کے ماہ شعبان میں بھی دستار فضیلت کے پر مسرت موقع پر حضرت جیلانی میاں قبلہ کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کا مجاز وماذون بنا چکے تھے، لیکن تحریری اعلان کا مقصود یہ تھا کہ جیلانی میاں سیر وسیاحت، دیہات کی آمد ورفت اور روسائے شہر کی گرفت سے آزاد ہو کر پوری دلجمعی ولگن کے ساتھ آباواجداد کے دینی وملی مشن کو آگے بڑھائیں۔ یہ اجازت وخلافت اور نیابت نامہ اپنے وصال سے ڈھائی ماہ قبل حضور حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کی عطا فرمودہ سند کی نہج پر تحریر فرما کر عرس اعلیٰ حضرت صفر ۱۳۶۲ھ مطابق مارچ ۱۹۴۳ء میں حاضرین کو سنایا اور علمائے شریعت، مشائخ طریقت کی تصدیق وتوثیق کے بعد رجسٹری کرائی۔ حضور مفسر اعظم حضرت جیلانی میاں قبلہ اپنے دور ارشاد میں اسی اجازت وخلافت نامہ کی عبارتوں کو مختصر حذف واضافہ کے ساتھ نقل فرماتے اور اپنے مجاز وماذون کو خلافت عطا فرماتے تھے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

سجادگی

حضور حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا وصال پر ملال ۱۷؍جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ/۲۳؍مئی ۱۹۴۳ء کو ہوااور آپ نے وصال سے قبل باضابطہ تحریری طور پر حضرت جیلانی میاں قبلہ کو سجادگی ، نیابت، اہتمام دارالعلوم منظر اسلام اور تولیت وغیرہ سونپ دی تھی ، جس کی تائید وتوثیق علمائے کرام نے فرمائی تھی۔حضور حجۃ الاسلام کے عرس چہلم کے موقع پر جب علمائے ربانیین کا جم غفیر موجود تھا، مارہرہ مقدسہ کی تائید سے آپ کو عملاً دارالعلوم منظر اسلام کا مہتمم اعلیٰ ، خانقاہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کا زیب سجادہ اور جائداد موقوفہ متعلق بجامعہ وخانقاہ کا متولی بنایا گیا،لیکن عرس شریف کے پروگرام کے بعد جامعہ کے اندرونی حالات اور بعض احباب کی روش کو دیکھتے ہوئے اہتمام وسجادگی سے لپٹ کر بیٹھ جانا آپ نے مناسب نہیں جانا ، بلکہ گاؤں کی آمدورفت اور وہاں کی زراعت کی دیکھ بھال آپ نے جاری رکھی۔

فراغت کے بعد مصروفیات

حضرت جیلانی میاں قبلہ کی تعلیم وتربیت اسی نہج پر ہوئی تھی جو آپ کے خاندان عالی شان کا طرہ امتیاز رہا ہے، آپ کا باضابطہ تعلیمی وتادیبی داخلہ اگرچہ جامعہ رضویہ منظر اسلام میں ہوا اور آپ نے مدرسین ومعلمین موجودہ سے خوب خوب استفادہ بھی فرمایا، لیکن تفسیر وحدیث اور فقہ حنفی کا خصوصی درس اپنے والد ماجد حضور حجۃ الاسلام سے لیا اور حضور حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے درسیات کے ساتھ ساتھ حضور پرنور رحمۃ للعالمین سید المرسلین علیہ وعلیہم السلام کی عزت وعظمت کی حمایت، فرق باطلہ کی تردید واہانت اور فقہ حنفی کی اشاعت کا جذبہ گویا گھول گھول کر پلا دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ یہ تینوں روشن ابواب آپ کی کتاب زندگی کے ہر ورق بلکہ ہر سطر سے ظاہر وباہر ہیں، اگر خاندانی روش کے مطابق آپ کی تعلیم وتربیت نہ ہوئی ہوتی اور حجۃ الاسلام کے خصوصی درس کا اثر آپ پر نہ ہوتا، تو رؤسائے شہر اور امیرزادوں نے جس طرح آپ پر کمندیں ڈالی تھیں کہ آپ کے پائے ثبات میں لغزش آنی کوئی ناممکن بات نہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

تھی، لیکن اعلیٰ حضرت کی نگاہ کرم اور خاندانی پرورش و پرداخت کے اثر نے آپ کو استقامت وعزیمت عطا فرمایا۔ آپ کے احباب میں جہاں جامعہ کے فاضل مدرسین اور منتہی طلبائے دینیہ تھے، وہیں شہر کے بڑے بڑے رئیس زادے، رام پور اور بدایوں کے جاگیردارانہ مزاج رکھنے والے امیر زادے بھی تھے اور گھریلو لاڈ پیار کی وجہ سے خود آپ کا مزاج بھی شاہانہ تھا، نشانہ بازی اور گھوڑ سواری کا شوق تھا، اگر کوئی گھوڑا یا بندوق پسند آجاتا، تو اسے حاصل کر کے چھوڑتے، مطبع اہلسنت بریلی کے اہتمام اور طبع ہونے والی کتب ورسائل کی تصحیح نیز پریس کے کارندوں کی دیکھ بھال آپ کے ذمہ تھی، آپ اپنی ذمہ داریوں کو خوب اچھی طرح انجام دے رہے تھے، جب دارالعلوم منظر اسلام کے مدرسین یا منتہی طلبہ کے ساتھ بیٹھ جاتے تو دیر دیر تک علمی وفنی مباحث چلتے رہتے، جس سے آپ بہت زیادہ محظوظ ہوا کرتے تھے، اسی درمیان کبھی کبھی آپ اپنے علاقہ جاگیر میں بھی سیر وشکار کے لیے نکل جایا کرتے، ساتھ ہی ساتھ جاگیر کا انتظام بھی دیکھتے اور اپنی زراعت میں سیر بھی کیا کرتے تھے، سیر وشکار کے لیے کبھی تنہا ہی نکل جاتے اور کبھی بریلی، رام پور اور بدایوں کے امرازادے بھی ساتھ ہو جاتے، اس طرح اپنے والد ماجد کی موجودگی میں زندگی کے شب وروز باحسن وجوہ گزارنے لگے۔

حضرت جیلانی میاں مسند ارشاد پر

حضرت جیلانی میاں قبلہ اپنی پیدائش کے بعد ہی سے پورے خانوادہ رضویہ کے پیارے اعلیٰ حضرت سے استفادہ کرنے والے حضرات علمائے کرام کی آنکھوں کے تارے اور سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ سے منسلک ہونے والے طالبوں کے سہارے تھے۔ مشائخ کرام اور علمائے اعلام آپ کے بچپن کی اٹھان کو دیکھ کر ہی یہ سمجھ رہے تھے کہ ایک نہ ایک دن یہ قطب الارشاد کی مسند پر ضرور متمکن ہوگا۔ غالبًا اسی لیے صرف چار سال چند مہینے کی عمر میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان تمام سلاسل طریقت کی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمادیا، جو ان کے مشائخ کرام سے انہیں ملے تھے، پھر اپنی زبان سے فرما کر حضرت جیلانی میاں قبلہ کی حقانیت وکامیابی پر مہر لگادی۔ انیس سال کی عمر

میں حضور حجۃ الاسلام مرشد الانام علیہ رحمۃ السلام نے الاجازۃ المتینۃ کے مطابق سلاسل طریقت کی اجازت وخلافت عطا فرمائی۔

۳۷ رسال کی جوانی میں آپ کو حضور سیدنا مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اپنی خلافت نوریہ برکاتیہ اور ان سلاسل کی اجازت وخلافت تفویض کی ، جو حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کو ان کے پیر ومرشد خاتم المشائخ سیدنا ومولانا سید ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ اور اپنے والد ماجد سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے ملی تھیں۔ چھتیس سال کی عمر شریف میں آپ کے والد ماجد حضور حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے تحریری طور پر آپ کو اپنی نیابت وخلافت وسجادگی اور تولیت بخشی ۔۴۵/۴۶ رسال کی عمر میں قطب مدینہ، خلیفہ اعلیٰ حضرت، ضیاء الرضا، شیخ العلما حضرت مولانا شاہ ضیاء الدین مہاجر مدنی اور دیگر مشائخ مکہ ومدینہ، شام والجزائر رحمہم اللہ تعالیٰ نے مختلف طرق معرفت وروحانیت سے شاد کام وفائز المرام کیا۔

اس طرح آپ تمام سلاسل تقوی وطہارت، طریقت ومعرفت سے آراستہ اور شرعی علوم وفنون سے پیراستہ ہوکر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے اس مسند ارشاد وہدایت پر جلوہ بار ہوئے، جس کی زیب وزینت مسلسل بائیس سال تک حضور حجۃ الاسلام مرشد الانام بنے ہوئے تھے اور وہ سجادہ عظمت ان دونوں بزرگوں کے فیوضات روحانیہ کا مرکز ومنبع بن چکا تھا۔ اس وقت حضور قطب الارشاد شہزادہ اعلیٰ حضرت سیدنا مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ بقید حیات تھے، لیکن خاندانی اصول کے مطابق بڑے صاحب زادے کی سجادگی بشرط علم وعمل پر نہ صرف راضی تھے، بلکہ معاندین کو خاموش کرنے کے لیے اپنی حمایت واعانت کا سایہ اپنے پسر نسبتی کے سر پر دراز فرمادیا تھا اور جب کوئی حضرت جیلانی میاں پر زبان اعتراض دراز کرتا تو آپ یہ فرما کر اسے خاموش کردیتے، کہ جیلانی میاں کو میں نے خلافت دی ہے اور اس منصب پر میں نے بٹھایا ہے۔

مسند سجادگی پر فائز ہونے کے بعد آپ نے دارالعلوم منظر اسلام کے اہتمام کے علاوہ سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کی اشاعت کا کام بھی زور وشور سے شروع کیا، اس کے لیے آپ نے ملک بھر کا دورہ کیا، مسلک اعلیٰ حضرت کی تشہیر واشاعت کے لیے ماہنامہ اعلیٰ حضرت میں

www.muftiakhtarrazakhan.com

مضامین لکھنا شروع کیا، کتابچے اور رسائل مطبوعہ کو جلسہ وجلوس میں مفت تقسیم کیا، مبلغین کو دور دراز علاقوں میں بھیجا۔

سلسلہ عالیہ قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ کے علاوہ مفسر اعظم کو سلسلہ بدیعیہ اور سلسلہ منامیہ کی خلافت بھی حاصل تھی، لیکن سلسلہ بدیعیہ کا ذکر اب اس لیے عبث ہے کہ موجودہ دور میں اس مبارک سلسلہ کے خلفا کی بے احتیاطیوں کو دیکھتے ہوئے علمائے اہل سنت کے محقق وتبحر علما نے اس پر کلام فرمایا ہے، بلکہ سلسلہ سوخت قرار دیا ہے۔ البتہ سلسلہ منامیہ کا فیضان جاری ہے اور رسول کریم رؤف ورحیم علیہ التحیۃ والتسلیم آقا سے زیادہ قریب ہے۔ اس مبارک سلسلہ میں بھی حضور مفسر اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے والد ماجد اور جد امجد علیہما الرحمہ سے بیعت فرمائی، انہوں نے اپنے مرشد کامل خاتم العرفا حضرت سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انہوں نے اپنے سچے خوابوں میں امام الاولیا امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ہاتھ پر بیعت کی اور مولائے کائنات نے حضور پرنور رسول کائنات علیہ افضل الصلوات کے مبارک ہاتھوں میں ہاتھ دیا، جن کے ہاتھوں پر دست قدرت رحمت فگن ہے۔

اس طرح یہ سند صرف چار واسطوں کے ساتھ "یداللہ فوق ایدیھم" کے خلوت خانہ ناز تک پہنچ جاتی ہے اور ارادت مندوں کے لیے براہ خواب فیضان کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ وللہ الحمد۔

حضور مفسر اعظم بحیثیت مرشد کامل

حالات وایام کے الٹ پھیر کے ساتھ ساتھ حضور مفسر اعظم ہند کے حالات میں واضح تبدیلیاں نمایاں ہوگئیں، آپ کے زہد وتقوی، علم ومعرفت، خشیت الٰہی اور حسن تدبر کو دیکھ کر اپنے پرائے سب متاثر ہونے لگے۔ خلائق آپ کے گرد جمع رہنے لگی، علما وطلبہ سب ہی استفادہ کرنے لگے، وطن اور غیر وطن میں شاید ہی آپ کی کوئی ایسی نشست ہوگی، جس میں دو چار آدمی حلقہ ارادت میں داخل نہ ہوتے ہوں، اس وقت ہندوستان کی سرزمین پر دو چار ہی ایسی شخصیتیں تھیں، جن کی زندگی ہی میں ان کے کشف وکرامت کے تذکرے

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہونے لگے تھے، ان میں سے ایک آپ کی شخصیت بھی تھی، یہ بھی وجہ تھی کہ خواص وعوام آپ سے مربوط ہونے لگے تھے، اور نہ صرف رابطے تک یہ بات محدود تھی، بلکہ آپ کے حلقۂ ارادت وبیعت میں دے کر لوگ اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتے تھے۔ سلطان پور، فیض آباد، رائے بریلی، غازی پور، کھیری، پیلی بھیت، بنارس، نیتی تال، مظفر پور، سیتامڑھی، دربھنگہ، پالی مارواڑ، جے پور، اودے پور، ترائی نیپال، بنگال، ہوڑہ، کلکتہ، بمبئی، راجستھان، چتوڑ گڑھ، احمد آباد گجرات اور آسام وغیرہ صوبہ جات ومقامات میں ہزاروں ہزار آپ کے مریدین ومعتقدین کا حلقہ پھیل گیا، مریدین میں بیشتر تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو وہابیت ودیوبندیت اور تبلیغی جماعتوں سے توبہ کر کے حلقہ ارادت میں آئے تھے۔

کبھی کبھی تو جلسوں میں ایسا ہوتا کہ بیک وقت سیکڑوں آدمی توبہ کرتے اور سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں داخل ہوتے، آپ نے ابتداءً مریدوں کا نام وپتہ لکھوانا شروع کیا، پھر اس رجسٹر ہی کو ضائع کرا دیا اور فرمایا، نام لکھنے سے کوئی فائدہ نہیں، جس جس کے اندر جذبہ ارادت ہوگا وہ خود اپنی ارادت کے مطابق حصہ پالے گا اور جہاں تک دارالعلوم اور اس کے معاونت کا تعلق ہے تو یہ ادارہ اعلیٰ حضرت کا ہے، اعلیٰ حضرت کی نظر کرم رہنی چاہیے پھر اسے آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

حضرت کے دست حق پرست پر علما اور عوام کے علاوہ بعض جن بھی تائب ہوئے اور اپنی قوم میں سنیت کو فروغ دینے کا وعدہ کیا۔

مفسر اعظم

جب سے آپ نے میدان تقریر میں قدم رکھا، لفاظی گورکھ دھندوں، زبان وبیان کے چٹخاروں اور رطب ویابس واقعات کو بیان کرنے سے گریز کیا، اکثر فرماتے تھے، زبان وبیان کی فصاحت وبلاغت دل کے تقوی وطہارت کو مجروح کر دیا کرتی ہے، اس لیے صرف واہ واہی لوٹنے کے لیے اس کی کوشش نہ کرے، ہاں! اگر بے عزم وارادہ بعض قوافی زبان پر جاری ہو جائیں تو اس کے استعمال میں چنداں مضائقہ نہیں، بلکہ کبھی سحر طرازی کا کام دیتے ہیں،

www.muftiakhtarrazakhan.com

آپ کی تفسیری نکات ولمعات کا شہرہ دارالعلوم منظر اسلام کی درس گاہ سے شروع ہوا، جہاں کبھی کبھی تفسیر جلالین اور مدارک شریف کا درس دیا کرتے تھے، یہ دونوں تفسیریں آپ کے نظام الاسباق میں شامل نہیں تھیں، محض اپنے ذوق علمی کی وجہ سے آپ کا یہ درس درس عام ہوتا تھا، جس میں سینئر طلبا و مدرسین اور باہر سے آئے ہوئے مہمانان خصوصی بھی شریک ہوتے تھے۔

پھر پرانے شہر بریلی میں جہاں جہاں جلسے اور محافل کا اہتمام ہوتا، وہاں خاص طور پر آپ سے فرمائش ہوتی کہ آپ صرف قرآن پاک کی تفسیر بیان فرمائیں، آپ کے بیان کا انداز یہ تھا کہ پہلے چند آیات کریمہ کی تلاوت فرماتے، کنزالایمانی ترجمہ سناتے، بعض دوسرے مترجمین کے ترجموں کا موازنہ ترجمہ اعلیٰ حضرت سے کرتے، پھر آیات متلو کی لفظی ومعنوی مطابقت قرآن پاک کی جن دوسری آیتوں سے ہوتی، ان آیتوں کی تلاوت وترجمہ فرما کر، اگر حضرت امام بخاری نے تلاوت کردہ آیت کریمہ سے متعلق کوئی باب باندھا ہے تو اس میں سے دو ایک حدیث پاک کا متن اور ترجمہ پیش کرتے۔ اس کے بعد مسلم شریف اور دیگر کتب صحاح کی ان حدیثوں کو پڑھتے، جو تلاوت کردہ آیات کریمہ کے مفہوم سے متعلق ہوتیں اور ان حدیثوں پر حضرت امام نووی، حضرت قاضی عیاض، علامہ علی قاری اور شیخ محقق محدث دہلوی کی تشریحات پیش فرما کر نتیجہ نکالتے اور نہایت شرح صدر کے ساتھ عوام کے سامنے بیان کرتے، آپ کے اس طریقۂ استدلال پر حاضرین علما وطلبہ عش عش کرنے لگتے، مرحبا اور نعرہائے تکبیر ورسالت سے فضا گونج اٹھتی۔

آپ کے اس خصوصی انداز نے بریلی، پیلی بھیت، رام پور، بدایوں، بہیڑی اور شاہ جہاں پور وغیرہ سے نکال کر آپ کو ملک گیر مقرر بنا دیا، جس شہر وآبادی میں دو ایک روز کے لیے تشریف لے جاتے، وہاں ہفتہ عشرہ آپ کو رہنا پڑتا اور روزانہ دو دو تین تین محفلوں کا انتظام ہوتا۔ پھر آپ کی مفسرانہ تقریر ووعظ کا اس قدر شہرہ ہوا کہ عوام وخواص مفسر قرآن کے نام ولقب سے آپ کو جاننے پہچاننے لگے۔ اسی درمیان دس دنوں کا پروگرام کان پور کا بنا، کان پور پہنچ کر ایک مشہور تاجر چرم کے یہاں کنگھی محال میں قیام کیا، اس زمانہ میں مسلمانان کان پور عالی جناب صوفی عزیز احمد نوری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی شاہنامہ اسلام سننے کا

www.muftiakhtarrazakhan.com

بڑا اچھا ذوق رکھتے تھے، ان کا ہر ایک مجمع کم وبیش ایک لاکھ سامعین پر مشتمل ہوتا تھا، چند دنوں تک وہ حضرت والا کے ساتھ رہے، ہر جلسہ کی شروعات ان کے شاہ نامہ سے ہوتی، پھر راقم الحروف (مفتی عبدالواجد قادری) تمہیدی تقریر کرتا اس کے بعد حضرت والا اپنے مفسرانہ انداز میں وعظ شروع فرماتے، حضرت کے وعظ نے سامعین کے ذوق طلب کو اس قدر بڑھا دیا کہ ایک ہفتہ کے بعد روزانہ دو دو تین تین جلسے ہونے لگے، بعض بعض جلسوں میں مفتی اعظم کانپور سلطان المناظرین علامہ مفتی شاہ رفاقت حسین صاحب قبلہ امین شریعت اول بہار اور قاضی شہر حضرت مولانا عبدالسمیع کان پوری رحمۃ اللہ علیہما نے بھی شرکت فرمائی اور حضرت کی تقریر وتفسیر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ مفسر اعظم کے لقب سے یاد فرمانے لگے، کئی بار حضرت والا حضور مفتی اعظم کان پور سے ملاقات کے لیے ان کی قیام گاہ احسن المدارس نئی سڑک تشریف لے گئے اور کئی بار مفتی اعظم کان پور بھی آپ سے ملاقات کے لیے کنگھی محال تشریف لائے، اس زمانہ میں روزنامہ سیاست کان پور کے ایڈیٹر اسحاق علمی صاحب تھے، جو فخر صحافت کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے، حضرت والا کی خدمت میں کئی بار باریاب ہوئے اور دعا کی درخواست کی۔ اپنے اخبار میں حضرت کا پروگرام شرح وبسط کے ساتھ نکالتے رہے اور جلسوں میں بھی شرکت کرتے رہے۔

کان پور کا پروگرام اگرچہ ہفتہ دس دنوں کا تھا لیکن وہاں ۹ ربیع الاول شریف سے ۱۰ ربیع الثانی یعنی مکمل ایک ماہ قیام رہا۔ آپ کے وعظ وتقریر کا شہرہ کان پور کی گلی کوچوں میں ہونے لگا، مقررین ومدرسین، علما آپ کی مجلسی گفتگو میں ذوق وشوق سے شریک ہوتے اور دینی لطف اٹھاتے۔

مفسر قرآن کی زبان سے نکلا ہوا، ہر ایک جملہ بلکہ ہر ہر لفظ قرآن وسنت کا ترجمان اور علم وادب کی آن بان ہوا کرتا تھا، آپ کی خطابت الفاظ وجمل کی جادوگری نہ ہوکر بھی کتاب وسنت کی سچی ترجمانی، حق وہدایت کی روشنی اور علم وفن کا نور ہوا کرتی تھی۔ آپ کی خطابت نے دنیائے سنیت میں ایک نئی روح پھونک دی، وہابیت کے دام فریب میں پھنسے ہوئے ہزاروں انجان مسلمانوں کو توبہ کی دولت نصیب ہوئی اور انہیں آغوش سنیت میں پناہ ملی، راہ سے بھٹکے

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہووں کو صراط مستقیم کی منزل ملی، مسافروں کو مشعل راہ ہاتھ آئی۔ ایک خوش گوار روحانی برسات ہونے لگی، جس میں ایمان وعقیدے کی تطہیر کے لیے بے شمار لوگ نہانے لگے۔

کان پور اور کان پور کے قرب وجوار سے چھٹی ملی تو فتح پور، الہ آباد دو دو روزہ قیام کے بعد بنارس تشریف لے گئے، بنارس میں محلّہ مدن پورہ ہٹیہ کے اندر بنارسی کپڑوں کے مشہور تاجر حاجی جلال الدین وحاجی نصیر الدین کے یہاں قیام فرمایا۔

بعض کشف وکرامت

حضور مفسر اعظم ہند کی تئیس سالہ (۱۳۶۲ھ لغایت ۱۳۸۵ھ) تبلیغی زندگی بے شمار کشف وکرامات اور حیرت انگیز واقعات سے بھرپور ہے۔ آپ کی زندگی کے مختصر حالات جس کو قلم بند کرنے کی میں نے سعادت حاصل کی ہے، اگر اس کو غور سے پڑھیے تو ہر طرف کشف وکرامات کے لولو ولالہ بکھرے نظر آئیں گے، یہاں ان تمام باتوں کو جامۂ تحریر میں مقید کرنا مقصود نہیں بلکہ 'مشتے نمونہ از خروارے' کے طور پر بعض واقعات کی نشاندہی کافی ہے۔

(۱) مضافات کان پور ''اورئی'' میں ایک مرتبہ ہندو مسلم فساد ہوا، جب فساد کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو ''اورئی'' سے چند اشخاص حضرت کی خدمت میں کان پور حاضر ہوئے۔ حضرت ان دنوں کنگھی محال میں قیام فرما تھے، ان لوگوں نے حضرت سے اورئی چلنے پر اصرار کیا۔ حالات اب تک سازگار نہیں تھے، پھر بھی حضرت نے دعوت قبول فرمالی اور تاریخ مقرر پر اورئی تشریف لے گئے، وہاں کے ہائی اسکول میں جلسہ اور قیام کا انتظام ہوا، کیوں کہ مسلمانوں کے اکثر مکانات خاکستر ہو چکے تھے اور آبادی میں کوئی رونق بھی نہیں تھی۔

حضرت مفسر اعظم نے ڈھائی گھنٹے تقریر کی، صلوۃ وسلام کے بعد جب مجمع برخاست ہو گیا، تو چند سربرآوردہ لوگ حضرت سے ملنے کے لیے اسکول ہی میں آئے، بعض ان میں اسکول کے ٹیچر تھے، بعض متمول غیر مسلم تھے اور بعض نیتا قسم کے لوگ تھے، آپ نے سب سے رسمی طور پر گفتگو کی اور جانے کی اجازت دے دی، مگر دو آدمیوں کو روک لیا، پھر ان سے فرمایا ''اپنے ذاتی فائدہ کے لیے اتنے مسلمانوں اور ہندوؤں کا خون بہانا پھر اس پر پردہ ڈالنا

انسانیت کے خلاف ہے تم تو اہنسا کے پجاری ہو، تمہارے دھرم میں بے وجہ کسی کا خون کرنا درست نہیں ہے۔ تم لوگوں نے سیاسی فائدے کے لیے جو کھیل کھیلا ہے، وہ انتہائی گھنونا اور شرمناک ہے، اگر تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے کرتوت کسی پر ظاہر نہ ہوں گے، تو یہ تمہاری نادانی، بندہ مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے، لہذا اس سے ڈرو۔''

حضرت اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے اور آپ کے چہرہ سے جلال نمایاں تھا، ادھر وہ دونوں زار و قطار رو رہے تھے، حضرت نے فرمایا، خیر جو کچھ ہوا وہ ہوا، لیکن یاد رکھو کہ یہاں کے مسلمانوں کی ذمہ داری اب میں نے لے لی ہے، تم اگر چاہو گے بھی تو اب ایک مسلمان کا بال بیکا نہیں ہوگا اور تم نیست و نابود ہو جاؤ گے۔ اتنا سننے کے بعد ان دونوں نے آپ کے قدموں کو تھام لیا اور عرض کرنے لگے، سرکار! ہم سے غلطی ہوئی، ہم کو نہیں معلوم تھا کہ ایک معمولی سی چنگاری ''اورئی'' اور اس کے علاقہ کو تہس نہس کر ڈالے گی۔ ہماری غلطی معاف کی جائے اور ہمیں اپنے چرنوں میں پناہ دی جائے۔ حضرت نے فرمایا، غلطی تو معاف ہو سکتی ہے، لیکن مسلمانوں کے نقصانات کی تلافی کون کرے گا؟ انہوں نے کہا، حضور! ہم سے جہاں تک ہو سکے گا، ہم مسلمانوں کی مدد کریں گے اور ان کو اپنا بھائی سمجھیں گے۔ حضرت والا نے انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ وہ لوگ چلے گئے، مگر ان میں سے ایک پندرہ بیس منٹ کے بعد ہی اپنی بیوی کے ساتھ دوبارہ آیا۔ حضرت نے فرمایا، اب کیوں آئے ہو؟ اس نے عرض کیا، سرکار! میرا دل مجھے ملامت کر رہا ہے، میں اسی وقت آپ کے ہاتھوں پر مسلمان ہو گیا ہوتا، مگر میں نے سوچا کہ شہر میں شور مچ جائے گا، اس لیے خاموشی کے ساتھ میں چلا گیا اور اب اپنی بیوی کے ساتھ مسلمان ہونے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ اطمینان سے بیٹھ گئے، دونوں کو اصنام پرستی سے توبہ کرائی، کلمہ شریف پڑھا کر داخل اسلام کیا، پھر دیر تک نصیحتیں فرماتے رہے۔

صبح میں جب آپ کی روانگی کا وقت آیا، تو شہر اور مضافات کے کافی مسلمان آپ کو رخصت کرنے کے لیے آئے، آپ نے سب کو نصیحتیں کیں اور فرمایا، دین پر قائم رہیے، نماز اور درود پاک کی کثرت کرتے رہیے، اللہ تعالیٰ نے کفر کی شوکت توڑ دی اور آپ لوگوں کو اپنے حفظ و امان میں لے لیا۔

(۲)اورئی سے ناشتہ کے بعد کان پور کے لیے روانہ ہوئے،اورئی اسٹیشن پر پہنچ کر دو ٹکٹ خریدی گئی،تھوڑی دیر بعد ایک تیز رفتار ٹرین کانپور کی طرف جانے والی آ گئی،حضرت نے فرمایا،اس ٹرین کو چھوڑ دو۔حالاں کہ ٹکٹ ایکسپریس ٹرین کا تھا،اب دوسری ٹرین کا انتظار کرنے لگے،اسی درمیان مفتی عبدالمجید صاحب نے پوچھ دیا،حضور!اگر ہم لوگ بجائے فرسٹ کلاس کے سکنڈ یا تھرڈ میں سفر کریں تو پیسوں کا خرچ کم ہوگا اور داعی کے لیے سہولت ہوگی،آپ نے فرمایا،تجویز تو ٹھیک ہے لیکن میں اپنے یا خادم کے ٹکٹ کا بار دعوت دینے والوں پر نہیں ڈالتا،بلکہ نذرانوں کے لیے بھی میری جانب سے کوئی مطالبہ نہیں ہوتا۔تمہاری یہ سوچ کہ پیسے بچیں گے صحیح ہے مگر میں کیا کروں طبیعت شاہانہ پائی ہے،سکنڈ کلاس یا تھرڈ کلاس میں ایسے مسافرین زیادہ سفر کرتے ہیں جو بیڑی سگریٹ پیتے ہیں،نسوار لیتے رہتے ہیں اور میں اس کی بو کو بالکل برداشت نہیں کر پاتا ہوں اور ان درجوں میں اس قدر شور وغل ہوتا رہتا ہے کہ یکسوئی کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا۔پھر بایں جبہ ودستار ان کلاسوں میں سفر کرنے سے علمائے دین کے لباس کی توہین کا ظن ہوتا ہے کیوں کہ عوام کالانعام اسے تمسخر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہی سب وجوہات ہیں کہ میں ان درجوں میں سفر نہیں کرتا ہوں۔

تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد دوسری پسنجر ٹرین آئی،جس میں ہم لوگ بیٹھ گئے،دو اسٹیشن کے بعد وہ ٹرین رک گئی،دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آگے جو ایکسپریس ٹرین جارہی تھی وہ ایک گڈس ٹرین سے ٹکرا گئی ہے،اس لیے جب تک لائن صاف نہیں ہوگی،یہ ٹرین یہیں رکی رہے گی،دو تین گھنٹوں کے بعد جب ٹرینوں کی آمد ورفت شروع ہوگئی اور اگلے اسٹیشن پر ہم لوگ پہنچے،تو دیکھا کہ جس ایکسپریس ٹرین کو چھوڑ دیا تھا وہ اپنے کئی ڈبوں کے ساتھ ریلوے لائن سے اتری ہوئی ہے،جس میں فرسٹ کلاس کا ڈبہ بھی شامل تھا اور گڈس ٹرین کا سامان منتشر بکھرا پڑا ہے،حضرت نے استغفار پڑھتے ہوئے فرمایا:اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کے طفیل درود اسم اعظم کی برکتوں سے ہمیں ہلاک ہونے سے بچالیا۔

(۳) آپ سے جتنی کرامتوں کا صدور وظہور ہوتا،آپ ان سب کو درود اسم اعظم کی برکت بتاتے اور یہ ممکن بھی ہے کیوں کہ آپ درود اسم اعظم کے عامل تھے اور اس کی برکتوں

www.muftiakhtarrazakhan.com

نے آپ کو صاحب کرامت بزرگ بنا دیا تھا، جس کا اظہار کبھی کبھی آپ خود بھی کیا کرتے تھے۔ ضلع ہوڑا (مغربی بنگال) کے شیب پور علاقہ میں ایک شخص کو شدت کا بخار آیا، وہ ڈاکٹروں کی طرف رجوع کرتا رہا، لیکن بخار دن بدن بڑھتا ہی گیا، یہاں تک کہ اس کے دماغ میں بخار سرایت کر گیا، جب بخار کی شدت ایک سو آٹھ ڈگری تک پہنچ گئی تو ڈاکٹر نے جواب دے دیا، اس بیمار کے عزیز واقارب اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ حضرت کے ایک جاں نثار مرید کے اشارے پر بیمار کے گھر والے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منت وسماجت کرنے لگے، حضرت اسی وقت مریض کے پاس پہنچے، اس کا سارا جسم آگ کی طرح تپ رہا تھا، حضرت نے اس کے جسم پر ہاتھ رکھا اور درود اسم اعظم پڑھنے لگے، کچھ دیر کے بعد لوگوں نے دیکھا، کہ مریض کے جسم کی گرمی تو کم ہو رہی ہے، مگر حضرت کا جسم گرم ہوتا جا رہا ہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک یہ عمل جاری رہا اور اسی درمیان مریض بالکل بھلا چنگا ہو گیا، لیکن آپ کی کیفیت یہ ہو گئی، کہ آپ بخار کی شدت سے لڑکھڑانے لگے، تمام حاضرین، مرید ومعتقدین آپ کی اس حالت کو دیکھ کر گھبرانے لگے اور ڈاکٹر کے بلانے کی تجویزیں ہونے لگیں، آپ نے وہیں بیٹھے بیٹھے سب کو تسلی دی اور فرمایا، ان شاء اللہ تعالیٰ مجھے کچھ نہیں ہوگا، بخار کی شدت کے عالم میں آپ نے چائے نوش فرمائی، پسینوں کی اتنی کثرت ہوئی، گویا آپ ابھی غسل خانہ سے باہر آرہے ہیں، بنیائن وغیرہ سب تر بتر ہو گئی، کچھ دیر کے بعد آپ کی حالت پھر اعتدال پر آ گئی، جسے دیکھ کر حاضرین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور سب نے نعرہ ہائے تکبیر ورسالت بلند کی۔

تقسیم ہند

۱۹۴۷ء میں متحدہ ہندوستان انگریزوں کے پنجہ استبداد سے آزاد ہوا، لیکن ساتھ ہی ساتھ تقسیم ہند کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا، پورا ملک افراتفری کا شکار ہو گیا۔ کہیں اکھنڈ بھارت کے شور شرابے تھے تو کہیں لے کے رہیں گے پاکستان کا نعرہ تھا۔ ان نعروں نے پورے ہندوستان کی فضا کو مکدر کر دیا۔ بالآخر تقسیم کی بات چیت میدان سے سمٹ کر گول میز پر آ گئی اور اس وقت کی دو بڑی سیاسی تنظیموں (کانگریس اور مسلم لیگ) نے اپنے اپنے حصوں کو وسعت دینے کے

لیے سیاسی جوڑتوڑ شروع کی۔ ہندوستان کا کوئی صوبہ ایسا نہیں تھا، جہاں صرف ہندو یا صرف مسلمان رہتے ہوں، یا صرف سکھوں کی آبادی ہو۔ ہاں غالب اکثریت کے علاقے ضرور تھے اور جہاں غالب اکثریت تینوں قوموں میں سے کسی کی نہیں تھی وہاں کے قومی لیڈروں کو ان دونوں تنظیموں نے اپنانے کی کوشش کی۔ چنانچہ بمبئی کی ایک بلڈنگ کے روم سے چند گھنٹوں ہی کے اندر کانگریسی لیڈروں کے اشارہ پر جمیعۃ العلما کی ایک نئی تنظیم برآمد ہوئی، جس نے جمیعۃ العلماء ہند اور جمیعۃ علمائے اسلام پاکستان کا روپ دھار لیا۔ اور ان دونوں جمیعتوں کے سربراہ وعہدیداران وہی انگریزوں کے زرخرید مولوی لوگ ہوگئے، جنہوں نے انگریزی دور حکومت میں مسلمانوں کے ایمان عقیدے پر ڈاکے ڈالے اور مسلمانوں میں اختلاف وانتشار پیدا کیا۔ اب ان تنظیموں کے ذریعہ انہوں نے پھر مسلمانوں کو دو حصوں میں بانٹنا چاہا، نتیجہ کے طور پر مسلمانان ہند پھر دو نظریوں کے شکار ہوگئے کچھ مسلمانوں نے کانگریس کی حمایت کی اور کچھ نے مسلم لیگ کی، اس کھینچا تانی نے ہندو مسلم، سکھ عیسائی کے درمیان پیٹرول چھڑکنے کا کام کیا اور ہندوستانی باشندوں کے درمیان شدید نفرت وحقارت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اسی درمیان مسلم اکثریت والے علاقے مشرقی ومغربی پاکستان کے نام پر ان لیڈروں کے حوالے کر دیا گیا، جو بزعم خود مملکت خداداد جمہوریہ اسلامی کی داغ بیل رکھنا چاہتے تھے، مگر آج تہتر سال گزر جانے کے بعد بھی ان کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکا ہے اور ہندوستان کا درمیانی بڑا حصہ ان لیڈروں کے زیر انتظام دے دیا گیا، جو کسی خاص مذہب کے عمل دخل کے بغیر لامذہبی جمہوری بنیادوں پر ملک چلانے کے داعی تھے، ظاہر ہے کہ یہ ایسا دعوی تھا جس کے حامی ومددگار نسبتاً بہت زیادہ تھے، لہذا زیادہ بڑا حصہ ان کے ہاتھوں میں آیا۔

تقسیم ملک کے بعد مہاجرت وشرنارتھی کا قیامت خیز ہنگامہ برپا ہوا، یعنی جو لوگ جمہوریہ اسلامی کا خواب دیکھ رہے تھے، انہوں نے مسلم اکثریتی علاقوں کی طرف رخت سفر باندھا اور جو لوگ اکھنڈ بھارت کا سپنا دیکھ رہے تھے، وہ ہندو اکثریتی علاقوں کے طرف چل دیے۔ لیکن یہ چل چلاؤ اتنا مہنگا پڑا کہ ہزاروں مساجد ومعابد، منادر وگرودوارے نذر آتش ہوگئے۔ لاکھوں عورتیں بیوہ اور کروڑوں بچے یتیم وبے سہارا ہوگئے، لاشوں سے بھری ہوئی

www.muftiakhtarrazakhan.com

ٹرینوں کی درآمد و برآمد ہونے لگیں۔ سیکڑوں لاپتہ ہوگئے، پورا برصغیر زلزلہ عظیم کی آغوش میں آگیا۔ آگ کے شعلوں نے قیامت برپا کردی۔ جگہ جگہ خون کی ایسی ہولی کھیلی گئی، جس سے گلی کوچے ہی نہیں نالے پرنالے بھی رنگین ہوگئے۔ آدم علیہ السلام کی اولاد آپس میں ''ویسفک الدماء'' کا کھلے عام مظاہرہ کرتی رہی اور ابلیس ٹھٹے مار مار کر ہنستا رہا۔

لیکن اس ہماہمی اور دہکتے ہوئے شعلوں کے درمیان بھی ملک کے بیشتر حصوں میں ایسے امن پسند اور شانتی جویاں حضرات یا چھوٹی چھوٹی تنظیمیں موجود تھیں، جو اس قیامت خیز ہنگامہ کو فرو کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ وہ حضرات چاہتے تھے کہ اس نام نہاد ہجرت کا سلسلہ بند ہو۔ لوگ اپنے اپنے آبائی وطن میں رہ کر اطمینان و وقار کے ساتھ زندگی بسر کریں اور دستور و آئین کے مطابق اپنے واجبی حقوق کو حاصل کریں تاکہ مٹھی بھر غنڈوں اور انسانی سوداگروں کو کھیل کھیلنے کا موقع نہ ملے۔

انہی حضرات میں حضرت جیلانی میاں قبلہ کی ذات گرامی بھی تھی، جو اس خاک وخون کے ماحول میں دور دراز علاقوں کا سفر فرماتے اور مسلمانوں کو ترک وطن سے روکتے پنجاب کے پٹودی علاقے، مارواڑ اور راجستھان کے سرحدی علاقے اور اتر پردیش کے مختلف علاقوں میں تن تنہا تشریف لے گئے، جہاں اجتماعی حیثیت سے آپ نے تقریریں کیں، امن وامان کی ترغیب دی، ترک وطن کے مضرات کو سمجھایا اور وطن میں رہ کر اپنے حقوق حاصل کرنے کا حوصلہ دیا۔

پھر بریلی سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہجرت مخالف تحریک کا باضابطہ آغاز فرمایا۔ شہروں اور دیہاتوں میں دھواں دھار تقریریں کیں، پمفلیٹ چھپوا چھپوا کر تقسیم کروایا، جس کے نتیجہ میں بریلی، بدایوں اور رام پور وغیرہ شہروں اور اس کے قصبات کے بہت سے مسلم گھرانے ترک وطن سے باز آئے۔ آپ کے ان کارناموں کو دیکھ کر بھارت کی نئی حکومت کے حکمرانوں اور سیاسی لیڈروں نے آپ کو ملکی سیاست میں اتارنا چاہا اور بعض عہدوں کی پیش کش بھی کی، لیکن آپ نے عملی طور پر سیاست میں حصہ لینے اور عہدہ کو قبول کرنے سے صاف صاف انکار کردیا اور فرمایا، میں نے جو کچھ کیا وہ کسی سیاسی مفاد کا حصہ نہیں ہے بلکہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

اپنے ضمیر کی آواز پر کیا ہے اور قوم وملت کی بہتری سمجھ کر کیا ہے ۔

ان کا جو فرض ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

سیاست میں لانے کی آخری کوشش

حضرت جیلانی میاں قبلہ جب اپنی روش پر قائم رہے اور کسی سیاسی لیڈر کی کوشش کامیاب نہیں ہوئی، تو اس وقت کے مشہور سیاست داں اور قومی لیڈر گوبند بلبھ پنت نے حضرت والا سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح حضرت جیلانی میاں کو اپنی حمایت میں لے لے، تاکہ مسلمانوں کا ووٹ بغیر کسی کدوکاوش کے اسے ملتا رہے، لیکن حضرت نے ملاقات کی اجازت نہیں دی۔ بالآخر وہ مجبور ہوکر بغیر دعوت کے بریلی پہنچا اور حضرت کے آستانہ پر حاضر ہونا چاہا، بغیر اطلاع کے حضرت کی قیام گاہ محلّہ خواجہ قطب پہنچ گیا۔ لیکن حضرت اس کے پہنچنے سے پہلے ہی پرانے شہر جا چکے تھے۔ گوبند بلبھ پنت نے کچھ دیر انتظار کیا اور خواجہ نیاز بریلوی کے حلقہ مزار میں ٹھہرا رہا۔ لیکن حضرت واپس تشریف نہیں لائے۔ مجبور ومایوس ہوکر وہ لوٹ گیا، تو حضرت اپنے دولت کدہ پر تشریف لائے اور فرمایا کہ جن شرطوں میں اس سے ملاقات کرسکتا تھا، وہ ان شرطوں کو پوری کرنے کی نہ اہلیت رکھتا ہے اور نہ اس کے پاس ایسی طاقت ہے کہ طاقت کے بل بوتے پر ان شرطوں کو پوری کرسکے تو ایسی صورت حال میں اس سے ملاقات عبث تھی، اس لیے میں پرانے شہر چلا گیا۔

دارالعلوم منظر اسلام کا اہتمام

جامعہ رضویہ منظر اسلام کا قیام اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کے حکم سے عمل میں آیا تھا، لیکن اس کے بانی مبانی حضور حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی اور اس جامعہ کا تاریخی نام منظر اسلام ۱۳۲۴ھ حضرت استاذ زمن علامہ حسن بریلوی (برادر اعلیٰ حضرت) نے تجویز فرمایا تھا۔ اس جامعہ کے بانی وسربراہ اعلیٰ حجۃ الاسلام تھے اور اعلیٰ حضرت کے ایما پر

اس کے مہتمم اول حضرت استاذ زمن علامہ حسن تھے۔اوراس کی نیابت حجۃ الاسلام کے خادم خاص حضرت فدایار خاں کو حاصل تھی ، پھر تین سال کے بعد جب اہتمام کی ذمہ داری بھی حضور حجۃ الاسلام پر آ گئی تو اس وقت بھی فدایار خاں صاحب نائب مہتمم تھے۔پھر وصال سے پہلے حضور حجۃ الاسلام نے جامعہ منظر اسلام کا اہتمام حضرت علامہ مفتی تقدس علی خاں صاحب (پسر نسبتی) کے حوالے کر دیا، جس کو ترک وطن سے پہلے پہلے آپ باحسن وجوہ نبھاتے رہے، اسی درمیان حجۃ الاسلام کا وصال پر ملال ہوگیا اور وصال سے پہلے تقریری وتحریری طور پر حجۃ الاسلام نے اپنے بڑے صاحب زادے حضرت جیلانی میاں قبلہ کو خانقاہ کی سجادگی ، جامعہ کا اہتمام اور جائداد موقوفہ کا متولی نامزد فرمایا تھا ،مگر ملک بھر میں سیاسی اتھل پتھل ، انگریزی حکومت کا خاتمہ، انگریزوں کا ہندوستان سے انخلا، تقسیم ملک اور ترک وطن کا جنون یہ سب ایسے مسائل تھے، جس سے بالکلیہ چشم پوشی کر لینا ممکن نہیں تھا، لہذا حالات کے تقاضے کے مطابق قوم وملت کی فلاح و بہبود کے لیے حضرت جیلانی میاں کو حالات حاضرہ کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ادھر حضرت مفتی تقدس علی خاں صاحب نے بھی جامعہ کو خیر باد کہہ دیا، اوراس کا انچارج فیاض نامی ایک شخص کو بنا گئے ، فیاض نے حضرت جیلانی میاں کی عدم توجہی کو دیکھتے ہوئے جامعہ وخانقاہ میں خوب فیاضانہ لوٹ مار مچائی، سارے حساب وکتاب کو خرد برد کر دیا۔ طلبہ کے وظائف اور مدرسین وملازمین کے مشاہروں کو روک کر اپنے اہل وعیال اور یار دوست میں اپنی نام نہاد فیاضی کا مظاہرہ کرتا رہا۔

اعلیٰ حضرت کا لگایا ہوا چمن، استاذ زمن حضرت حسن اور حضور حجۃ الاسلام کا سینچا ہوا گلشن، جس نے قلیل عرصہ میں ایمان ویقین اور اعمال صالحہ کی سدا بہار خوشبو سے ہندو بیرون ہند کو معطر کر دیا تھا، جس میں حضور سیدنا مفتی اعظم ہند، حضور ملک العلما، حضور برہان الملۃ ، حضور شیر بیشہ اہل سنت، حضور محدث بہاری اور حضور مفسر اعظم ہند رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے درجنوں شگفتہ پھول کھل چکے تھے، جن کی برکات واثرات ان شاء اللہ قیامت تک رہیں گے۔مگر فیاض جیسے نااہل کے ہاتھوں چمن رضوی، گلشن حامدی اور صحن حسن کا پتہ پتہ کمھلا رہا تھا، جس کو دیکھتے دیکھتے رضوی عقیدت مندوں، حامدی ارادت مندوں اور مفسر اعظم کے نیاز مندوں کا

پیمانہ صبر لبریز ہو چکا، انہوں نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ فیاض کے ساتھ کوئی خون خرابہ کا معاملہ پیش آئے، حضرت جیلانی میاں قبلہ سے مشورہ لے لینا چاہیے۔

چنانچہ مخلص ارادت مندوں کی جمعیت نے خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال سے حضرت جیلانی میاں قبلہ کو آگاہ کیا، حضرت نے فرمایا، میں دیکھتا بھی ہوں اور سمجھتا بھی ہوں مگر جب تک خود ہمارے لوگوں کا ہاتھ اس کی پشت پر ہے اس کے خلاف کچھ کرنا بے فائدہ ہوگا۔ حضرت کے اس جواب سے ان حضرات کے فولادی عزم میں کوئی فرق نہیں آیا، بلکہ جوش وجذبہ میں آکر عرض کیا، حضور! اس گلشن علم وادب کی آبیاری میں ہمارے بزرگوں خاص کر اعلیٰ حضرت کا خون جگر شامل ہے، ہم لوگ اسے اپنی نگاہوں کے سامنے تاخت وتاراج ہوتے نہیں دیکھ سکتے یا تو حجۃ الاسلام کے حسب وصیت آپ اس کی ذمہ داری قبول فرمائیں یا ہم لوگوں کو اجازت دیں کہ فیاض سے نپٹ لیں۔ آپ نے فرمایا، اگر آپ سبھی لوگ میرے ساتھ ہیں تو آپ کی دونوں باتیں پوری ہوئیں یعنی اب میں ابا حضور کی وصیت وچاہت کے مطابق جامعہ کے اہتمام کی ذمہ داری لیتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے آخری وقت تک ہر ممکن اور جائز وسائل سے اس کی خدمت کرتا رہوں گا۔ اور آپ لوگوں کو اجازت دیتا ہوں کہ بات چیت کے ذریعہ ہو یا پرپنچایت کے ذریعہ ہو یا مقدمات وفوجداری کے ذریعہ ہو یا جس طرح بن پڑے جامعہ منظر اسلام کو غاصبانہ قبضے سے آزادی دلوائیے۔

فیاض میاں بات چیت سے نہ مانے تو مجبور ہو کر رضوی حامیوں اور حامدی عقیدت مندوں نے مقدمہ دائر کر دیا، جس کے نتیجہ میں ایک ہی تاریخ کے بعد حکم امتناعی نافذ ہو گیا اور فیاض کو جامعہ سے روپوش ہونا پڑا۔ پھر چند نام نہاد تاریخوں کے بعد حضرت جیلانی میاں قبلہ کے حق میں مقدموں کا فیصلہ ہو گیا اور اس طرح جامعہ سے فیاض کا دخل وقبضہ ختم ہوا۔

حضرت جیلانی میاں بحیثیت مہتمم

متحدہ ہندوستان کے تینوں حصوں میں مستحکم حکومتیں قائم ہو چکی تھیں۔ ترک وطن کا سلسلہ بھی بند ہو چکا تھا، دوسری جنگ عظیم کے اثرات بھی کم ہو رہے تھے اور جامعہ منظر اسلام

www.muftiakhtarrazakhan.com

سے فیاض میاں کا بستر بھی گول ہو چکا تھا، اب حضرت جیلانی میاں قبلہ نے گاؤں کی آمد ورفت چھوڑ کر تمام پرانے دوستوں سے منہ موڑ کر شکار وسیاحت کے رشتہ توڑ کر، اپنی تمام تر توجہات جامعہ رضویہ منظر اسلام اور خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ کی طرف مرکوز کر دیا۔ لیکن ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۸ء کے درمیان بہت کچھ لٹ چکا تھا، دارالعلوم کی حالت خزاں رسیدہ چمن کی مانند ہو چکی تھی، خانقاہ شریف کی دیکھ بھال اور اس کی کنجی جناب حاجی کفایت اللہ صاحب مرحوم کے ہاتھوں میں تھی وہ جب چاہتے زائرین کے لیے مزار اعلیٰ حضرت کا دروازہ کھولتے اور جب چاہتے دروازہ بند کر کے اندر آرام کرتے۔

حضرت جیلانی میاں نے مستقل طور پر بریلی شریف میں طرح سکونت ڈالی، آپ کے شب وروز، صبح وشام بلکہ ایک ایک پل مدرسہ وخانقاہ، مسجد رضا اور خواجہ قطب کے جائے پناہ میں بسر ہونے لگے۔ آپ نے یادگار رضا منظر اسلام کو حیات تازہ دینے اور اس کی رگوں میں خون پہنچانے کے لیے بڑی جدوجہد اور مثالی قربانیاں پیش فرمائیں۔ مشاہیر علما اور کہنہ مشق اساتذہ کرام سے دارالعلوم خالی ہو چکا تھا، ہونہار طباع وذہین طلبہ بھی دوسرے مدارس کا رخ کر چکے تھے۔

آپ نے دارالعلوم کی معمولی مرمت کے بعد سب سے پہلے قابل ومحنتی اساتذہ کرام کو دارالعلوم میں یکے بعد دیگرے لانا شروع کیا۔ کیوں کہ آپ اس گر کو اچھی طرح جانتے تھے کہ جہاں چشمہ صافی ہوتا ہے، پیاسے وہاں ٹوٹ کر پہنچتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علامہ محمد احسان علی صاحب محدث بہاری جو اعلیٰ حضرت کے دور گرامی سے بریلی شریف میں تھے اور حجۃ الاسلام کے دور اہتمام سے دارالعلوم منظر اسلام کے سینئر مدرس عربی تھے، ان کو دوبارہ دارالعلوم میں آنے پر راضی کر لیا، اپنے دور کے محقق اور نامور مفتی حضرت بحر العلوم مولانا سید افضل حسین بہاری کو صدر المدرسین کا منصب عطا فرما کر دارالعلوم میں لے آئے، اسی طرح حضرت مولانا مفتی حافظ محمد احمد جہانگیر صاحب وغیرہ کا تقرر فرمایا اور خود بھی کتب متوسطات سے مطولات تک کا درس دینے لگے۔ جس کا مفید نتیجہ یہ سامنے آیا کہ چند ہی دنوں میں ذہین ومحنتی طلبہ سے دارالعلوم بھر گیا۔ ماضی کی یاد تازہ ہوگئی۔ دارالعلوم یا خانقاہ کے بالائی حصے میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ایک ایک مسجد میں دو دو تین تین طلبہ نے اپنے رہنے سہنے کی گنجائش نکالی، دیکھتے ہی

www.muftiakhtarrazakhan.com

دیکھتے ہزاروں طلبہ اپنی علمی تشنگی کو بجھانے کے لیے دارالعلوم میں آ گئے۔

حضرت جیلانی میاں کی دلی خواہش تھی کہ جامعہ پھر سے اپنی روایات سابقہ کے ساتھ زندہ و پائندہ ہوجائے اور اس کی بنیادیں اس قدر مضبوط و مستحکم ہوجائیں کہ پھر کسی نااہل ناظم و مہتمم کی نااہلیت کا شکار نہ ہونے پائے۔ کیوں کہ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ جامعہ رضویہ منظر اسلام اگرچہ اپنے حدود اربعہ اور تعمیرات کے اعتبار سے بہت مختصر ہے لیکن نتائج و اجر کے اعتبار سے عظیم تر ہے کیوں کہ یہی وہ دینی ادارہ ہے جو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کو حضور رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور قیامت کے دن ایک سید زادہ کی نالش سے بچانے والا اور انعام بے کراں دلانے والا ہے۔ چنانچہ حضرت جیلانی میاں نے مدرسین وطلبہ کی اصلاحات کے ساتھ دفتری نظام کی طرف بھی توجہ دی، حافظ انعام اللہ صاحب، منشی طفیل صاحب کو باضابطہ مشاہرہ پر بحال کیا اور دیگر کئی حضرات کو رضا کارانہ طور پر ان کا معاون و مددگار بنایا۔ اس طرح دارالعلوم کا اپنا مستقل دفتر ہوگیا، جہاں جامعہ کے تمام ضروری کام شب و روز انجام پانے لگے۔

حج و زیارت حرمین شریفین

مفسر اعظم نے جس علمی و دینی خانوادہ میں آنکھیں کھولیں اور ابتدا ہی سے ذوق عبادت اور عشق رسول کی دولت سے بہرہ یاب ہوتے رہے، یہ آپ کی خوش بختی اور فرخندہ فالی ہی تھی کہ ابتدائے جوانی ہی سے حج و زیارت کا شوق دل میں مچلتا رہا، لیکن انتظام و انصرام کی ذمہ داریاں فرصت نہ دیتیں۔ حضور حجۃ الاسلام کے وصال کے بعد ارادہ حج کیا، لیکن اس زمانے میں ملک کے سیاسی اور سماجی ماحول میں زبردست تموج پیدا ہو چکا تھا، قتل و غارت گری اور تقسیم کے نتیجے میں دونوں طرف سے مہاجرین کی آمد و رفت نے حالات کو ناگفتہ بہ کر دیا تھا۔ ۱۹۴۸ء کے بعد جب طوفان کا زور ٹوٹا اور حالات معمول پر آنے لگے، تو ۱۳۷۱ھ کے رمضان المبارک میں آپ نے حج کا قطعی فیصلہ کر لیا اور اسی سال نصف شوال میں سفر حجاز کے لیے رخت سفر باندھا، بمبئی سے بذریعہ بحری جہاز جدہ اور وہاں سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ ایام حج تک جوار کعبہ میں

سکونت گزیں رہے۔اس دوران وہاں کے صحیح العقیدہ علمائے کرام سے صحبتیں رہیں، جسے معلوم ہوتا، کہ آپ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے سب سے بڑے پوتے ہیں،تو عقیدت ومحبت کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوتے،شرف نیاز حاصل کرتے اوران مجلسوں میں علمی مباحث اور حضور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے چرچے ہوتے،ان کی علمی وعبقری شخصیت کے بارے میں خوب چرچے ہوا کرتے۔اس طرح حضرت کے لیل ونہار نہایت فرحت وشادمانی کے ساتھ گزرنے لگے۔چھ ہفتوں کا قیام مکہ آپ کی سعادتوں کا بہترین دور تھا۔ہندوستان کی ساری کلفتیں اور الجھنیں یکسر دور ہوگئیں اور ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا۔جس میں نورانیت،روحانیت اور سلوک کے جلووں کی ایسی ہماہمی تھی، جو مادی آنکھوں کو خیرہ کردے۔۷/ذی الحجہ کو وہ مبارک ساعت آئی، جب قافلہ شوق منی کے لیے روانہ ہوا،۹/ویں ذی الحجہ کو فریضہ حج ادا کیا۔پھر مزدلفہ آئے اور وہاں سے منی پہنچے، رمی جمرہ کیا،قربانی اور حلق کے بعد طواف زیارت کے لیے مکہ پہنچے، وہاں سے واپسی کے بعد ۱۱/۱۲/تاریخوں تک قیام کیا، پھر ۱۳/ویں تاریخ کو مناسک حج ادا کرنے کے بعد مکہ آئے تو دربار رسالت کی حاضری کی تڑپ سینے میں موجزن رہی۔آپ ایک بدوی کی رہنمائی میں ایک اونٹ پر سوار ہوکر دیار حبیب کی طرف روانہ ہوئے،تیسرے دن علی الصباح شہر محبوب دیدہ مشتاق کو دعوت نظارہ دے رہا تھا،ادب واحترام کے سانچے میں ڈھل کر اب سواری سے نیچے آئے، زمین بوس ہوئے، سر جھکائے آنسو بہاتے گنبد خضریٰ کا جمال آنکھوں میں بسائے پاپیادہ مرکز انوار کی جانب چلنے لگے ؎

دیوانہ چلے گا شوق سے جب سرکار کے روضے کی جانب
حیرت سے فرشتے دیکھیں گے انداز بشر ان شاء اللہ

جب باب مجیدی پر پہنچے،حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اعلیٰ حضرت نے استقبال کیا،مکان پر لائے،ضروریات سے فارغ ہوکر حاضری کا لباس زیب تن کیا،خوشبو لگائی اور بارگاہ رسالت میں حاضری کے لیے چل پڑے، چند منٹ بعد باب السلام پہنچے،آنکھوں سے ساون برس رہا تھا،لبوں پر دعائیہ کلمات تھے،اور حضوری کے طالب ہوئے، بالآخر نگاہ کرم متوجہ ہوئیں، آپ آہستہ خرامی کے ساتھ مواجہہ شریف میں پہنچ کر مدتوں آرزو برآری سرکار

رسالت مآب میں سلام ودرود کا نذرانہ پیش کرتے رہے۔ دیر تک نظر کرم اور شفاعت کبریٰ کے طالب رہے۔ پھر بارگاہ صدیق وعمر میں باری باری سلام نیاز پیش کیا۔ پھر آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ شریف میں پہنچ کر آدھ گھنٹے بصد ادب واحترام سر جھکائے کھڑے رہے اور دامن طلب کشادہ تھا اور داتا کا فیضان کرم جھوم جھوم کر برس رہا تھا۔ نہ معلوم عظیم حوصلے والے سائل نے سخی اعظم کے بھرے خزانوں سے کیا کیا پایا اور کتنا پایا یہ تو دینے والا جانے یا پھر لینے والا ؎

کیوں تاجدارو! خواب میں دیکھی کبھی یہ شی
جو آج جھولیوں میں گدایان در کی ہے

پھر معمول بنالیا کہ صبح وشام اور بعد نماز ظہر آقا کی بارگاہ میں حاضر ہوکر درود وسلام کے نذرانے پیش کرتے۔ مسجد قبا، مسجد قبلتین، مساجد سبعہ اور شہدائے بدر اور شہدائے احد، جنت البقیع۔

ماہ محرام الحرام ۱۳۷۲ھ کی اخیر تاریخوں میں جب آپ قاسم جنت، کنز نعمت، مالک شفاعت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار در بار سے دامن طلب گوہر آبدار تابدار سے بھر کر براہ جدہ وممبئی وطن مالوف بریلی شریف وارد ہوئے تو آپ کی کیفیت بالکل ہی بدل چکی تھی، سونے پر سہاگہ کا رنگ جھلک رہا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے درود ہی درود، رات ودن تسبیح چلا کرتی۔

حضور مفسر اعظم اور ذوق شعری

شعر گوئی آپ کو وراثت میں ملی تھی۔ آپ نے شعر گوئی میں کسی کو اپنا استاذ نہیں بنایا اور نہ کبھی کسی سے اصلاح لی، لیکن شرعی مشاعروں میں شرکت فرماتے اور راستے میں جتنے شعر کہہ لیتے وہ سنادیا کرتے تھے۔ بریلی شریف میں سب سے اہم ترین مشاعرہ کی محفل عرس اعلیٰ حضرت میں ہوتی تھی، جس میں زبان وبیان کی چاشنی ولطافت کے ساتھ ساتھ شرعی الفاظ ومعانی کی پابندی لازم تھی، اور بحمدہ تعالیٰ وہ محفل مشاعرہ اپنی قدیم نہج پر آج تک منعقد ہوتی آرہی ہے۔ حضور حجۃ الاسلام تو اس محفل مشاعرہ کے صدر الصدور ہی ہوتے تھے اور اساتذہ فن کی موجودگی میں سب سے اہم اور مرصع نعتیں سنایا کرتے تھے۔ حجۃ الاسلام کے بعد مفسر اعظم اپنے والد ماجد کی ذمہ داری نبھانے لگے اور حسب روایت آپ بھی اپنے کلام بلاغت نظام سے سامعین کو محظوظ فرماتے۔ لیکن

www.muftiakhtarrazakhan.com

نہ تو آپ نے کبھی اپنے کلام کو کسی بیاض میں نقل فرمایا اور نہ کسی شاگرد یا مرید کو نقل کرنے کا حکم دیا۔ البتہ نجی نشستوں میں کبھی کبھی آپ اپنا کلام یا اعلیٰ حضرت کا دو چار شعر سنا دیتے تھے۔

ہاں اپنے کلام میں سے مناجات وحمد الٰہی کے بعض اشعار کسی کسی حاجت مند کو لکھ دیا کرتے کہ اس کو پڑھو تو تمہارا قرض ادا ہو جائے گا، یا فلاں مقصد میں کامیابی ہو جائے گی یا تمہارا قرض جاتا رہے گا وغیرہ وغیرہ۔ آپ کی کہی ہوئی مناجات صرف مناجات نہیں بلکہ حمد ونعت ومنقبت سے کچھ ہے اس کے پچپن ساٹھ اشعار ان بعض حضرات سے دستیاب ہوئے جن کو آپ نے بطور وظیفہ پڑھنے کے لیے دیا تھا۔ آپ کا تخلص کوثر تھا، لیکن اس مناجات میں سے یہاں صرف چند شعروں کو بطور تبرک نقل کیا جاتا ہے، ویسے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے اس کے باون اشعار کو نقل کیا ہے۔ کلام میں سادگی، روانی اور جذبات کی ترجمانی ملاحظہ کیجیے۔

سوا تیرے یا رب مرا کون ہے — گنہ گار مجھ سا ترا کون ہے
تو مالک ہے معبود کون ومکاں — اطاعت میں تیری ہیں دونوں جہاں
سوا تیرے میں عرض کس سے کروں — میں بندہ ہوں تیرا گنہ گار ہوں
مرا مدعا تجھ کو معلوم ہے — کوئی شے نہیں غیر مفہوم ہے
تو خالق ہے اے میرے پروردگار — نہ کرنا مجھے تو ذلیل اور خوار

اے خطا پوش اے محیط عطا — اے غفور اے سحاب لطف و سخا
میں خطا کار ہوں کریم ہے تو — میں گنہ گار ہوں رحیم ہے تو
مجھ کو تیری جناب سے نسبت — ذرہ کو آفتاب سے نسبت
لیکن اس دل میں جلوہ گر ہے تو — باعث فرحت جگر ہے تو
نور تیرا ہے میری آنکھوں میں — جس طرح آفتاب ذروں میں

تصانیف مفسر اعظم

آپ ہمیشہ مختلف موضوعات وعنوانات پر کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے، اکثر مضامین کا

www.muftiakhtarrazakhan.com

تعلق عظمت انبیاعلیہم السلام ،عظمت اولیا رضی اللہ تعالیٰ عنہم ،اصلاح عقائد واعمال، رد وہابیت اورامن وامان سے ہوتا تھا۔ جو ہر ماہ رسالہ ''اعلیٰ حضرت'' میں معارف القرآن، معارف الحدیث، ہفوات مودودی اور شذرات کے زیرعنوان شائع ہوتا رہتا تھا۔اس کے علاوہ کچھ مستقل مضمون بھی آپ نے تحریر فرمایا، جو کتابوں کی شکل میں طبع ہوا،اس کی تعداد بھی درجنوں ہے۔اس وقت جو کتابیں آپ کی دستیاب ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

تحفہ حنفیہ، الدرالسنیہ، نعمة الله، حجةالله، ذکر الله، فضائل درود شریف، تفسیر سورہ بلد، تشریح قصیدہ نعمانیہ، معارف القرآن، زیارت قبور ، نورالصفا، آیات متشابہات، گلزار احادیث، چھل انوار رسالت ، رحمت الله.وغیرہ

ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا اجرا

ماہنامہ اعلیٰ حضرت آپ ہی نے جاری فرمایا۔جس کا پہلا شمارہ ماہ جمادی الآخرہ ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء میں آستانہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف سے جاری ہوا۔چوں کہ حسن پریس کی ذمہ داریوں نے طباعت واشاعت کا ماہر بنادیا تھااور یادگارہ رضا بریلی کے اہتمام وانتظام کا پورا پورا تجربہ تھا،اس وجہ سے آپ صحافت کی اس پرپیچ وادی میں بڑی سہولت کے ساتھ ماہنامہ کے قافلہ کوآگے بڑھاتے رہے۔

مشہور تلامذہ

آپ کے تمام تلامذہ کرام کی فہرست پیش کرنی بہت مشکل ہے، چند مشہور تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں:

ریحان ملت حضرت مولانا شاہ ریحان رضاخاں عرف رحمانی میاں، جانشین مفتی اعظم تاج الشریعہ علامہ اختر رضا ازہری، حضرت مولانا شاہ منارضا خاں منانی میاں خلف اصغر مفسر اعظم، مولانا سید عارف علی نانپاروی سابق شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی، مولانا غلام مجتبیٰ اشرفی

www.muftiakhtarrazakhan.com

شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی، حضرت مولانا نعیم الدین احمد گورکھپوری شیخ المعقولات فیض الرسول براؤں شریف، مفتی عبدالحلیم ناگ پور، مفتی عبدالواجد قادری بانی اسلامک فاؤنڈیشن نیدرلینڈ، مولانا عباس ردولوی، مولانا محمد سلیمان باتھوی، مولانا محبوب رضا روشن القادری دربھنگہ، مولانا قاری عبدالمنان مظفر پوری، مولانا محمد ابراہیم خوشتر مونگیری، مولانا سعید الرحمٰن پوکھریری، مولانا عبدالرحمٰن پورنوی، مولانا عبدالصمد سیتامڑھی، مولانا حسیب الرحمٰن مدھوبنی، مولانا شمس الدین پورنوی، مولانا محمد داؤد مظفر پوری، مولانا حافظ راحت علی نانپاروی، مولانا خلیل الرحمٰن اشرفی برنپوری، مولانا جرار حسین مرادآبادی، مولانا برکت اللہ نانپاروی، مولانا معین الدین دمکاوی، مولانا سید آفاق احمد اسلام پور، مولانا عبدالحلیم انگس، مولانا عبداللہ باتھوی۔

مشاہیر خلفا

ریحان ملت حضرت مولانا شاہ ریحان خاں صاحب عرف رحمانی میاں، جانشین مفتی اعظم خلف ثالث حضرت علامہ الحاج شاہ محمد اختر رضا خاں ازہری، حضرت شیخ جمل اللیل مکی، حضرت مولانا شاہ حافظ حمید الرحمٰن رحمانی حامدی پوکھریروی، حضرت الحاج الحافظ عبدالاحد علیم آبادی، مفتی عبدالواجد قادری، مولانا شمس اللہ حشمتی، مولانا عبدالحلیم انگس ہگلی، صوفی شاہ عبد الرحمٰن ہوڑہ، مولانا سید آفاق اسلام پوری پورنیہ۔

عادات کریمہ

مفسر اعظم اپنے عادات کریمہ کے اعتبار سے اسلاف کرام کا کامل نمونہ اور اخلاف کے لیے مقتدا اور رہنما تھے۔ کیوں کہ آپ نے اپنی پاکیزہ زندگی کو اس سانچے میں بچپن ہی سے ڈھالا تھا، جس میں ڈھل جانے کے بعد مرد مومن تنہا نہیں بلکہ میر کارواں اور شمع انجمن بن جاتا ہے۔ جس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا، پھرنا، کھانا، پینا، یہاں تک کہ گفتگو اور خاموشی اہل دنیا اور مصاحبین کو صلاح وفلاح کی دعوتیں دیتی رہتی ہیں۔ خاص کر جس کی عادتیں اتباع رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے سانچے میں ڈھل جائیں، ان کی عادتیں بھی روح عبادت بن جاتی

www.muftiakhtarrazakhan.com

ہیں۔حضور مفسر اعظم کی عادتیں انہیں سانچوں میں ڈھل چکی تھیں، جنہیں ہم بے خوف لومۂ لائم عبادتوں سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

وفات سے پہلے

آخری دنوں میں حضور مفسر اعظم کی زبان بند ہوگئی تھی، مگر اشارات وکنایات اور تحریرات کے ذریعہ مذہب ومسلک اور رشد وہدایت کا کام چلتا رہا۔آپ نے ہر چند چاہا، کہ اس حالت میں گھر پر رہیں تا کہ آرام وسکون کا موقع مل جائے ،مگر مریدین ومخلصین اور چاہنے والوں کے پیہم اصرار سے مجبور ہوکر لکھیم پور، دارانگر، فیض آباد، کان پور، الہ آباد، براؤں شریف، دیناج پور، مظفر پور، سیتامڑھی، پوکھریرا، گنگھٹی ،ملنگواں، دھرم پور، سرلاہی، نیپال وبنگال کا دورہ کرنا ہی پڑا۔اس دور میں باضابطہ کئی کئی صفحات پر مشتمل آپ وعظ ونصائح اور تقریریں قلم بند فرماتے اور کسی شاگرد کے ذریعہ اسے مجمع عام میں پڑھواتے، ان دنوں میں بھی سلسلہ قادریہ رضویہ کا بہت کام ہوا۔اور کشف وکرامت کا صدور اتنی کثرت سے ہونے لگا، کہ بڑے بڑے علمائے کرام اور پیران عظام، انگشت بدنداں تھے، ہر شب وروز کوئی نہ کوئی واقعہ دیکھنے میں آتا، جس کا شہرہ آناً فاناً لوگوں میں ہوجاتا۔

☆ انہی دنوں کی بات ہے کہ حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنا ایک واقعہ استاذ العلما حضرت مولانا نعیم اللہ خاں صاحب بستوی صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف سے بیان فرمایا، کہ یوں تو مجھے کئی بار حق گوئی وبے باکی کے سبب جیل جانا پڑا اور سخت اذیتیں برداشت کرنی پڑیں، مگر اس بار مجھے روحانی تکلیف ہوئی کہ میں جیل کے جس وارڈ میں بند تھا، وہیں ایک منسٹر کا بیٹا بھی خون کے مقدمہ میں ماخوذ ہوکر پہنچا، مگر اس کی طرف سے سفارشات اور رشوتوں کا سلسلہ جاری تھا، اس لیے وہ چند ہی دنوں کے بعد ضمانت پر رہا کر دیا گیا اور میں حسب سابق اسی وارڈ میں مشقتیں برداشت کرتا رہا، میں نے اپنے رب تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا، یا اللہ! حکومت تو میرے غوث کی ہے اور حکم غیروں کا چل رہا ہے؟ آخر کب تک میں مسلمانوں سے دور رکھا جاؤں گا؟ اسی رات میں نے خواب میں دیکھا

کہ میں زینوں سے نیچے اتر رہا ہوں، پھر جب میں نے اوپر نگاہ کی تو اوپری زینہ پر حضور مفسر اعظم ہند کو دیکھا، کہ ان کے پاؤں میں کچھ تکلیف ہے، مگر وہ نیچے آئے اور میرے کندھوں پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا ''ہاں حکومت ہمارے غوث ہی کی ہے'' پھر میری آنکھ کھل گئی، نماز فجر کا وقت ہونے والا تھا، ضروریات سے فارغ ہوکر میں نے دوگانہ ادا کیا، پھر اپنے معمولات میں لگ گیا، اشراق کے بعد جیلر میرے پاس آیا اور کہا، آپ کی رہائی کا حکم آ گیا ہے، لہذا آپ جاسکتے ہیں، پہلے تو میں بے شان وگمان رہائی کی خبر پا کر متعجب ہوا، پھر میں نے سوچا کہ میرے مرشد زادہ (حضور مفسر اعظم) کو حضور سیدنا سرکار غوث اعظم کی نیابت عظمیٰ حاصل ہے اور یہ سب آپ کی ہمت روحانی کا فیض ہے۔

☆ صاحب زادہ مفسر اعظم حضرت علامہ شاہ مفتی اختر رضا خاں علیہ الرحمہ اور حضرت مولانا شمیم اشرف صاحب دونوں ساتھ ساتھ تحصیل علم کے لیے جامع ازہر مصر تشریف لے گئے، مولانا شمیم اشرف صاحب مصر ہی میں تھے کہ انڈیا کے اندران کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا، مولانا شمیم صاحب نے اس سانحہ کی اطلاع بذریعہ خط حضور مفسر اعظم کو دی، حضرت نے اس خط کو پڑھ کر نمدیدگی کے ساتھ افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا ''اختر رضا کا بھی یہی حال ہوگا، وہ میرے انتقال پر یہاں موجود نہ ہوں گے'' یہ روایت حضرت کی صاحب زادی صاحبہ نے بیان فرمائی۔

☆ حضرت نے کچھ فرمایا، جو حاضرین کی سمجھ میں نہیں آیا، تو مفتی عبدالواحد صاحب سے مخاطب ہوکر انہیں باتوں کو دہرانے لگے، لیکن ان کی بھی سمجھ میں بات نہیں آئی، تو حضرت کے چہرے پر جلال کا رنگ ظاہر ہوا اور آپ نے قلم اور کاغذ طلب فرمایا، پھر اس پر لکھا ''میں اختر شماری کر رہا ہوں، مگر بحمدہ تعالیٰ اختر شناس ہوں، میرا اختر ابھی ازہر میں نور ریزی کر رہا ہے، لیکن وہ دن قریب ہے کہ وہ آسمان علم وفضل پر چمکے گا، اپنے اس سے روشنی پائیں گے، شیاطین وبدخواہ اس سے دور بھاگیں گے، مگر وہ برق خاطف کی طرح ان کا پیچھا کرے گا۔ والحمدللہ علی ذلک''۔

☆ آپ کے وصال سے قبل ایک مرید کا خط کلکتہ سے آیا، جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ میں نے مسلسل کئی دنوں تک سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں اس

www.muftiakhtarrazakhan.com

طرح کی کہ سرکار کے ساتھ آپ بھی موجود ہیں، لیکن اس کی تعبیر سمجھ میں نہیں آتی، اس لیے حضور کو خط لکھا ہے۔ حضرت نے اس خط کو پڑھنے کے بعد مسکرا دیا اور اپنی تیسری صاحب زادی کی طرف بڑھا دیا، جسے صاحب زادی نے بھی پڑھا، اور عرض کیا، ابا جان! ایسا لگتا ہے کہ آپ جلدی پردہ فرمانے والے ہیں، آپ کی مسکراہٹ میں زیادتی ہوگئی اور چہرہ گلنار بن گیا، فرمایا، اس سے بڑھ کر خوش نصیبی اور کیا ہوسکتی ہے۔

☆ کلکتہ کے اسی مرید نے پھر خط لکھا کہ حضور! میں نے پھر یہ خواب دیکھا ہے کہ حضرت چادر اوڑھے ہوئے کہیں سوئے ہوئے ہیں اور حضور پرنور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے ہیں، پھر آپ کاشانہ ہلاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں، اٹھو اور شہادت دو۔ آپ بہت مسرت وشادمانی کے عالم میں اٹھ بیٹھے ہیں اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم بجالاتے ہوئے کھڑے ہوکر عرض کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایک ہے اور آپ اس کے رسول ہیں۔

جب حضرت والا نے اس خط کو مطالعہ فرمایا، تو لکھا ''ہاں! اب میرے چل چلاؤ کا وقت قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ اور زیارت سرکار شفیع روز شمار نصیب فرمائے۔ آمین آمین آمین یارب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔''

وصال پرملال

سفر سے واپس تشریف لائے، مئی جون کا مہینہ تھا، بریلی میں شدت کی گرمی پڑ رہی تھی، حضرت نے کثرت کے ساتھ ٹھنڈی اشیا کا استعمال فرمایا، ویسے بھی حضرت کو ہر موسم میں ٹھنڈی اور میٹھی چیزیں بہت مرغوب تھیں، گرمی کی شدت نے اس میں اور بھی زیادتی کردی، چنانچہ ٹھنڈی چیزوں کی کثرت سے آپ پر نمونیہ کا اثر ہوگیا۔ لیکن معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا، نماز ووظائف اپنے اپنے وقتوں پر مستحسن انداز میں ادا فرماتے رہے، ۱۱ر صفر کو اہتمام سفر میں گزار دیا کہ کوشش کے باوجود نیند نہیں آئی، تو اذکار واوراد اور درود شریف میں مشغول ہوگئے، صبح صادق ہوتے ہی بستر کو خیر باد کہا، ضروریات سے فراغت فرما کر خود سے وضو کا اہتمام کیا اور وضو فرمایا، بڑے اطمینان وسکون کے ساتھ فجر کی سنت وفرض کو ادا کیا اور اپنے وظیفہ میں مصروف

ہوگئے، سورج نکلنے کے بعد جائے نماز سے اٹھے اور چارپائی پر آکر لیٹ گئے، اتنے میں آپ کے بڑے صاحب زادے حضرت ریحان ملت اور چھوٹی صاحب زادی صاحبہ حاضر آئیں، اس وقت آپ کی عفت مآب اہلیہ محترمہ اندرون خانہ دودھ کی پیالی میں خمیرہ حل فرمارہی تھیں، حضرت ریحان ملت پلنگ کی بائیں جانب کھڑے تھے اور صاحب زادی صاحبہ دائیں جانب۔

حضور مفسر اعظم ہند نے اپنے ہاتھ پاؤں بالکل سیدھے کر لیے، اسی وقت آپ کی پیشانی کے سامنے دائرہ نما ایک سبز روشنی نمودار ہوئی جس کو ان حضرات نے بھی دیکھا، پھر اس دائرہ میں سے نور کی شعاعیں پھوٹنے لگیں، ایک لمبی شعاع آپ کی پیشانی کی طرف اور دوسری چہرہ کی طرف بڑھی اور پورے چہرہ پر محیط ہوگئی۔ اس وقت حضرت کی بڑی بڑی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور پتلیاں تیر رہی تھیں، آنکھوں کی دونوں کٹوریوں میں نور ہی نور بھرا ہوا تھا، اس کیفیت کو دیکھ کر ریحان ملت چیخ پڑے۔ ابا! ابا! کیا بات ہے؟ حضرت نے نفی میں سر ہلایا اور چہرہ کو قبلہ رخ کر لیا۔

ریحان ملت جلدی میں کسی ڈاکٹر کو لینے کے لیے نکلے، ادھر آپ کی اہلیہ آئیں اور خمیرہ کا پیالا آپ کے منہ سے لگایا۔ پھر جب پیالا سے نہیں پیا تو چمچہ کے ذریعہ دودھ اور خمیرہ پلایا گیا، مگر ایک ہی چمچہ کے بعد آپ نے آنکھیں بند کر لیں، حضرت رحمانی میاں بھی واپس آگئے، لبہائے مبارک حرکت میں تھے اور اس پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی، رحمانی میاں نے کچھ پوچھا، جس کے جواب میں آپ نے صرف سر ہلا دیا اور بقول مولانا حسن رضا بریلوی کے ؎

بند جب خواب اجل سے ہوں حسنؔ کی آنکھیں
اس کی نظروں میں ترا جلوۂ زیبائی ہو

یا بقول شاعر مشرق ؎

نشان مرد مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

یا بقول حضور حجۃ الاسلام ؎

حضور روضہ ہوا جو حاضر تو اپنی سج دھج یہ ہوگی حامدؔ
خمیدہ سر بند آنکھیں لب پر میرے درود و سلام ہوگا

www.muftiakhtarrazakhan.com

حضرت کی آنکھیں بند تھیں، سر قبلہ رو جھکا ہوا تھا، لبوں پر مسکراہٹ اور جنبش تھی، پیشانی سے نور پھوٹ رہا تھا، ایک ہلکی سی ہچکی آئی اور قفس عنصری سے طائر لاہوتی اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

وفات کا یہ سانحہ ۱۱ر صفر المظفر ۱۳۸۵ھ/۱۲ر جون ۱۹۶۵ء کو پیش آیا، دوسرے دن صبح آٹھ بجے اسلامیہ کالج میں مفتی سید افضل حسین علیہ الرحمہ کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی گئی، پھر جنازہ خانقاہ عالیہ رضویہ محلّہ رضا نگر لایا گیا اور روضہ اعلیٰ حضرت میں مزار اعلیٰ حضرت کی پشت کی جانب سپرد خاک کیا گیا۔ (اب ان دونوں قبروں کے درمیاں حضور مفتی اعظم ہند کی قبر ہے)

قطعہ تاریخ وصال

حضور مفسر اعظم کی وفات حسرآیات پر درجنوں مادہ ہائے تاریخ نکالے گئے اور متعدد قطعات تاریخ کہے گئے۔ ذیل میں پیر طریقت سید شریف احمد شرافت سجادہ نشیں درگاہ سہن پال شریف گجرات کا موزوں کردہ قطعہ تاریخ درج ہے ؎

چوں ز دنیا رفت جیلانی میاں — داخل جنت شدہ با اولیا
خلف والا حجۃ الاسلام بود — زینت سجادہ احمد رضا
ماہر تفسیر و ہم شیخ الحدیث — آفتاب دین حق شمع ہدیٰ
اہل سنت وجماعت را قویم — مذہب حنفیہ را بودہ ضیا
فیض یابان علومش صد ہزار — زاہد و عابد ولی و پارسا

چوں شرافت جست سال رحلتش
گفت ہاتف ''نور مولانا رضا''

۱۳۸۵ھ

www.muftiakhtarrazakhan.com

تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری

علیہ الرحمۃ والرضوان

فخر خاندان رضویہ، حضور تاج الشریعہ پندرہویں صدی ہجری کی ایسی نابغۂ روزگار شخصیت ہیں، جو جمال صورت اور کمال معنی کے اعتبار سے اپنے تمام معاصرین پر فوقیت رکھتے تھے۔ آپ کی تنہا ذات علم وعرفان کی بارونق انجمن، علوم ومعارف کا تیز کارواں تھی۔ عبقری متبحر عالم دین، ہر علم وفن میں مہارت کے ساتھ سجادۂ بیعت وارشاد کے ایسے باوقار شیخ طریقت تھے، جن کی نظیر عنقا ہے۔ علم وفن، فکر ودانش کے ایسے روشن آفتاب، جس کی سنہری کرنیں اقطاع عالم کے ذروں کو ماہ ونجوم کے جلووں سے ہم کنار کرتی ہیں۔

ولادت

اس فخر روزگار ذات گرامی کی ولادت باسعادت کاشانۂ رضا محلّہ سوداگران بریلی میں ۱۴/ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ/۲۳/نومبر ۱۹۴۲ء بروز منگل ہوئی۔

نام ونسب

ولادت کے بعد اسم گرامی ''محمد'' رکھا گیا۔ والد گرامی مفسر اعظم ہند حضرت علامہ محمد ابراہیم رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی مناسبت سے ''محمد اسماعیل رضا خاں'' سے موسوم ہوئے۔ عرفی نام ''اختر رضا'' ہے، جس سے سارے جہاں میں مشہور ہیں۔ شاعری میں اختؔر تخلص فرماتے، نام کے آگے مشرباً قادری اور علماً ازہری تحریر کرتے تھے۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت تک پدری ومادری سلسلہ نسب متصل ہوتا ہے، اس طرح نجیب الطرفین بڑھیچ افغانی پٹھان ہیں۔

والدین کریمین اور نانا جان ونانی محترمہ کے سایۂ عاطفت میں پروان چڑھے۔ جب آنکھ کھولی اپنے گردوپیش علم وعمل کی روشن شمعیں دیکھیں، علمی برتری اور تہذیبی سنجیدگی کی خوشگوار فضا ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔ ایسے نورانی ماحول میں جس نونہال کی پرورش وپرداخت ہوئی، اس کی اٹھان بھی خاندانی ماحول اور موروثی علمی جلالت کے انداز سے ہوئی۔ والد گرامی نے پورے ناز ونعم کے ساتھ تربیت کی اور آرام وآسائش کا مکمل اہتمام کیا۔

تعلیم

جب زندگی کا کارواں پانچویں مرحلے میں داخل ہوا تو ۴؍سال ۴؍ماہ ۴؍دن کی عمر میں والد گرامی نے رسم تسمیہ خوانی کا اہتمام کیا۔ نانا جان حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے بسم اللہ خوانی کی مبارک رسم اپنی زبان حقیقت ترجمان سے کرائی۔ والدہ محترمہ نے قرآن شریف ناظرہ پڑھایا، والد گرامی سے اردو اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر مزید تعلیم کے لیے دارالعلوم منظر اسلام میں داخل کر دیے گئے۔

ابتدائی کتب پہلی فارسی، دوسری فارسی، گلزار دبستاں اور بوستاں حضرت حافظ انعام اللہ خاں تسنیم حامدی سے پڑھیں۔ ۱۹۵۲ء میں فضل الرحمٰن اسلامیہ انٹر کالج بریلی شریف میں داخل کیے گئے، جہاں ریاضی، ہندی، سنسکرت، انگریزی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔

آٹھویں کلاس پاس کرنے کے بعد دارالعلوم منظر اسلام میں داخل ہوئے۔ دوران تعلیم ہی آپ کے اندر انگریزی، عربی بولنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی۔ فضیلۃ الشیخ مولانا محمد عبدالتواب مصری جو کہ منظر اسلام کے استاذ تھے، عربی ادب کی تعلیم دیا کرتے تھے، حضور تاج الشریعہ علی الصبح انہیں ہندی، اردو، انگلش کے اخبارات کو عربی میں ترجمہ کر کے سنایا کرتے تھے۔ انہیں صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے، شیخ مصری نے کہا، انہیں جامع ازہر قاہرہ بغرض تعلیم بھیج دیا جائے۔ (حیات تاج الشریعہ ص ۱۰)

شیخ مصری مولانا عبدالتواب صاحب کی تحریک پر والد ماجد حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اپنی رضا مندی کا اظہار کیا۔ سرکار حجۃ الاسلام کے مرید جناب نثار احمد حامدی

www.muftiakhtarrazakhan.com

سلطان پوری مرحوم کی کوششوں سے آپ نے ۱۹۶۳ء میں عالم اسلام کی عظیم اور مشہور اسلامی یونیورسٹی جامع ازہر کا سفر بغرض تعلیم کیا۔

۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء میں کلیۃ اصول الدین/قسم التفسیر والحدیث کی تکمیل فرمائی۔اس شعبہ میں آپ نے اول پوزیشن حاصل کی۔سالانہ امتحان میں معلومات عامہ کا امتحان تقریری ہوا تھا، جس میں ممتحن نے علم کلام سے متعلق سوال کیا، آپ کے ہم سبق طلبہ جواب نہ دے سکے، ممتحن نے سوال دہرا کر آپ کی طرف دیکھا اور جواب طلب کیا، آپ نے اس کا شاندار جواب دیا۔ممتحن نے پوچھا: آپ شعبہ تفسیر وحدیث کے متعلم ہیں، پھر بھی علم کلام میں یہ گہرائی ہے؟حضور تاج الشریعہ نے جواب دیا: میں نے دارالعلوم منظر اسلام میں علم کلام پڑھا ہے۔ آپ کے علمی جواب سے وہ بہت متاثر ہوئے اور آپ کو ہم سبق طلبہ میں سب سے زیادہ نمبر دیے۔ رزلٹ کے بعد آپ کو اول نمبر آنے کی وجہ سے مصر کے صدر جناب کرنل جمال عبدالناصر صاحب نے بطور تمغہ ''ایوارڈ'' دیا اور بی۔اے کی سند عطا کی۔

(ماہرہ سے بریلی تک ص ۱۸۴)

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی اعلیٰ نمبرات سے کامیابی پر برادر اکبر حضور ریحان ملت علامہ ریحان رضا خاں قادری بریلوی علیہ الرحمہ نے ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف میں ''کوائف آستانہ رضویہ'' کے تحت اپنی مسرتوں کا یوں اظہار فرمایا:

''نبیرۂ اعلیٰ حضرت وحجۃ الاسلام علیہما الرحمہ اور مفسر اعظم کے فرزند دل بند حضرت علامہ اختر رضا خاں صاحب دامت برکاتہم القدسیہ نے عربی میں بی۔اے کی سند فراغت نہایت نمایاں اور ممتاز حیثیت سے حاصل کی۔آپ (حضور تاج الشریعہ) نہ صرف جامع ازہر میں، بلکہ پورے مصر میں اول نمبر سے پاس ہوئے۔مولیٰ تعالیٰ ان کو اس سے زیادہ بیش از بیش کامیابی عطا فرمائے اور انہیں خدمات کا اہل بنائے اور وہ صحیح معنی میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کا جانشین کہے جائیں۔اللھم زد فزد۔''

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، شمارہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ/ستمبر ۱۹۶۵ء)

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی جامع ازہر سے فراغت ۱۹۶۶ء میں ہوئی۔سند الفراغت

www.muftiakhtarrazakhan.com

جس کا اندراج ۱۲۰۷ ہے، لے کر وطن عزیز ہندوستان تشریف لائے اور بریلی شریف اسٹیشن پر والہانہ انداز میں استقبال کیا گیا۔ محترم امید رضوی بریلوی صاحب کی تحریر ملاحظہ کریں:

''گلستان رضویت کے مہکتے پھول، چمنستان اعلیٰ حضرت کے گل خوش رنگ، جناب علامہ ومولانا اختر رضا خاں صاحب بن حضرت مفسر اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک عرصہ دراز کے بعد جامع ازہر مصر سے فارغ التحصیل ہوکر ۱۷ر نومبر ۱۹۶۶ء/ ۱۳۸۶ھ کی صبح کو بہار افزائے گلشن بریلی ہوئے۔ بریلی جنکشن پر متعلقین ومتوسلین واہل خاندان علمائے کرام وطلبائے عظام دارالعلوم منظر اسلام کے علاوہ بے شمار معتقدین حضرات نے حضرت مفتی اعظم (ہند) مدظلہ کی سرپرستی میں شاندار استقبال کیا اور صاحب زادہ موصوف کو خوش رنگ پھولوں کے گجروں اور ہاروں کی پیش کش سے اپنے والہانہ جذبات وخلوص اور عقیدت کا اظہار کیا۔ ادارہ حضرت علامہ ومولانا محمد اختر رضا خاں ازہری اور متوسلین کو کامیاب واپسی پر ہدیۂ تبریک وتہنیت پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بطفیل اپنے حبیب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم ان کے آبائے کرام خصوصا اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد اعظم رضی اللہ عنہ کا سچا وارث وجانشین بنائے: ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔''

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف شمارہ دسمبر ۱۹۶۶ء/ ۱۳۸۶ھ)

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے خادم خاص الحاج محمد ناصر رضوی بریلوی لکھتے ہیں:

آپ (حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ) سے ملنے کے لیے حضرت (مفتی اعظم ہند) بذات خود تشریف لے گئے اور ٹرین کا بے تابانہ انتظار فرماتے رہے، جیسے ہی ٹرین پلیٹ فارم پر آکر رکی، آپ اترے تو سب سے پہلے حضرت (مفتی اعظم ہند) نے گلے لگایا، پیشانی چومی اور بہت دعائیں دیں اور فرمایا، کچھ لوگ گئے تھے، بدل کر آئے، مگر میرے بچے پر جامعہ کی تہذیب کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ ماشاء اللہ۔ (حیات تاج الشریعہ ص ۲۴)

والد کا وصال

آپ جامع ازہر مصر میں زیر تعلیم ہی تھے کہ مشفق والد گرامی حضرت مفسر اعظم ہند

www.muftiakhtarrazakhan.com

علامہ ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں علیہ الرحمہ نے بعمر ۶۰ رسال ۱۱ رصفر المظفر ۱۳۸۵ھ /۱۲ رجون ۱۹۶۵ء خلد بریں کے لیے رخت سفر باندھا۔ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کو اس جاں کاہ خبر سے بے حد صدمہ ہوا اور اپنے برادر اکبر حضرت ریحان ملت علیہ الرحمہ کو خط تحریر کیا اور اپنے درد وغم کا اظہار کیا اور ۱۲ راشعار پر مشتمل تعزیتی نظم بھیجی۔ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس حادثہ فاجعہ کا اثر اپنی تعلیم پر ہونے نہیں دیا اور حضرت والد ماجد اور اہل خاندان کا خواب تکمیل تعلیم کے حوالے سے شرمندۂ تعبیر کیا۔

حضور تاج الشریعہ کا تعلیم سے شغف کا اندازہ آپ کے ممتاز معاصر امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے:

''حضور ازہری میاں کو میں نے طالب علمی کے زمانے میں دیکھا، مطالعہ کے بے حد شوقین حتی کہ کبھی کبھار مسجد میں آتے دیکھتا کہ راستہ چلتے جہاں موقع ملا کتاب کھول کر پڑھنے لگے۔'' (مارہرہ سے بریلی)

اساتذہ کرام

وہ علما اور دانشور جن کے خرمن علم سے آپ نے خوشہ چینی کی اور علوم ومعارف کے اوج ثریا تک پہنچے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) حضور مفتی اعظم ہند محمد مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی علیہ الرحمہ (۲) حضور مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں علیہ الرحمہ بریلی (۳) حضرت مفتی افضل حسین مونگیری شیخ الحدیث جامعہ منظر اسلام بریلی (۴) حضرت والدہ ماجدہ نگار فاطمہ عرف سرکار بیگم مبلغہ اسلام بریلی (۵) حضرت مولانا حافظ انعام اللہ خاں تسنیم حامدی بریلی (۶) حضرت مولانا شیخ محمد سماحی شیخ الحدیث والتفسیر جامع ازہر مصر (۷) حضرت مولانا شیخ عبدالغفار شیخ الحدیث جامع ازہر مصر (۸) حضرت عبدالتواب مصری شیخ الادب منظر اسلام (۹) صدر العلما حضرت علامہ تحسین رضا خاں صدر المدرسین شیخ الحدیث جامعۃ الرضا بریلی (۱۰) حضرت مولانا محمد احمد جہانگیر خاں اعظمی استاذ ومفتی منظر اسلام۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

مسند تدریس

جب آپ جامع ازہر مصر سے تشریف لائے، تو منظر اسلام میں مدرس مقرر ہوئے یعنی آپ نے ۱۹۶۷ء سے تدریس کا باضابطہ آغاز کیا۔ جدوجہد، محنت اور لگن سے پڑھاتے رہے یہاں تک کہ ۱۹۷۸ء میں آپ صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ منظر اسلام کا دارالافتا بھی آپ کے سپرد ہوگیا۔ تقریبا ۱۹۸۰ء میں آپ کثیر مصروفیات کی وجہ سے منظر اسلام سے علاحدہ ہوگئے، کہ یہ وہ دور ہے، جس میں سرکار مفتی اعظم ہند بیمار چل رہے تھے، اس وجہ سے تبلیغی دورے وغیرہ بھی درپیش ہوگئے، سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا ۱۹۸۱ء میں انتقال ہوگیا، اس کے بعد آپ کی مصروفیت اور بڑھ گئی، فتاوی نویسی میں آپ مرجع ٹھہرے، اس وجہ سے آپ نے مرکزی دارالافتا قائم فرمایا، جو ہنوز بحسن وخوبی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ مگر آپ نے درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور تعریب وترجمہ کا کام متاثر نہ ہونے دیا۔ بلکہ یہ آخری عمر تک جاری رہا۔

منظر اسلام سے علاحدہ ہونے کے بعد ملک وبیرون ملک تبلیغی دوروں کی وجہ سے درس وتدریس کا سلسلہ منقطع رہا، خطابت ونصیحت، فتوی نویسی، تصنیف وتالیف کے سلسلے رہے، مگر چند سال بعد دولت کدہ پر درس قرآن کا سلسلہ جاری کیا، جس میں دارالعلوم مظہر اسلام، دارالعلوم منظر اسلام، جامعہ نوریہ رضویہ اور دوردراز کے علما ومشائخ کثرت سے شریک ہوتے۔ مرکزی دارالافتا میں تربیت افتا لینے والے طلبہ کو بخاری شریف، مسلم شریف، عقود رسم المفتی، الاشباہ والنظائر، فواتح الرحموت، شامی، بدائع الصنائع، اجلی الاعلام وغیرہ کتب کا درس دیتے، تدریب الافتا (مشق افتا) کے مسائل کی اصلاح کرتے، جامعۃ الرضا کے منتہی طلبہ کی بعض کتابوں کا درس بھی آپ کے ذمہ رہا۔

تلامذہ

ہزاروں تشنگان علوم نے تاج الشریعہ کے چشمہ شیریں سے سیرابی حاصل کی، تلامذہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

کی تعداد متعین نہیں کی جاسکتی، چند مشاہیر تلامذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

علامہ مفتی سید شاہد علی رضوی رام پور، علامہ انور علی رضوی بہرائچی، مفتی ناظم علی رضوی بارہ بنکوی، مولانا کمال احمد رضوی نانپاروی، مولانا جمیل احمد خاں نوری بستوی، مولانا مظفر حسین رضوی بہری، مولانا ذوالفقار علی خاں نوری رام پوری، مفتی عبید الرحمٰن رضوی، مولانا وصی احمد رضوی، مولانا سلیم الدین رضوی سمن پوری، مولانا شیر الدین رضوی، مولانا مجیب الرحمٰن رضوی، مولانا سجاد عالم رضوی سمن پوری، مولانا شرف عالم رضوی سیتامڑھی، صاحب زادہ مفتی عسجد رضا خاں قادری، مولانا عتیق الرحمٰن رضوی رام پور، مولانا شہاب الدین رضوی بہرائچی۔

تبحر علمی

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ مندرجہ ذیل علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے:

(۱) قرآن (۲) اصول تفسیر (۳) حدیث (۴) اصول حدیث (۵) اسماء الرجال (۶) فقہ حنفی (۷) فقہ مذاہب اربعہ (۸) اصول فقہ (۹) کلام (۱۰) صرف (۱۱) نحو (۱۲) معانی (۱۳) بدیع (۱۴) بیان (۱۵) منطق (۱۶) فلسفہ قدیمہ وجدیدہ (۱۷) مناظرہ (۱۸) حساب (۱۹) ہندسہ (۲۰) ہیئت (۲۱) تاریخ (۲۲) مربعات (۲۳) عروضوقوافی (۲۴) تکسیر (۲۵) جفر (۲۶) فرائض (۲۷) توقیت (۲۸) تقویم (۲۹) تجوید وقرأت (۳۰) ادب (نظم ونثر عربی، نظم ونثر فارسی، نثر انگریز، نظم ونثر اردو) (۳۱) زیجات (۳۲) خطاطی (۳۳) جبر ومقابلہ (۳۴) تصوف (۲۵) سلوک (۳۶) اخلاق۔

قرأت عشرہ کے ماہر تھے۔ تلاوت قرآن مصری لہجے میں لاجواب کرتے تھے اور کئی زبانوں پر مہارت رکھتے تھے۔

عربی، فارسی، انگریزی، اردو میں تو آپ کے ادبی شہ پارے ہیں، اس کے علاوہ ہندی، سنسکرت، میمنی، گجراتی، مراٹھی، پنجابی، بنگالی، تیلگو، کنڑا، ملیالم، بھوجپوری بولتے اور سمجھتے تھے۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

تفقہ اور فتوی نویسی

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کے خاندان میں فتاوی نویسی کی بنیاد مجاہد جنگ آزادی امام العلما مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء میں رکھی۔ آپ کے بعد آپ کے صاحب زادے مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ اوران کے بعدان کے دونوں صاحب زادے حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں اور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں علیہما الرحمہ اس عہدے پر فائز ہوئے۔ سرکار مفتی اعظم ہند کے بعد بریلی شریف کی اس مسند افتا کو حضور تاج الشریعہ نے زینت بخشی۔

تاج الشریعہ جب جامع ازہر سے لوٹ آئے تو تدریس کے ساتھ افتانویسی کا بھی آغاز کیا، چنانچہ ۱۹۶۶ء میں طلاق، نکاح، میراث سے متعلق مدینہ منورہ سے آئے ہوئے ایک استفتا کا شاندار جواب لکھا، شاید یہ آپ کا پہلا فتوی تھا، جواب لکھنے کے بعد پہلے بحر العلوم مفتی سید افضل حسین مونگیری علیہ الرحمہ کو دکھایا، انہوں نے دیکھنے کے بعد تحسین کی اور کہا کہ مولانا! اسے اپنے نانا جان (مفتی اعظم ہند) کو دکھایئے، حضرت نے اسے نانا جان مفتی اعظم ہند کو دکھایا، مفتی اعظم ہند نے دلائل و براہین سے مزین فتوی دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا، تحسین وحوصلہ افزائی فرمائی۔ (حیات تاج الشریعہ ص ۱۹)

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے پاس استفتے کی بھرمار رہتی تھی، کئی کئی مفتیان کرام آپ کے فتوی نویسی پر مامور رہا کرتے تھے۔ حضور مفتی اعظم ہند نے از خود حضرت تاج الشریعہ سے فرمایا: ''اختر میاں! اب گھر میں بیٹھنے کا وقت نہیں، یہ لوگ جن کی بھیڑ لگی ہوئی ہے، کبھی سکون سے بیٹھنے نہیں دیتے، اب تم اس (فتوی نویسی کے) کام کو انجام دو، میں (دارالافتا) تمہارے سپرد کرتا ہوں''، پھر موجود لوگوں کی طرف مخاطب ہوکر حضور مفتی اعظم ہند نے فرمایا: ''آپ لوگ اب اختر میاں سلمہ سے رجوع کریں، انہیں کو میرا قائم مقام اور جانشین جانیں۔''

اسی وقت سے لوگوں کا رجحان تاج الشریعہ کی طرف بڑھ گیا اور آپ گوناگوں کاموں

میں مصروف ہوگئے۔

حضور تاج الشریعہ خود اپنی فتوی نویسی کے متعلق لکھتے ہیں: ”میں بچپن سے ہی حضرت (مفتی اعظم ہند) سے داخل سلسلہ ہوگیا ہوں، جامع ازہر سے واپسی کے بعد میں نے اپنی دلچسپی کی بنا پر فتوی کا کام شروع کیا۔ شروع میں مفتی سید افضل حسین صاحب علیہ الرحمہ اور دوسرے مفتیان کرام کی نگرانی میں یہ کام کرتا رہا اور کبھی کبھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر فتوی دکھایا کرتا تھا، کچھ دنوں کے بعد اس کام میں میری دل چسپی زیادہ بڑھ گئی اور پھر میں مستقل حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے لگا، حضرت کی توجہ سے مختصر مدت میں اس کام میں مجھے وہ فیض حاصل ہوا، کہ جو کسی کے پاس مدتوں بیٹھنے سے بھی نہ ہوتا۔“

حضور تاج الشریعہ بیک وقت محدث و مفسر، مفتی وفقیہ، مصنف ومولف، مترجم ومحشی، ادیب وناقد، شاعر وخطیب تھے، مگر ان تمام خوبیوں میں تفقہ فی الدین اور فتوی نگاری آپ کا امتیازی وصف ہے، جو آپ کا خاندانی طرۂ امتیاز اور یہ فن آپ کو ورثہ میں ملا تھا۔

بے شمار فتاوی مطبوعہ ہیں۔ تین زبانوں عربی، انگریزی، اردو میں فتوے لکھتے تھے، غالبًا ہندوستان کے تنہا مفتی تھے جو تینوں زبانوں پر یکساں عبور رکھتے تھے۔ آپ کے بعض تحقیقی فتاوے رسائل کی شکل میں موجود ہیں، ”**المواهب الرضویه فی الفتاوی الازهریة المعروف به فتاوی تاج الشریعه** “ جو دو جلدوں میں ہے، اس کے مطالعہ سے آپ کے فتاوی کی جامعیت ومعنویت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد ۱۹۸۱ء سے لے کر مسلسل حضور تاج الشریعہ مرجع فتاوی رہے۔ حضرت کا فتوی عالم اسلام میں سند کا درجہ رکھتا ہے۔ مفتیان کرام کو جب پیچیدہ اور لاینحل مسائل میں دشواری پیش آتی، تو آپ کی طرف رجوع کرتے، آپ اپنی وسعت نظر اور فقہی بصیرت سے ان مسائل کی گتھیاں سلجھاتے۔ ہند و بیرون ہند کی اکثر فقہی سیمیناروں میں شرکت ہوا کرتی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی مجلس شرعی کی سرپرستی وصدارت فرماتے، اس کے سہ رکنی فیصل بورڈ کے رکن رکین تھے، جس مسئلے پر مندوبین مفتیان کرام کا اتفاق نہ ہوتا، وہ فیصل بورڈ کے حوالے کیا جاتا، جس کو حل کرنے میں تاج الشریعہ کا کلیدی

رول ہوتا، آپ کا قول قول فیصل اور قول آخر کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا، جس پر تمام مقالہ نگار ،ارباب فقہ وافتا اتفاق کرتے اور اس کی تائید میں اپنا اپنا دستخط بھی ثبت فرماتے۔ فقہی سیمینار بریلی شریف کے بھی آپ سرپرست اعلیٰ تھے، اور اس میں بھی آپ کی یہی حیثیت تھی، جو مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک میں تھی۔

مفتیان کرام کے سامنے جب کوئی نیا مسئلہ پیش آئے، تو اس کو حل کرنے میں کتنی دشواریاں ہیں، اس کا اندازہ تو ان مفتیان کرام ہی کو ہوگا۔ مسائل جدیدہ کو حل کرنا تاج الشریعہ کی چٹکیوں کا کام تھا۔ مسائل جدیدہ کے حل کرنے میں آپ نے مقتضیات زمانہ کے لحاظ کے ساتھ اصول شریعت کی عظمت وتقدس کا بھرپور خیال رکھا ہے، اصول فتوی کے ساتھ خشیت وتقوی پر بھی کاربند رہے، امت کے لیے ''یسر'' پیدا کرنے کے ساتھ اصول فقہ وافتا کی نزاکتوں کا بھی خیال رکھا، ابتلائے عام اور ضرورت وحاجت کے تقاضوں کے ساتھ شریعت کے تقاضوں کا بھی پاس رکھا، اپنی قابلیت کا اظہار کرنے کے بجائے حقیقت کے اظہار پر یقین رکھا، قیاس واستثنا کی شرطوں کے لحاظ کے ساتھ شرعی مزاج ورواج کا بھی لحاظ کیا، اس طرح آپ نے درایت میں روایت، قیاس میں کتاب وسنت، استنباط مسائل میں اصول شریعت اور فتوی میں تقوی کا بھرپور پاس ولحاظ رکھا۔ یہی اوصاف آپ کو اپنے دور کے اہل فتوی اور ارباب تحقیق میں امتیازی شان عطا کرتے ہیں۔

ذیل میں کچھ مسائل جدیدہ کے حوالے سے آپ کی تحقیقات وتفردات کی جھلکیاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے، جس سے اندازہ ہوجائے گا کہ بلاشبہ آپ اپنے دور کے سب سے بڑی فقیہ ومفتی اور محقق ومدقق تھے۔

نس بندی کا مسئلہ : ۱۹۷۶ء/ ۱۹۷۷ء میں اندرا گاندھی کے زمانے میں نسل کشی کا قانون نافذ کیا گیا اور نس بندی کے جواز میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری طیب قاسمی اور دیگر علمائے دیوبند نے فتوی بھی جاری کردیا، ایسے پرخطر ماحول میں حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے حق گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نس بندی کی حرمت کا فتوی صادر فرمایا اور حضور مفتی اعظم ہند کے حکم پر تاج الشریعہ نے بھی اس سلسلے میں ایک تفصیلی فتوی تحریر فرمایا،

www.muftiakhtarrazakhan.com

جس کی تصدیق خود مفتی اعظم ہند، قاضی عبدالرحیم بستوی علیہما الرحمہ اور محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ مدظلہ جیسے جید علما نے کی۔ تاج الشریعہ نے اس فتوی میں مجوزین کے تمام امکانی دلائل کی تردید کرتے ہوئے اس کے حرام وگناہ ہونے پر نا قابل تردید دلائل پیش کیے۔

نس بندی کو جائز قرار دینے والوں نے اسے ختنہ پر قیاس کیا، جب کہ دونوں میں قیاس کی کوئی علت نہیں، تاج الشریعہ علیہ الرحمہ نے ختنہ پر قیاس درست نہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''نس بندی کو ختنہ پر قیاس کرنا جائز نہیں، بایں وجہ کہ وہ دلیل شرعی سے جائز ہوا، ایسی ہی دلیل اس کے لیے بھی مطلوب جو اس کو تغییر خلق اللہ کے عموم سے خاص کر کے نکال دے اور وہ یہاں مفقود ہے، پھر یہ کہ ختنہ اصلا تغییر خلق اللہ ہے ہی نہیں، جب وہ شرعا مطلوب ہے، تو معلوم ہوا کہ اس کھال کو رب العزت نے کٹنے ہی کے لیے پیدا فرمایا اور پھر اس کے کاٹنے میں فائدہ نظافت عضو ہے اور نظافت شرعا وعرفا محمود ومقصود تو معلوم ہوا کہ تغییر خلق اللہ ایسے جزو بدن کو کاٹنا ہے، جس کا شرع مطہر نے حکم فرمایا۔''

فقہا نے ضرورت شرعیہ کے وقت عورت کو رحم کا منہ بند کرنے کی اجازت دی ہے، اس امر کو بھی نس بندی کے لیے دلیل جواز بنایا گیا، اس پر تاج الشریعہ عبارات فقہا اور اصول فقہ کی روشنی میں عمدہ تحقیق فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''فقہا نے عورت کو بضرورت شرعیہ اپنے رحم کا منہ بند کرنے کی اجازت دی ہے اور وہ بھی بطور بحث فرمایا ہے، جس سے ظاہر کہ مذہب حنفی کی اس باب میں کوئی روایت نہیں، بس بعض فقہا کی ایک بحث ہے تو اگر اسے اجازت مان لیں تو وہ بر بنائے ضرورت ہے اور یہاں ضرورت نہیں اور فقر وفاقہ کا خوف موہوم ہرگز ضرورت شرعیہ نہیں۔''

حضور تاج الشریعہ نے یہاں ضرورت پر عمدہ گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

''الاشباہ والنظائر میں ہے ''وما ابیح للضرورۃ فیتقدر بقدرھا'' اس کا مقتضی یہ ہے کہ سد فم رحم اسی صورت میں جائز ہو کہ عزل وغیرہ ادویہ فرزجہ کی تدبیر نہ بنے اور نیز یہ کہ اتنی ہی دیر تک اس کی اجازت ہو جب تک ضرورت قائم ہو، یہاں سے ظاہر ہوا کہ سد فم رحم

وغیرہ تدابیر عارضی ہیں، نہ کہ دوامی اور نس بندی منع حمل کی دائمی تدبیر ہے۔''

نس بندی جائز ٹھہرانے والے عزل کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں، جب کہ حضور تاج الشریعہ نے چار وجوہ سے عزل پر اس کا قیاس باطل ومردود قرار دیا، جیسا کہ فرماتے ہیں:

''اولا: عزل اپنی منکوحہ سے جائز اس میں شرعا وعقلا کوئی بے حیائی نہیں اور نس بندی بے حیائیوں کا ارتکاب ''واللہ لایامر بالفحشاء''۔

ثانیا: عزل بے ضرر ہے اور اس میں ضرر رہے تو اگر اجازت بھی ہو تو جائز و بے ضرر طریقہ موجود ہوتے ہوئے ایک حرام ومضر طریقے کی شرعا اجازت نہیں ہوسکتی۔

ثالثا: عزل عارضی تدبیر ہے اور یہ تعقیم دائمی ہے اور یہ شرعا حرام ہے۔

رابعا: عزل کو بھی حدیث میں ناپسند فرمایا گیا اور اس کے متعلق ارشاد ہوا ''ذالک الوأد الخفی'' یہ خفیہ طور پر اولاد کشی ہے گو اس میں ناپسندیدگی اس طریقہ مروجہ سے کم ہے تو جب عزل ہی کو شرع مطہر نے ناپسند فرمایا۔۔۔ تو یہ عمل عزل کی اگر نظیر ہے تو ناپسندیدگی اور منافات مقصد شرع میں ہے بلکہ اس سے کئی گناہ زائد ہے۔''

خون کے عطیہ کا مسئلہ : انسانی جسم کے خون اور دیگر اعضا کی بیع وشرا نیز وقت ضرورت ان کو عطیہ میں دینا شرعا جائز ہے یا نہیں، یہ عصر حاضر کا نہایت حساس اور ضروری مسئلہ ہے، بعض اہل فتوی نے وقت کی ضرورت کے پیش نظر چند شرطوں کے ساتھ اس کے عطیہ کو جائز قرار دیا ہے، مگر تاج الشریعہ نے اس سلسلے میں سوال کرنے پر جواب دیا:

''خون کا عطیہ دے کر کسی کی زندگی بچانا جائز نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ خون اور جسم کے اعضا یہ آپ کی جائیداد اور آپ کی ملک نہیں ہیں، عطیہ آدمی اسی چیز کو کرتا ہے اور دینا لینا قیمت کے ذریعہ یا بغیر بخشا کہ جو چیز مال ہو اور وہ کسی کی ملک میں ہو، خون نہ تو مال ہے کہ جس میں خرید وفروخت کا معاملہ جاری ہوسکے اور نہ یہ آپ کی اپنی پراپرٹی (ملکیت) ہے کہ آپ کسی کو بغیر کسی عوض کے بخش دیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا کہ'' ولقد کرمنا بنی آدم''ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی (سورۃ الاسراء) لان الانسان مکرم بجمیع اجزائہ انسان اور انسان کے تمام

اجزا واعضا محترم ومکرم اور باعزت ہیں، یہ نہیں ہوسکتا کہ انسان کے کسی پرزے یا انسان کے کسی بال کو جس طور پر جانوروں کے اجزا استعمال کیے جاتے ہیں، انسان کے بالوں کو یا اس کے اجزا کو اس طور پر استعمال کیا جائے۔''

لیزر ہیئر ٹرانسپلانٹ کا مسئلہ : یہ ایک جدید طریقہ ہے جس میں اگر کسی شخص کے بال نہ نکل رہے ہوں تو لیزر کے ذریعہ ٹرانسپلانٹ کیے جاتے ہیں اور اس کے بال نکل آتے ہیں، اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے حضور تاج الشریعہ فرماتے ہیں:

''لیزر ہیئر ٹرانسپلانٹ میں حرج معلوم نہیں ہوتا، جب کہ اس کے آفیئر ایفکٹس اور سائڈ ایفکٹس خطرناک نہ ہوں اور کسی مرض یا کسی مصیبت کا گمان غالب نہ ہو اور اس میں ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو اس میں حرج نہیں۔'' (انوار تاج الشریعہ ص ۱۶)

کوموڈٹی مارکیٹ کا مسئلہ : جدید طرق تجارت میں ایک طریقہ یہ بھی ہے، یہ بیع وشرا آن لائن انٹرنیٹ پر ہوتی ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مشتری آن لائن کسی کمپنی کی وکالت میں کپاس، گندم یا سونا چاندی خرید لیتا ہے، کمپنی اس کے اکاؤنٹ سے کچھ رقم وضع کر کے اس کے لیے ایک متعین مقدار میں سونا، چاندی یا مذکورہ اشیا میں کوئی شی جس کی اس کو طلب ہوتی ہے، اس کے نام کر دیتی ہے، اس شرط سے پیسہ تو کمپنی کے قبضہ میں چلا جاتا ہے، مگر شی مبیع صرف آن لائن اس کی ہوتی ہے، مشتری کے قبضہ میں نہیں آتی ہے، عموماً یہ معاہدہ ایک مدت کے لیے ہوتا ہے، مثلاً ۵۰ ہزار میں کسی نے کمپنی سے کچھ سونا خریدا ایک مہینے کے لیے، تو اگر ایک مہینے کے اندر سونے کا ریٹ بڑھے گا تو مشتری کو بڑھا ہوا منافع اصل رقم ۵۰ ہزار کے ساتھ مل جائے گا اور ایک مہینے کے اندر اگر سونے کا ریٹ گرتا ہے تو جو نقصان ہوگا، مشتری کو اس کی بھرپائی کرنی ہوگی، ظاہر ہے یہ بیع کئی وجوہ سے ناجائز ہے، پہلی وجہ تو یہ کہ یہ ایک طرح کا سٹہ ہے اور قمار بازی ہے، جو شرعاً ناجائز وحرام ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں بیع پر قبضہ سے پہلے خرید وفروخت کرنا ہوتا ہے، یہ بھی ناجائز ہے۔ حضور تاج الشریعہ نے سوال جواب کے سیشن میں اس طریقہ بیع وشرا کے تعلق سے تفصیلی جواب عنایت

فرمایا، چنانچہ اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

ازآنجا کہ بیع مبادلت مال بالمال کا نام ہے۔ انٹرنیٹ پر بیع تمام کی کوئی صورت نہیں، اس لیے مبادل بے تسلیم بیع وثمن متصور نہیں رہا، ہاں یہ بیع وشرا کے لیے مساوات ہے، اس کی رو سے بائع ومشتری میں ایجاب وقبول کر کے اور تقابض بدلیں یا احد البدلین محقق ہو مثلاً مشتری مبیع پر قبضہ کر لے اور ثمن ایک مدت معینہ کے بعد ادا کرنا ٹھہرے یا ثمن پر مجلس بیع میں بائع قابض ہو اور مبیع ایک مدت متعینہ کے لیے ادھار ہو تو یہ صورت بیع کی ہے۔ غیر مقبوض کی بیع صحیح نہیں، یوں ہی جب کی مبیع وثمن دونوں ادھار ہوں، بیع صحیح نہیں، کہ حدیث میں غیر مقبوض کی بیع سے منع فرمایا، اسی طرح وارد ہوا:

نهى عن بيع الكالى بالكالى.

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کے بدلے ادھار بیچنے سے منع فرمایا۔

یہاں سے انٹرنیٹ پر بیع وشرا کے معاملت موجودہ کا حکم ظاہر اور مندرجہ بالا سے واضح کہ صحت بیع کے لیے یہ ضروری ہے کہ مبیع موجود ہو جس پر بائع کو ملک یا ولایت حاصل ہو اور وہ اس کے قبضہ میں ہو نیز مقدور التسلیم ہو اور بصورت نقد مبیع وثمن پر مجلس بیع میں قبضہ متحقق ہو اور ادھار کی صورت میں ایک ہی مجلس میں احد البدلین پر قبضہ متحقق ہو۔ یہ چند بنیادی شرطیں انعقاد بیع کی ذکر ہوئیں، جن میں سے ایک اتحاد مجلس بھی ہے جو ضمناً مذکور ہوئی، جیسا کہ ظاہر ہے، لہٰذا انٹرنیٹ کے ذریعہ قرارداد کی رو سے اگر غیر مقبوض کو بیچا تو بیع صحیح نہیں، یوں ہی جو مبیع موجود ہی نہیں، اس کی بیع نادرست ہے، البتہ جن چیزوں میں بوجہ حاجت تعامل جاری ہے، کہ آرڈر پر تیار کراتے ہیں اور اس کو اصطلاح شرع میں استصناع کہا جاتا ہے، شرعاً ان کی بیع جائز ہے، یہاں تک مبیع کے ادھار ہونے کی ایک صورت ذکر ہوئی، دوسری صورت بیع سلم کی ہے، جس کی رو سے ایک ہی مجلس میں بائع کا ثمن پر قبضہ کرنا ضروری ہوتا ہے، پھر اگر بیع سلم کے سب شرائط پائے گئے تو بیع درست ہے، اور اگر سب شرائط نہ پائے گئے مثلاً غلبہ یا کوئی شی جس میں سلم درست ہوگی جنس یا نوع یا صفت یا وزن کی تعین نہ ہوئی، یا وہ چیز ٹھہری جو اس وقت سے وعدہ تک ہر وقت بازار میں موجود نہ رہے گی، یا میعاد مجہول رکھی یا اسی جلسہ میں

روپیہ تمام وکمال ادا نہ کر دیا تو ضرور حرام وسود ہے، اگر چہ نرخ بازار سے کچھ زیادہ نہ ٹھہرا۔
یہاں سے ظاہر ہوا کہ انعقاد بیع کی ایک شرط اتحاد مجلس کے ساتھ ایجاب وقبول بھی ہے جو ضمنا مفہوم، اس کے علاوہ مزید شروط ہیں جن کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کا مسئلہ :

اللہ رب العزت نے جمیع مخلوق کی تخلیق فرمائی اور سب کی روزی اپنے ذمہ کرم پر لے لی، کائنات کی ہر وہ مخلوق جو کھاتی پیتی ہے، اللہ کی بارگاہ سے اسے روزی ملتی ہے، چوں کہ تمام مخلوق کی طرح انسانوں کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر ہے، اس لیے انسان کو اس بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں، ہاں وہ حصول رزق کی تدبیریں اپنائے، اس بارے میں کوشش کرے، مگر اس کے پیچھے ناجائز وحرام امور کا ارتکاب نہ کرے، نہ ہی روزی کے ڈر سے کوئی غیر شرعی قدم اٹھائے، یہی شریعت کا تقاضہ ہے اور فطرت کا بھی۔
آج کی ترقی پذیر یا ترقی یافتہ قومیں کچھ معاشرتی مسائل اور روزی روٹی کی تنگی کا بہانہ بنا کر بلا وجہ ضبط تولید کا پرچار کرتی ہیں اور ''ہم دو ہمارے دو'' کے نظریے کی تشہیر میں شب وروز سرگرم عمل رہتی ہیں۔ اس تعلق سے صحیح اسلامی نظریہ کیا ہے، اس کی صراحت کرتے ہوئے حضور تاج الشریعہ ارشاد فرماتے ہیں:
''خاندانی منصوبہ بندی کے بہت سارے طریقے ناجائز ہیں، جن میں نس بندی اور آپریشن کی بلا ضرورت شرعیہ تجرد اور برہنہ ہونا لازم آتا ہے، پھر تغییر خلق اللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس چیز کو جس مصلحت کے لیے پیدا کیا ہے، اس میں مداخلت اور اس میں تبدیلی کی کوشش جو بہ نص قطعی حرام ہے بھی ہوتی ہے اور تحکیم دائمی یعنی مستقل اور پرمانٹ طور پر عورت کو ناقابل ولادت کر دینا، بانجھ کر دینا، یہ مقصد شرع کے خلاف ہے اور اگر یہ اس طور پر ہو کہ بچہ پیدا ہوگا اس کے رزق کا، اس کی روزی کا کیا اہتمام ہوگا، کون اس کو کھلائے گا اور کون اس کی پرورش کرے گا تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر توکل کے منافی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو فرمایا:

ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقهم وایاکم.

اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل مت کرو ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انہیں بھی روزی دیتے ہیں۔

تو یہ بعض حالات میں بالفعل قتل ولد ہوتا ہے کہ نطفہ ٹھہر جاتا ہے اور اس کا اسقاط کرادیتے ہیں، یہ حرام قطعی ہے اور بعض حالات میں یہ مثل قتل ولد ہے اور یہ ناجائز وحرام ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ پر توکل کے منافی ہے، لہذا فیملی پلاننگ کی جو تدابیر تحکیم دائمی کے لیے کی جاتی ہیں، وہ ناجائز وحرام ہیں، البتہ بعض حالات میں بعض مصالح معقولہ شرعیہ کی بنا پر اگر مانع حمل دوائیں استعمال کرے جس میں تجرد اور آپریشن کی ضرورت نہ ہو عارضی طور پر تو اس میں حرج نہیں ہے۔

بینک یا ڈاک خانے سے ملنے والے انٹرسٹ کا مسئلہ :

بینک یا ڈاک خانے میں جمع کردہ رقم سے زیادہ رقم بظاہر سود ہے، اور سود حرام ہے، مگر چوں کہ مسلمان اور کافر حربی کے درمیان ربا نہیں، اس لیے یہاں کے بینکوں سے ملنے والی انٹرسٹ کی رقم جائز ہے، بعض تقوی بگھارنے والے اصول شرع سے ناآشنا مفتیوں نے مطلقاً انٹرسٹ کو سود مان کر ناجائز وحرام قرار دیا ہے، مگر حضور تاج الشریعہ نے اس تعلق سے یہ فتوی دیا:

''شرعی طور پر رقم زیادہ ملی اور اگر واقعی یہ شرعی طور پر سود ہے تو اس کی معاملت جائز نہیں اور اس کا لینا بھی جائز نہیں ہے اور اگر لے لی تو اب بغیر ثواب کی نیت سے اس کو فقرا پر تصدق کردے اور جو رقم کافروں سے غیر مسلم بینکوں سے ملے یا ڈاکخانوں سے ملے یا کسی غیر مسلم سے انفرادی طور پر ایسا معاملہ کیا کہ ایک روپے کے بجائے اس سے دو روپے لے لیے تو یہ سود نہیں ہے اس کو سود سمجھنا جائز نہیں ہے اور یہ رقم مسلمان کے لیے حلال ہے، وہ چاہے اپنے مصرف میں خرچ کرے یا کسی کو دے دے جو چاہے وہ کرے۔''

حدیث

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نادر روزگار حنفی فقیہ تھے اور یہ ناقابل تردید حقیقت ہے، کہ حنفی فقیہ محدث بھی ہوتا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے، کہ ایک محدث کو بحیثیت

محدث صرف متن حدیث، سند حدیث، کلمات حدیث سے بحث ہوتی ہے، مفاہیم ومطالب سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ لیکن حنفی محدثین کی خصوصیت رہی ہے، کہ وہ جہاں سند ومتن اور قوت وضعف سے بحث کرتے ہیں، وہیں وہ مطالب ومعانی پر بھی نگاہ جمائے رکھتے ہیں۔ امام عینی، امام طحاوی اور امام احمد رضا وغیرہم کی تحریروں میں بھی اس کی جلوہ سامانی دیکھی جاسکتی ہے۔

حضور تاج الشریعہ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ حنفی فقیہ بھی تھے۔ اسی لیے فنون کے استحضار کے ساتھ مفاہیم ومطالب تک رسائی میں بھی یکتائے روزگار تھے، فقہ حنفی کے ایک ایک جزئیہ پر حدیثیں یاد تھیں اور ہر مسئلہ کی تائید میں حدیث رسول، اقوال صحابہ، آثار تابعین نوک زبان تھے۔

حضرت مفتی مطیع الرحمٰن مضطر پورنوی راوی ہیں، کہ ایک بار شافعی مسلک کے کچھ علما کیرالہ سے حضرت سے ملنے بریلی آئے، وہ حضرات عموماً اجلی شرٹ اور تہہ بند استعمال کرتے ہیں، تہہ بند ٹخنے سے اوپر ہوتا ہے، نماز میں رفع یدین کرتے ہیں، بالجہر آمین کہتے ہیں۔ یہ علامتیں شمالی ہند میں وہابیوں کی ہیں، اس لیے رضا مسجد میں جب ان لوگوں نے نماز پڑھی، تو ہر طرف یہ سرگوشیاں ہونے لگیں، کہ کچھ وہابی آئے ہوئے ہیں، یہ لوگ حضور تاج الشریعہ سے ملنا چاہتے ہیں، انہیں آنے دیا جائے کہ نہیں، مفتی صاحب نے مخبر سے کہا، کہ تم یہ فیصلہ کیوں کررہے ہو کہ آنے دیا جائے یا نہیں۔ اور پھر حضور تاج الشریعہ سے عرض کیا گیا کہ حضور کچھ وہابی علما آنا چاہتے ہیں اور ملنا چاہ رہے ہیں تو موقع دیا جائے، ہوسکتا ہے کہ حضور سے تبادلۂ خیال کے بعد انہیں ہدایت نصیب ہو جائے، ان لوگوں کو جیسے ہی اجازت ملی، حاضر ہوئے، شاید انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ پہلے رفع اوہام کردیا جائے، اس لیے بار یاب ہوتے ہی عرض کیا، کہ حضور ہم بھی حسام الحرمین پر تصدیق کرتے ہیں، مسلک اعلیٰ حضرت کے ماننے والے ہیں، لوگ جیسا سمجھ رہے ہیں، ہم قطعی ایسے نہیں ہیں، ہم شافعی مسلک کے ذمہ دار علما ہیں، اب تو ماحول کا پورا رنگ بدل گیا، ان حضرات کے لیے اعلیٰ عمدہ قسم کا ناشتہ آیا اور اپنائیت کے ماحول میں خیالات علمی کا لین دین شروع ہوگیا۔ دوران گفتگو

www.muftiakhtarrazakhan.com

ان حضرات نے فقہ امام اعظم پر فقہ امام شافعی کی برتری ثابت کرنا چاہی کہ فقہ حنفی کی اساس عقل وقیاس پر ہے، جب کہ فقہ شافعی کی اساس حدیث مصطفیٰ پر ہے، شافعی مسلک میں حدیث کا عمل دخل غالب ہے، حنفی مسلک میں خرد کا عمل دخل غالب ہے، لہذا فقہ شافعی کو فقہ حنفی پر برتری حاصل ہے۔ یہی تقاضائے عدل وانصاف ہے۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا: آپ کا خیال باطل ہے، فقہ حنفی کا ہر جزئیہ حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلیات وبرکات سے مزین ہے۔ ہر اصل کا ماخذ کوئی نہ کوئی حدیث ضرور ہے۔ یقین نہ ہو تو آپ امام اعظم کا کوئی بھی جزئیہ پیش کریں ہم اس کو حدیث سے ثابت کریں گے، ہر اصل کا ماخذ حدیث مصطفیٰ ہی قرار دیں گے۔ چنانچہ وہ حضرات جزئیات پیش کرتے جارہے ہیں، اور حضرت اس کا ماخذ حدیث پیش کرتے جارہے ہیں، وہ جو بھی جزئیہ پیش کرتے حضرت اسے حدیث سے مدلل کردیتے، ان حضرات نے جتنے جزئیات پیش کیے، حضرت نے سب کو حدیث سے ثابت کردکھایا اور حاضرین وسامعین کو حیران وششدر کردیا۔ مفتی مطیع الرحمٰن پورنوی فرماتے ہیں کہ اس وقت ایسا لگ رہا تھا کہ حضرت کی زبان سے اعلیٰ حضرت کا علم اور مفتی اعظم کا فیضان بول رہا ہے۔

ہر فقہی جزئیہ کو حدیث سے ثابت کرنے کی ہمت وہی کرسکتا ہے، جسے حدیث میں کامل ادراک ومہارت ہو، جس کی نگاہ علوم پناہ ایک طرف فقہی جزئیات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہو تو دوسری طرف حدیث کی سیکڑوں کتابوں میں پھیلی ہوئی ایک ایک حدیث مصطفیٰ پر عقابی گرفت، پھر شاہین سی چستی اور پھرتی کہ جزئیہ پیش ہوا کہ حدیث حاضر۔

(تجلیات تاج الشریعہ ص ۱۷۴)

حدیث کے باب میں گراں قدر خدمات انجام دیں اور اس عنوان پر متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں:

نهاية الزين فى التخفيف عن ابى لهب يوم الاثنين : بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ثویبہ ابولہب کی لونڈی ہے اور ابولہب نے اس کو آزاد کردیا، اس نے نبی علیہ السلام کو دودھ پلایا تھا، جب وہ مرگیا، تو

www.muftiakhtarrazakhan.com

وہ اس کے گھر والوں کو برے حالات میں دکھایا گیا، دیکھنے والے نے ابولہب سے کہا، موت کے بعد تجھے کیا پیش آیا، ابولہب نے جواب دیا، تمہارے بعد مجھے کچھ راحت نہ ملی، صرف ایک بات ہے کہ ابہام وسبابہ کے درمیان چھوٹے سے گھڑے میں سے (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں) اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کرنے کے باعث پانی پلایا جاتا ہے۔ (بخاری کتاب النکاح ص ۹۱۲)

کسی شخص نے مذکورہ حدیث کو کذب و باطل ثابت کرنے کے لیے ایڑی سے چوٹی کا زور صرف کر دیا، معارضہ کے طور پر قرآن کی متعدد آیتیں بلا سمجھے بوجھے پیش کیں۔ تفسیری اقوال نقل کیے گئے۔

حضور تاج الشریعہ نے اس کے جواب میں ۳۵ رصفحات پر مشتمل رسالہ تصنیف فرمایا اور اس کا نام ''نھایۃ الزین'' رکھا اور اس رسالے میں مذکورہ روایت بخاری کی وسیع پیمانے پر تخریج کی۔ معارضہ کے طور پر پیش کی گئی، آیات کے صحیح محامل کی نشاندہی کی اور سارے شکوک وشبہات کے ازالے کے بعد حدیث کی صحت پر دلائل قائم کر کے اس واقعہ کو بے غبار ثابت کیا۔

شرح حدیث نیت : مشہور زمانہ حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' کی تفصیلی شرح پر مشتمل یہ رسالہ ہے اس میں کئی جہتوں سے محققانہ، محدثانہ، عارفانہ گفتگو کی گئی ہے۔

شرح حدیث الاخلاص :

الصحابۃ نجوم الاھتداء : حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں، ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۳۶۱)

مذکورہ حدیث کو ایک صاحب نے موضوع و باطل قرار دیا تھا۔ حضور تاج الشریعہ نے نجوم الاہتداء نامی اس کتاب میں اس کا علمی جائزہ لیا۔ انتہائی شرح وبسط کے ساتھ محققانہ گفتگو فرمائی، مولانا محمد حسن ازہری لکھتے ہیں:

www.muftiakhtarrazakhan.com

ڈاکٹر عبدالرؤف جنہوں نے ''کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ'' میں مذکور حدیث پاک ''اصحابی کالنجوم'' پر موضوع ہونے کا حکم لگایا، پھر اپنے قول کے مستند ہونے کے لیے امام ذہبی کی کتاب ''المیزان'' کا حوالہ دیا۔ شارح کتاب ملا علی قاری نے اجمالی طور پر اس حدیث شریف کے متعدد طرق اور شواہد ومتابعات کو جمع کرتے ہوئے حکم حدیث کے متعلق صحت وضعف کی حیثیت سے اور رجال کے متعلق جرح وتعدیل کے لحاظ سے ائمہ محدثین کی آرا واقوال کی بھی نشاندہی کی ہے۔ ان دونوں علمائے کرام کی مختصر تحریر کی جو خوبصورت شرح وتعبیر اور توضیح وتوجیہ حضور تاج الشریعہ دامت برکاتہم القدسیہ نے اپنے فکر انگیز اور تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں کی ہے، یہ انہیں کا حصہ ہے، اس سے جہاں آپ کی تحقیقی وتنقیدی صلاحیت کا بخوبی احساس ہوتا ہے، وہیں آپ کے افکار عالیہ اور صفات عمیقہ کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔ (تجلیات تاج الشریعہ ص ۳۸۲)

تعلیقات زاہرہ : محدث احمد علی سہارن پوری نے صحیح البخاری پر عالمانہ وفاضلانہ حاشیہ قلم بند فرمایا اور برصغیر میں صحیح البخاری انہیں کے حاشیہ کے ساتھ چھپتی ہے، ان میں جگہ جگہ کوتاہیاں در آئی ہیں، جن کی نشاندہی ضروری تھی، حضور تاج الشریعہ نے اس کی طرف توجہ فرمائی اور ان کوتاہیوں کی نشاندہی کی، علمی وفکری تعاقب کیا، مختصر اور انتہائی مدلل حاشیہ تعلیقات زاہرہ کے نام سے تصنیف فرمایا، اس حاشیہ میں آپ کی فقیہانہ عظمت وشان اور محدثانہ رفعت مقام روشن اور ظاہر وباہر ہے۔

اسماء الرجال وجرح وتعدیل

حضور تاج الشریعہ جہاں فقہ وحدیث کے اسرار ورموز میں تعمق نظر کے حامل تھے، اصول حدیث، اسماء الرجال اور جرح وتعدیل میں حد درجہ مہارت رکھتے تھے۔ ذیل میں کچھ اقتباسات پیش کیے جارہے ہیں، پڑھیے اور حضور تاج الشریعہ کی حدیث دانی اور راویان حدیث پر تعمق نظر کا اندازہ لگائیے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''صحیح البخاری'' کے اندر ''کتاب الاذان باب کم

بیـــن الاذان والاقـــامة ''میں دوحدیثوں کی تخریج کی ہے،جن سے شوافع حضرات یہ استدلال کرتے ہیں، کہ مغرب کی اذان کے بعداور نماز سے پہلے دورکعت نماز پڑھنا مستحب ہے، حالاں کہ احناف اور دیگر ائمہ اس کا انکار کرتے ہیں۔حضور تاج الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے مسلک حنفی کی تائید میں ایک حدیث ذکر کی جس میں واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ مغرب کی نماز سے پہلے کوئی نماز نہیں ہے۔اس حدیث کو دار قطنی اور بیہقی نے اپنی ''سنن'' میں ذکر فرمایا اور امام بزاز نے بھی اپنی مسند میں اس کی تخریج کی ہے۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی حیان بن عبید اللہ العدوی ہے،جن کے بارے میں امام بزاز فرماتے ہیں''وھو رجل مشھور من اھل البصرۃ لاباس بہ ''اورامام بیہقی نے فرمایا:''اخطأ فیہ حیان بن عبید اللہ فی الاسناد والمتن جمیعا ''اور ابن جوزی نے اس حدیث کو''موضوعات''میں ذکر کیا اور فلاس کے حوالے سے کہا، کہ''کان حیان ھذا کذابا''۔

اب اس موضوع پر حضور تاج الشریعہ کا علمی وفنی اور تحقیقی وتنقیدی کلام پڑھیے کہ جس حسن وخوبی اور دقت نظری سے جائزہ لیا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ فن اسماء الرجال میں آپ ایک امتیازی شان کے مالک ہیں:

اقول قول البزاز فی حیان بن عبید اللہ العدوی انہ رجل مشھور لاباس بہ ادنی مایفھم من ھذاالکلام توثیق ھذا الراوی وفی حاشیۃ الدار قطنی قال الھیثمی فی مجمع الزوائد لکنہ اختلط وذکرہ ابن عدی فی الضعفاء انتھی. وحیان ھذا غیر الذی کذبہ الفلاس. ذاک حیان بن عبداللہ بالتکبیر ابوجبلۃ الدارمی وھذا حیان بن عبید اللہ بالتصغیر ابوزھیر البصری ذکرھما فی المیزان وقال فی ترجمۃ البصری قال البخاری ذکر الصلت عنہ الاختلاط وکذا فی اللسان وزاد فی ترجمۃ البصری وقال ابو حاتم صدوق وقال اسحاق بن راھویہ کان رجلا صدوقا ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال ابن حزم مجھول فلم یصب انتھی.(تعلیقات زاھرہ مع البخاری ص ۷۹،مجلس برکات جامعہ اشرفیہ)

میں (اختر رضا خاں ازہری) کہتا ہوں: امام بزاز کا حیان بن عبیداللہ العدوی کے تعلق سے یہ ارشاد فرمانا کہ ''انه رجل مشهور لاباس به ''اس سے کم سے کم یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ راوی آپ کے یہاں ثقہ ہیں۔ حاشیہ دار قطنی میں ہے امام ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں ان کے تعلق سے کہا ''لكنه اختلط وذكره ابن عدى فى الضعفاء ''لیکن وہ اختلاط کے شکار ہو گئے اور ابن عدی نے ان کو ''الضعفاء'' میں ذکر کیا، امام ہیثمی کی بات ختم ہوئی۔ رہ گئی یہ بات کہ فلاس (جس کے قول کو ابن جوزی نے 'الموضوعات'' میں ذکر کیا) نے جس حیان کو کذاب کہا ہے، وہ حیان بن عبداللہ ابوجبلہ الدارمی ہے اور یہ حیان بن عبیداللہ ابوز ہیر البصر ی ہیں۔ علامہ ذہبی نے ان دونوں کا ذکر ''المیز ان'' میں کیا ہے اور بصری کے ترجمہ میں کہا ''امام بخاری نے فرمایا کہ صلت نے ان کے اختلاط کا تذکرہ کیا اور ابوحاتم اور اسحاق بن راہویہ نے صدوق کہا، ابن حبان نے انہیں اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا، اور ابن حزم نے مجہول کہا، مگر درست نہ کہا۔

حدیث ''اصحابی کالنجوم ''جو کتاب الشفا میں مندرج ہے، پر موضوع کا حکم لگایا گیا اور اس کی موضوعیت کے ثبوت میں علامہ ذہبی کی کتاب ''المیز ان'' کا حوالہ دیا گیا اور اس کی بنیاد جعفر بن عبدالواحد کو بنایا جو حدیث ''اصحابی کالنجوم'' کی سند کے ایک راوی ہیں۔ حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس حدیث پاک کا شرح وبسط کے ساتھ تنقیدی وتحقیقی اور تجزیاتی جائزہ لیا اور اس راوی کے متعلق ائمہ محدثین کے اقوال کا باریک بینی اور تعمق نظر سے جائزہ لیتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ یہ حدیث موضوع نہیں۔ جیسا کہ اس پر مکمل تحقیق کتاب ''الصحابة نجوم الاهتداء ''میں مذکور ہے، وہاں مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں ان میں سے ایک اقتباس تحریر کر رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

فنقول : حكى عن الدار قطنى انه يضع الحديث وعن الدار قطنى نفسه حكى انه اخرج هذا الحديث الذى حكم عليه بالوضع من اجل جعفر ولو ثبت اخراجه الحديث عن جعفر فمع قطع النظر ان قوله منقوض بفعله فتخريج الدار قطنى عن جعفر هذا ان لم يكن توثيقا له فهو مشعر على الاقل

بان حدیثه یکتب ویقبل ولو لم یکن الامر کذلک لنبه علیه الدار قطنی وکذلک ما اثر عن ابن عدی انه یسرق الحدیث ویاتی بالمناکیر عن الثقات لا یفید ان حدیثه موضوع وانما مرجعه الی وضع السند کما اسلفنا وقول ابی زرعة فی هذاالحدیث انه من بلایاه لا یحتمل منه علی ظاهره کیف وقد تاید الحدیث بالحدیث ولم یکن مدار الحدیث علی جعفر بن عبدالواحد وحده بل روی بطرق عن عمر وعن جابر وعن ابن عمر وعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهم ثم قول ابی زرعة انه من بلایاه انما هو فی اللفظ الذی نقل عنه فی المیزان فلو فرض حکمه بالوضع فی المتن فانما یقتصر علی اللفظ الذی ورد فی المیزان ولا ینسحب علی غیره کمال لایخفیٰ.

تو ہم کہیں گے (حضور تاج الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ) امام دار قطنی علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ وہ (جعفر بن عبدالواحد) حدیث گڑھتے تھے، اور دار قطنی سے یہ بھی مروی ہے، کہ انہوں نے بذات خود اس حدیث کی تخریج کی ہے، جس پر جعفر بن عبدالواحد کی وجہ سے موضوع کا حکم لگایا گیا ہے، تو امام دار قطنی کا جعفر سے روایت کرنا ثابت ہوا، اس سے قطع نظر ان کا قول خود ان کے فعل سے ہی مردود اور منقوض ہے، لہذا امام دار قطنی کا جعفر کی حدیث کی تخریج کرنا ان کے ثقہ ہونے پر دال نہیں۔ پھر بھی کم سے کم اس بات کی طرف ضرور اشارہ کرتا ہے، کہ ان کی حدیث قابل کتابت اور لائق قبول ہے۔ اگر معاملہ ایسا نہ ہوتا، امام دار قطنی ضرور اس پر تنقیح فرماتے، اسی طرح جو ابن عدی سے منقول ہے، کہ وہ (جعفر) سارق حدیث تھے، اور ثقہ راویوں سے منکر احادیث روایت کرتے تھے، اس سے بھی اس حدیث کا موضوع ہونا ثابت نہ ہوا، کیوں کہ اس کا مرجع و مدار محض وضع سند ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا (الصحابۃ نجوم الاہتداء کے ص ۲۱ پر گزر چکا ہے، کہ ابو حاتم نے کہا، کہ جعفر بن عبدالواحد پر واضع سند اور سارق حدیث کی تہمت لگائی گئی ہے، اس قول سے یہ واضح طور پر ثابت ہوا، کہ وہ صرف سند وضع کرتے تھے، کیوں کہ کبھی کبھی کسی حدیث کو موضوع کہہ دیا جاتا ہے، حالاں کہ صرف سند موضوع ہوتی ہے، تو اس وقت حکم صرف سند پر منحصر ہوتا ہے، متن حدیث پر

www.muftiakhtarrazakhan.com

نہیں)اور اس حدیث کے تعلق سے امام ابوزرعہ کا یہ قول ''یہ جعفر کے شواذ ونوادر میں سے ہے'' سے بھی اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہوسکتا ، کیسے ہوسکتا ہے؟ جب کہ اس حدیث کی تائید دوسری حدیث سے ہورہی ہے،اس پر مستزاد یہ کہ اس حدیث کا مدار صرف جعفر بن عبدالواحد نہیں ہے، بلکہ یہ بہ طریق حضرت عمر،حضرت جابر،حضرت ابن عمر،حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے،لہذا امام ابوزرعہ کے قول ''انہ من بلایاہ'' سے مراد جعفر بن عبدالواحد والی سند ہوئی ، جو میزان الاعتدال میں نقل کیا گیا ہے۔اور اگر بالفرض موضوع کا حکم متن حدیث کے ساتھ لگا دیا جائے تو یہ حکم صرف اسی حدیث پر ہوگا، جو میزان الاعتدال میں مذکور ہے، اس کے علاوہ دیگر سندوں سے جو حدیث مروی ہے ، اس پر یہ حکم نافذ نہ ہوگا جیسا کہ علم حدیث سے شغف رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔

مذکورہ اقتباسات اور تحقیقات سے حضور تاج الشریعہ کی علمی جلالت،فنی مہارت اور اسماءالرجال اور علم حدیث میں دستگاہ تام ودسترس کامل خوب خوب واضح ہوجاتی ہے۔

شاعری

حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ جملہ کمالات علمیہ کے ساتھ شعروسخن کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے۔تاج الشریعہ کی شاعری حمد،نعت اور منقبت کا احاطہ کرتی ہے۔ان کا پاکیزہ شعری ذوق دوسری اصناف سخن سے آلودہ نہ ہوا ، آپ کا مقصد حیات اصلاح امت ،تطہیر قلوب ، دعوت الی الحق اور عشق رسالت کی توانائی سے امت کو مالا مال کرنا تھا ، چنانچہ اپنی تحریر وتقریر اور شعروشاعری کے ذریعہ پوری زندگی ان مقاصد حسنہ کی تکمیل میں سرگرم عمل رہے۔ایسے قادرالکلام شاعر کہ جب نشاط وکیف کی سرمستی طاری ہوتی تو برجستہ عربی یا اردو میں اشعار موزوں ہونے لگتے ، ہردوزبان کی نعت ومنقبت ،حسن بیان اور فنی محاسن کے لحاظ سے نمایاں ہوتی۔عربی شاعری اتنی بے ساختگی اور فنی مہارت کے ساتھ پیش کرتے کہ آپ کی شاعری پر اہل عرب عش عش کرتے ، اردو تو مادری زبان تھی ،شعر میں کوثر وسلسبیل سے دھلی ہوئی پاکیزہ زبان استعمال کرتے ،الفاظ اور تراکیب کا استعمال اتنا برمحل ہوتا کہ کلام فصاحت وبلاغت کا

www.muftiakhtarrazakhan.com

صاف وشفاف آئینہ بن جاتا، انہیں شاعری پر حاکمانہ قدرت حاصل تھی۔

زبان وبیان کی حلاوت وشیرینی سے قطع نظر نعت کے مضامین، خیال کی بلندی، فکر کی گہرائی، جذبے کی لطافت اور سوز وگداز اور اثر آفرینی کی ایک زریں کہکشاں کلام بلاغت نظام میں کھنچی ہوئی نظر آتی ہے۔

شمائل نبوی، توصیف، سیرت وصورت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، زیارت نبی کی تمنا، خاک مدینہ میں ملنے کی آرزو، درجاناں پر جان کا نذرانہ پیش کرنے کی خواہش، بے ثباتی دنیا کا ذکر، وسیلہ، شفاعت، باعث تخلیق کائنات سے بے کراں محبت، عقیدت وارادت، مہجوری کا درد، وصل محبوب کی تڑپ، عشق کا والہانہ پن، غم جاناں کی کسک، آپ کی نعتیہ شاعری کے خاص موضوعات ہیں۔

مولانا اختر حسین قادری اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''نعت گوئی کے لیے زبان وبیان کی شیرینی، فکر وخیال کی پاکیزگی اور عشق رسول کی چاشنی بنیادی شرط ہے، حضرت اختر بریلوی مدظلہ نے صرف اظہار فن کے لیے نعتیں نہیں کہیں ہیں، بلکہ الفاظ کے پیکر میں عقیدت ومحبت کی دلی آواز ہے، جس میں سوز وگداز، عشق وسرمستی اور خود سپردگی کا عنصر پورے طور پر کارفرما ہے۔'' (حیات تاج الشریعہ ص ۲۱۷)

نمونہ کلام ؎

مصطفائے ذات یکتا آپ ہیں
یک نے جس کو یک بنایا آپ ہیں
آپ جیسا کوئی ہوسکتا نہیں
اپنی ہر خوبی میں تنہا آپ ہیں
آب وگل میں نور کی پہلی کرن
جان آدم جان حوا آپ ہیں

جہاں بانی عطا کردیں بھری جنت ہبہ کردیں

نبی مختار کل ہیں جس کو جو چاہیں عطا کردیں
جہاں میں ان کی چلتی ہے وہ دم میں کیا سے کیا کردیں
زمیں کو آسماں کردیں ثریا کو ثرا کردیں
فضا میں اڑنے والے یوں نہ اترائیں ندا کردیں
وہ جب چاہیں جسے چاہیں اسے فرماں روا کردیں

لب کوثر ہے میلہ تشنہ کامان محبت کا
وہ اہل دست ساقی سے وہ ابلا چشمہ شربت کا
یہ عالم انبیا پر ان کے سرور کی عنایت کا
جسے دیکھو لیے جاتا ہے پروانہ شفاعت کا

اخلاق

قلب باطن کو ہر طرح کی اخلاقی بیماریوں اور روحانی امراض سے صاف شفاف رکھنے کے لیے تزکیہ کی ضرورت ہوتی ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ قلب باطن کو اتنا صاف ستھرا کردیا جائے کہ وہ اخلاق رذیلہ سے خود بخود نفرت وبیزاری کا ثبوت دینے لگے اور اخلاق حمیدہ کا شوقین ہوجائے، کیوں کہ جب انسان کا دل مزکّیٰ اور محلّیٰ ہوتا ہے تو اس کے لیے اللہ رب العزت کی رضا حاصل کرنے کا راستہ آسان تر ہوجاتا ہے۔ یہی خاص وجہ ہے کہ آج ہم تاج الشریعہ کی کتاب زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو سادگی ہی سادگی نظر آتی ہے۔ حضور تاج الشریعہ تقوی وطہارت کے ایسے پیکر تھے، کہ بجا طور پر آپ کے ہم عصر علما وفقہا نے آپ کو سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا مظہر اتم اور جانشین مفتی اعظم کہا ہے۔ حضور تاج الشریعہ اپنے دور میں مخلوق خدا کے لیے ایک عظیم رحمت تھے، اسی سبب سے حضور تاج الشریعہ سے لاکھوں افراد راہ حق پر گامزن ہونے پر قلبی سکون وراحت محسوس کررہے ہیں اور یہی تزکیہ نفس کا نتیجہ تھا کہ حضرت تاج الشریعہ اپنے وقت کے رشد وہدایت کے امام اور مرشد کامل تھے، غرض کہ

زندگی کا ہر عمل اور کردار سنت مصطفیٰ کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔

حضور تاج الشریعہ کے ایک سفر کا ذکر کرتے ہوئے قاری صادق حسین صاحب کہتے ہیں کہ حضور تاج الشریعہ کی خدمت پہ میں مامور تھا اور آپ بلاسپور میں الحاج غلام سرور کے گھر آرام فرما رہے تھے، میں حضرت کے سر مبارک پر تیل مالش کر رہا تھا اور اپنے مقدر پر ناز کر رہا تھا، کہ ایک ذرہ ناچیز کو فلک کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہو رہا تھا، اچانک میری نظر حضور والا کی ہتھیلیوں پر پڑی، میں ایک لمحہ کے لیے تھرا گیا، آخر یہ کیا ہو رہا ہے، میری نگاہیں کیا دیکھ رہی ہیں، مجھے یقین نہیں ہو رہا ہے، آپ تو گہری نیند میں ہیں، پھر آپ کی انگلیاں حرکت میں کیسے ہیں، میں نے مولانا عبدالواحد کو جو اس وقت موجود تھے اور دیگر افراد کو بھی اس جانب متوجہ کیا، تمام کے تمام حیرت واستعجاب میں ڈوب گئے تھے، معاملہ یہ ہے کہ آپ کی انگلیاں اس طرح حرکت کر رہی تھیں، گویا آپ تسبیح پڑھ رہے ہوں اور یہ منظر اس وقت تک دیکھتا رہا، جب تک آپ بیدار نہیں ہو گئے۔ (تجلیات تاج الشریعہ ص ۲۱۳)

مولانا غلام معین الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں: آپ سید طاہر گیلانی صاحب کی محبت میں اور ان کے اصرار پر ۱۹۶۵ء میں پاکستان تشریف لے گئے تھے اور آپ کا قیام ایک عزیز جناب شوکت حسن صاحب کے یہاں تھا، راستے میں ایک جگہ ناشتے کا انتظام تھا، جس میں انگریزی طرز کے ٹیبل لگے تھے، حضرت نے فرمایا، میں پاؤں پھیلا کر تناول نہیں کروں گا پھر پاؤں سمیٹ کر سنت کے مطابق اس کرسی پر بیٹھ گئے۔

۱۴۰۷ھ کی بات ہے کہ زنان خانہ میں عورتیں زیارت اور بیعت کے لیے حاضر ہیں، جب آپ زنان خانہ میں تشریف لے گئے، تو چند عورتوں کے نقاب الٹے اور منہ کھلے ہوئے تھے، آپ نے فوراً اپنی آنکھیں دوسری جانب پھیر لیں اور فرمایا، پردہ کرو بے حجابانہ گھومنا پھرنا سخت منع ہے، نقاب ڈالو۔ **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

(مفتی اعظم اور ان کے خلفاج ۱ ص ۵۰)

مولانا شہاب الدین رضوی کا بیان ہے کہ جنوری ۱۹۹۵ء میں دوپہر دو بجے کی بات ہے کہ وزیر اعظم پی۔ وی نرسمہا راؤ کے خصوصی سکریٹری جانشین مفتی اعظم کی خدمت میں

www.muftiakhtarrazakhan.com

وزیر اعظم کا پیغام لے کر حاضر ہوئے اور وہ راقم السطور (مولانا شہاب الدین رضوی) سے واقفیت رکھتے تھے، میں نے ان کی حضرت سے ملاقات کرائی، انہوں نے وزیر اعظم کا تحریر کردہ خط زبانی طور پر بتایا، کہ وزیر اعظم ہند آپ کی شخصیت سے بہت متاثر ہیں اور ملاقات کر کے دعائیں لینا چاہتے ہیں، آپ دولت کدے پر آنے کی اجازت عنایت فرمادیں۔ حضرت نے فرمایا، کہ میں مذہبی آدمی ہوں، میرے بزرگوں نے جن امور کی ذمہ داری ہے، اسی کو انجام دینے میں مصروف ہوں، میں سیاسی نہیں ہوں اور اس کے علاوہ وزیر اعظم کے ہاتھ بابری مسجد کی شہادت میں ملوث ہیں پوری امت مسلمہ ناراض ہے، کسی بھی صورت میں ملاقات کرنا پسند نہیں ہے، اگر وہ ایک عقیدت مند کی طرح بغیر کسی سیاسی پروگرام کے آستانہ شریف آنا چاہتے ہیں تو آئیں اور حاضری دے کر چلے جائیں۔

مولانا شہاب الدین کہتے ہیں کہ میں عینی شاہد ہوں کہ باوجود ہزار کوشش کے حضرت نے ملاقات نہیں فرمائی، جب کہ وزیر اعظم ہند سات گھنٹے بریلی کے سرکٹ ہاؤس میں آپ کا انتظار کرتے رہے۔ (حیات تاج الشریعہ ص ۹۲، ۹۳)

تاج الشریعہ علیہ الرحمہ خود تو پاک طینت، پاکیزہ اخلاق اور صاحب زہد وتقوی تھے، دوسرے مسلمانوں کو بھی اسلامی طرز کی زندگی گزارنے کے تلقین کرتے رہے، کسی کو خلاف شرع کام کرتے دیکھتے تو فوراً تنبیہ فرماتے۔

۲۰۰۳ء میں جب تاج الشریعہ کی دار العلوم امام احمد رضا پور بندر گجرات میں تشریف آوری ہوئی، تو دار العلوم کے طلبہ سلسلہ میں داخل ہونے کے لیے حاضر ہوئے، ایک طالب علم پر نظر پڑ گئی، جو چین دار گھڑی پہنے ہوئے تھا، آپ نے اصلاح فرماتے ہوئے بلند آواز سے فوراً ارشاد فرمایا، چین والی گھڑی ہاتھ سے نکالو، جب تک چین والی گھڑی ہاتھ سے نہ نکالی گئی، کسی کو بھی مرید نہ فرمایا۔

ایک مرتبہ اودے پور راجستھان کو حضور تاج الشریعہ نے اپنے قدم کی برکت سے مشرف فرمایا، ایئر پورٹ سے باہر معتقدین کا ایک مجمع تھا، لوگوں نے موبائل کیمرہ کے ذریعہ حضور تاج الشریعہ کا عکس لینے کی کوشش کی، آپ نے ارشاد فرمایا، خبردار! کوئی شخص تصویر کشی نہ

کرے،فوٹو کھینچنا اور کھنچوانا اسلام میں حرام ہے،لوگوں نے ایک سچے مصلح کی اصلاح پر اپنے موبائل اور کیمرے فورا بند کر لیے۔

حق گوئی

تاج الشریعہ ایک مضبوط دل ،خوف خدا سے سرشار نفس رکھتے تھے ، بزرگوں اور اسلاف کے نقش قدم پر چلتے تھے۔اللہ رب العزت نے حضرت کو جن گونا گوں صفات سے متصف کیا تھا،ان صفات میں ایک حق گوئی اور بے باکی بھی ہے۔آپ نے کبھی صداقت وحقانیت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، چاہے کتنے ہی مصلحت کے تقاضے کیوں نہ ہوں، چاہے کتنے ہی قید و بند،مصائب وآلام اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہننا پڑیں،کبھی کسی کو خوش کرنے کے لیے اس کی منشا کے مطابق فتوی نہیں تحریر کیا۔ جب کبھی فتوی تحریر کیا تو اپنے اسلاف،اپنے آباواجداد کے قدم بہ قدم تحریر کیا۔جس طرح جدامجدامام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اور حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے بے خوف وخطر فتاوے تحریر فرمائے،اسی طرح اپنے آباواجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت نظر آتے ہیں۔اس حق گوئی کے شواہد آج آپ کے ہزاروں فتاوی اور واقعات ہیں،جو ملک اور بیرون ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

حکومتی عہدہ سے استغناء

اتر پردیش کے سابق وزیر اعلیٰ نارائن دت تیواری وسابق گورنر آندھراپردیش خاندان اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔انہوں نے اپنے عہد میں حضرت کے برادر اکبر مولانا ریحان رضا خاں رحمانی میاں کو ایم۔ایل۔سی نامزد کیا تھا۔ان کی مقررہ میعاد ختم ہوجانے کے بعد حضرت کے لیے کوشاں رہے،مگر تاج الشریعہ نے منع کر دیا۔ ۱۹۸۹ء میں جناب عثمان عارف نقشبندی (سابق گورنر اتر پردیش) آپ کے در دولت پر حاضر ہوئے اور ایم۔ایل۔سی نامزد کرنے کی حکومت اتر پردیش کی منشا ظاہر کی،مگر حضرت

www.muftiakhtarrazakhan.com

نے عہدہ قبول کرنے سے منع کر دیا۔ اتر پردیش کے گورنر عثمان عارف نقشبندی نے آپ سے بہت منت وسماجت کی، مگر آپ راضی نہ ہوئے۔ عثمان عارف صاحب آپ سے قلبی لگاؤ اور عقیدت رکھتے تھے، اولیائے کرام کے آستانوں پر حاضری دینا اور مشائخ سے دعائیں لینا ان کا معمول تھا۔ مگر قربان جایئے حضرت تاج الشریعہ پر کہ دنیا کو غالب ہونے نہ دیا اور حکومتی عہدہ سے ہمیشہ دور رہے۔

مسند ارشاد

حضور تاج الشریعہ کو بچپن ہی میں مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے بیعت کر لیا تھا، آپ خود ہی لکھتے ہیں:

''میں بچپن ہی سے حضرت (مفتی اعظم ہند) سے داخل سلسلہ ہو گیا ہوں اور تقریباً ۲۰ رسال بعد مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے میلاد شریف کی محفل میں خلافت واجازت بھی عطا کر دی۔''

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اپنے آخری ایام میں اپنی جانشینی کے متعلق ایک تحریر خود لکھی، جس میں حضرت تاج الشریعہ کو اپنا جانشین اور قائم مقام نامزد کر دیا۔

۱۴/ ۱۵ رنومبر ۱۹۸۴ء کو مارہرہ مطہرہ میں عرس قاسمی کی تقریب میں احسن العلما حضرت مولانا سید حسن میاں برکاتی سجادہ نشیں خانقاہ برکاتیہ مارہرہ نے حضور تاج الشریعہ کا استقبال ''قائم مقام مفتی اعظم علامہ ازہری زندہ باد'' کے نعرے سے کیا اور مجمع کثیر میں علما ومشائخ اور فضلا ودانشوروں کی موجودگی میں اعلان کیا کہ ''فقیر آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ نوریہ کے سجادہ نشیں کی حیثیت سے قائم مقام مفتی اعظم علامہ اختر رضا خاں صاحب کو سلسلہ قادریہ برکاتیہ نوریہ کی تمام خلافت واجازت سے ماذون ومجاز کرتا ہے، پورا مجمع سن لے، تمام برکاتی بھائی سن لیں اور یہ علمائے کرام (جو عرس میں موجود ہیں) اس بات کے گواہ رہیں۔'' بعدہ حضور احسن العلما علیہ الرحمہ نے حضرت تاج الشریعہ کی دستار بندی کی اور نذر بھی پیش کی۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

سید العلما مولانا الشاہ سید آل مصطفیٰ برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ نے بھی جمیع سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمائی۔

خلیفہ اعلیٰ حضرت حضرت مولانا برہان الحق رضوی جبل پوری علیہ الرحمہ نے بھی تمام سلاسل اور حدیث شریف کی اجازت سے نوازا۔

والد گرامی مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ نے فرزند ارجمند کو قبل فراغت ہی اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا جانشین بنایا اور ایک تحریر بھی عنایت فرمائی۔

اس طرح مندرجہ ذیل مشائخ کرام حضور تاج الشریعہ کے روحانی مربی ہیں:

(۱) مفتی اعظم ہند مفتی مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ بریلی شریف

(۲) مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا خاں علیہ الرحمہ بریلی شریف

(۳) برہان ملت مفتی برہان الحق رضوی علیہ الرحمہ جبل پور

(۴) سید العلما مولانا سید آل مصطفیٰ برکاتی علیہ الرحمہ مارہرہ شریف

(۵) احسن العلما مولانا سید حسن حیدر برکاتی علیہ الرحمہ مارہرہ شریف

سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت وخلافت پانچ طریقوں سے آپ کو حاصل ہے:

(۱) قادریہ برکاتیہ جدیدہ (۲) قادریہ آبائیہ قدیمہ (۳) قادریہ اہدائیہ (۴) قادریہ رزاقیہ (۵) قادریہ منوریہ۔

سلسلہ چشتیہ کی اجازت وخلافت آپ کو دو طریقوں سے حاصل ہے:

(۱) چشتیہ نظامیہ (۲) چشتیہ صابریہ

سلسلہ نقشبندیہ کی اجازت وخلافت آپ کو دو طریقوں سے حاصل ہے:

(۱) نقشبندیہ علائیہ (۲) نقشبندیہ علائیہ صدیقیہ

سلسلہ سہروردیہ کی اجازت وخلافت بھی آپ کو دو طریقوں سے حاصل ہے:

(۱) سہروردیہ قدیمہ (۲) سہروردیہ جدیدہ

ان کے علاوہ سلسلہ مداریہ بدیعیہ وسلسلہ علویہ منامنیہ کی اجازت وخلافت بھی رکھتے

تھے۔

اس طرح کل ۱۳؍سلاسل کی اجازت وخلافت آپ کو حاصل ہوئی۔مگر آپ بیعت سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں مرید کیا کرتے تھے، کہ اس سلسلہ کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے سلسلۃ الذہب (سونے کی زنجیر) فرمایا ہے۔

ہندوستان کی سرزمین پر حضرت شیخ بہاء الدین انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سلسلہ قادریہ کی اشاعت ہوئی، مگر اس کو خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے خلیفہ اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اوران کے جانشینوں کے ذریعہ جوفروغ حاصل ہوا، شاید دنیا میں اس کی نظیر نہ ملے۔

سرکار تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان سے یہ سلسلہ اس طرح پھیلا، کہ کروڑوں کی تعداد میں آپ کے مریدین ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں آپ کے عہد میں کسی بھی شیخ طریقت کے اتنے کثیر مرید نہیں ہوئے۔اللہ تعالیٰ نے تاج الشریعہ کو حسن سیرت کے ساتھ جمال صورت کی دولت سے نوازا تھا اور چہرے میں ایسی نورانیت رکھی تھی، کہ جس کی بھی نظر پڑجاتی، اس کا دل تاج الشریعہ کی طرف کھنچنے لگتا تھا۔قبولیت عامہ کی ایسی نعمت سے مالال تھے، کہ جس علاقے میں چلے جاتے، دیوانے پروانوں کی طرح اس شمع رشد وہدایت کے گردا گرد جمع ہوجاتے اور ایک ایک مجلس میں ہزاروں کی تعداد میں آپ کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں داخل ہوتے۔

تاج الشریعہ کے مریدین ومتوسلین تقریبا تمام براعظموں میں پائے جاتے ہیں، جن ممالک میں آپ کے مریدین کی کثرت ہے، مندرجہ ذیل ہیں:

ہندوستان، پاکستان، نیپال، لندن، تنزانیہ، آسٹریلیا، مدینہ منورہ، مکہ معظّمہ، بنگلہ دیش، موریشش، سری لنکا، برطانیہ، ہالینڈ، جنوبی افریقہ، امریکہ، عراق، ایران، ترکی، ملاوی، جرمنی، متحدہ عرب امارات، کویت، لبنان، مصر، شام، کناڈا، طرابلس، لیبیا وغیرہ۔

مریدین میں بڑے بڑے علما، مشائخ وصلحا، شعرا، ادبا، مفکرین وقائدین، مصنفین، ریسرچ اسکالر، پروفیسر، ڈاکٹر اور محققین ہیں، جو آپ کی غلامی پر فخر کرتے ہیں۔

مشاہیر خلفا

حضور تاج الشریعہ کے خلفا کی بھی ایک لمبی فہرست ہے، جو سیکڑوں کی تعداد میں مختلف ممالک میں دین متین کی نشر واشاعت میں مصروف ہیں۔ چند نامور خلفا کے نام درج کیے جاتے ہیں:

(۱) شہزادہ تاج الشریعہ مفتی عسجد رضا خاں قادری بریلوی (۲) مفتی سید شاہد علی رضوی الجامعۃ الاسلامیہ رام پور (۳) مفتی جیش محمد برکاتی رضوی نیپال (۴) مولانا محمد حنیف طیب سابق وزیر تعمیرات پاکستان (۵) مولانا صغیر احمد رضوی جوکھن پوری (۶) مولانا محمد حسین صدیقی ابوالحقانی (۷) قاری ابوالحماد حامد علی رضوی استاذ دارالعلوم منظر اسلام بریلی (۸) حافظ شاہ لئیق احمد خاں جمالی سجادہ نشیں آستانہ عالیہ جمالیہ رام پور (۹) مولانا سید عبدالعزیز رضوی قادری کولمبوسری لنکا (۱۰) مفتی عزیز احسن رضوی نورانی لاہور (۱۱) مولانا سید شاہد علی رضوی لاہور (۱۲) مولانا علی احمد سیوانی (۱۳) مولانا مظہر حسن قادری بدایوں شریف (۱۴) مولانا عبدالمصطفیٰ رونق رضوی گونڈوی (۱۵) مولانا عبدالحمید مکی رضوی کراچی پاکستان (۱۶) مولانا تطہیر احمد رضوی بریلوی (۱۷) قاری علاء الدین رضوی اجملی (۱۸) مولانا سید آل رسول رضوی مہتمم مدرسہ قادریہ پاس کوڑا مدنا پور بنگال (۱۹) مولانا سید عبدالقادر جیلانی (۲۰) مفتی محمود اختر قادری ممبئی (۲۱) مفتی شمشاد احمد رضوی جامعہ امجدیہ گھوسی (۲۲) مفتی اختر حسین علیمی علیمیہ جمدا شاہی (۲۳) مولانا جمال احمد رضوی (۲۴) حافظ محمد اسلم رضوی پاکستان (۲۵) مولانا محمد رفیق رضوی چندر پور (۲۶) مولانا ڈاکٹر عبدالجبار رضوی پلاموں (۲۷) مداح رسول زبیر مکی (۲۸) مولانا اشفاق حسین قادری دہلی (۲۹) محترم حافظ وقاری ڈاکٹر شفیق اجمل صاحب (۳۰) محترم حافظ وقاری سیف الملک صاحب۔

زیارت حرمین شریفین

تاج الشریعہ نے چھ حج کیے، پہلا حج ۱۴۰۳ھ/۴؍ستمبر ۱۹۸۳ء، دوسرا حج ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۶ء، تیسرا حج ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۷ء، چوتھا حج ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء، پانچواں حج

www.muftiakhtarrazakhan.com

۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء، چھٹا حج ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء میں کیا۔ اس کے علاوہ ان گنت بار آپ نے عمرہ کیا اور مدینہ منورہ کی حاضری دی۔ کبھی کبھی سال میں دو چار بار مدینہ منورہ حاضر ہو جاتے۔ حضور تاج الشریعہ اپنی اہلیہ کے ساتھ دوسرے حج و زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے، عرفات سے واپس لوٹنے کے بعد سعودی حکومت نے رات کے وقت مکہ معظّمہ میں آپ کو قیام گاہ سے گرفتار کر لیا۔ بلا وجہ گیارہ دن جیل میں رکھ کر بغیر مدینہ شریف کی زیارت کرائے ہندوستان بھیج دیا۔

ممبئی ۱۳؍ستمبر ۱۹۸۶ء/ ۱۴۰۷ھ میں ابراہیم مرچنٹ روڈ مینارہ مسجد کے قریب رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام حضور تاج الشریعہ کے مکہ مکرمہ میں بے جا گرفتاری پر سعودی حکومت کے خلاف ایک شاندار اجلاس منعقد ہوا، اس کی صدارت محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری نے فرمائی۔ ممبئی کے علما و ائمہ کے علاوہ باہر سے آئے ہوئے اکابر علما نے شرکت فرمائی۔ مجمع تقریباً پچاس ہزار افراد پر مشتمل تھا، مجمع جوش احتجاج میں سعودی حکومت کے خلاف نعرے بلند کرتا رہا، اخیر میں حضور تاج الشریعہ نے سعودی حکومت میں اپنی گرفتاری اور زیارت مدینہ منورہ کے بغیر واپس کیے جانے سے متعلق اپنا مختصر بیان دیا۔

تاج الشریعہ کے معمولات

حضرت اوقات کے بہت پابند تھے، جب بریلی میں ہوتے، تو مندرجہ ذیل مصروفیات کے ساتھ ایام گزارتے:

ہفتہ : بعد نماز فجر تلاوت، وظائف، ناشتہ سے فراغت کے بعد کتابیں سنتے یا فتاوی تحریر کرواتے یا فتاوی سن کر تصدیق فرماتے۔ دوپہر ۱ بجے تک ڈرائنگ روم میں تشریف رکھتے، تخصص فی الفقہ کے طلبہ کو ۱۱/ ۱۲ بجے کے بعد درس دیتے۔ کھانا تناول فرما کر قیلولہ کرتے، بعد نماز ظہر پھر کتابیں سنتے یا کتابیں لکھواتے، بعد نماز عصر دلائل الخیرات شریف پڑھتے، بعد نماز مغرب وظائف سے فارغ ہو کر پھر کتابیں سننا یا کتابیں لکھوانا پھر بعد نماز عشا کھانا تناول فرماتے، بعدہ تھوڑی دیر ٹہلتے پھر کتابیں سنتے یا لکھواتے۔ ۱۱/ ۱۲ بجے تک یہ سلسلہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

جاری رہتا، اسی دوران ملاقاتی ملاقات بھی کرتے، مرید ہونے والے داخل سلسلہ ہوتے۔

اتوار : اس دن بعد نماز عشا انٹرنیٹ پر آن لائن سوالات کے جوابات دیتے، انگلش سوال کا انگلش میں، عربی کا عربی میں، اردو کا اردو میں جواب ہوتا۔ بقیہ معمولات حسب یوم ہفتہ۔

پیر : یہ دن حسب یوم ہفتہ گزرتا۔

منگل : یہ دن بھی حسب یوم ہفتہ گزرتا۔

بدھ : یہ دن بھی حسب یوم ہفتہ گزرتا۔

جمعرات : دوپہر میں دورہ حدیث کے طلبہ کو بخاری شریف کا درس دیتے، بعد نماز مغرب از ہری گیسٹ ہاؤس کے ہال میں عوام اہل سنت کے سوالات کے جوابات دیتے، قرب وجوار کے علاوہ دور دراز سے لوگ حضرت کی ''محفل سوال وجواب'' میں حاضر ہوتے۔ بقیہ معمولات حسب یوم ہفتہ۔

جمعہ : اس دن دیر سے ڈرائنگ روم میں تشریف لاتے، تقریباً ۱۰/ ۱۱ بجے آتے، ملاقاتیوں سے ملاقات کے بعد تحریری کام کرواتے، ۱/ بجے گھر کے اندر تشریف لے جاتے، پھر جمعہ کے وقت تیار ہوکر باہر آتے، خطبہ دیتے اور نماز پڑھاتے، بعد نماز مغرب شہر کی کسی مسجد میں جب سوال وجواب کا پروگرام رکھا جاتا، وہاں تشریف لے جاتے، پھر تشریف لانے کے بعد بقیہ معمولات حسب سابق۔

اس کے علاوہ کسی وقت نماز جنازہ کے لیے یا تعزیت وعیادت کے لیے یا قرب وجوار کے پروگرام میں بھی تشریف لے جاتے۔ سفر وحضر میں حتی المقدور حضور تاج الشریعہ معمولات میں فرق نہیں آنے دیتے۔ وہ وقت جو اسٹیج یا ملاقات میں صرف ہوتا وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

بیرونی ممالک کے تبلیغی دورے

تاج الشریعہ کے دینی ومذہبی، مشربی وملی خدمات کے ذکر کے لیے دفتر درکار ہے، ایسے ہی آپ کے تبلیغی دوروں کو شمار کرنا اور ان کارناموں پر روشنی ڈالنا طویل کام ہے۔ حضرت کی بابت ماہنامہ سنی دنیا جنوری ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا کہ

www.muftiakhtarrazakhan.com

''ہندو بیرون ہند میں کروڑوں کی تعداد میں مریدین ومتوسلین، سیکڑوں کی تعداد میں خلفا، ہزاروں کی تعداد میں تلامذہ ہیں، جو براعظموں کے مختلف ممالک میں مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت میں مصروف عمل ہیں۔ آپ براعظم ایشیا، یورپ، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا وغیرہا کے متعدد ممالک میں تبلیغی دورے فرماتے۔''

پاکستان کراچی میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں متحدہ عرب امارات کے علاوہ متعدد ممالک کے علما آئے تھے، اسی میں حضرت مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوئے اور کانفرنس کو عربی میں خطاب کیا۔

لندن میں حجاز کانفرنس ہوئی، جس میں آپ کی صدارت تھی۔

دورہ مصروشام ۲۰۰۹ء

عمرے اور زیارت مدینہ کے بعد حضور تاج الشریعہ مصر اور شام کے علمی، تبلیغی وروحانی دورے کے لیے پہلے شام تشریف لے گئے۔ بدھ ۲۹/اپریل ۲۰۰۹ء حضور تاج الشریعہ 10:45 بجے دمشق ایئر پورٹ شام پہنچے۔ شیخ عمر عراقی (سابق مدرس جامعۃ الرضا بریلی شریف) مولانا عامر اخلاق صدیقی، سید عامر علی شاہ، اجلال طیب اختر القادری آپ کے استقبال کے لیے ایئر پورٹ پر موجود تھے۔ مفتی دمشق الشیخ عبدالفتاح البزم (جو ۲۰۰۸ء میں تاج الشریعہ کی دعوت پر عرس رضوی بریلی شریف میں شرکت کر چکے ہیں) کے صاحب زادے الشیخ وائل البزم کے ہمراہ اعلم علمائے شام الشیخ عبدالرزاق حلبی (جن کی عمر ۱۰۰/سال تھی اور شام میں ثانی امام اعظم کہے جاتے تھے) کے یہاں عشائیہ کی دعوت میں شرکت کی، جہاں مذکورہ شیوخ اور دیگر حضرات نے پرتپاک استقبال کیا۔

۳۰/اپریل کو قاضی القضاۃ حمص الشیخ سعید الکحیل کے یہاں حمص تشریف لے گئے، اور اپنی چند کتابیں انہیں پیش کیں، شیخ سعید نے دعاؤں کی درخواست کی اور اپنی کچھ کتب نذر کیں، تاج الشریعہ نے شیخ سعید الکحیل کو اجازت حدیث عطا فرمائی اور بریلی شریف آنے کی دعوت دی۔ پھر شیخ سعید کے ساتھ جامع مسجد حمص، جامع سیدنا خالد بن ولید میں حضرت خالد

www.muftiakhtarrazakhan.com

بن ولید کے مزار شریف پر حاضری دی۔اس مسجد میں شیخ سعید امام وخطیب ہیں،تاج الشریعہ نے ان کی درخواست پر ظہر کی امامت فرمائی۔بعدہ حمص کے مشہور قبرستان ''مقبرۃ القذیف'' کی زیارت کی جس کے بارے میں مشہور ہے،کہ یہاں ۸۰۰/صحابہ کرام مدفون ہیں۔

یہاں سے واپس دمشق آئے، جہاں بعد مغرب رہائش گاہ پر ملاقاتوں کا سلسلہ رہا، بعد عشا جامعۃ التوبہ دمشق کی منعقدہ ''مجلس الوفا'' میں شرکت کی اور شیخ ہشام برہانی کے جامعہ سے فارغ ہونے والے قرأۃ حفص وسبعہ وعشرہ کے طلبہ کو اپنا عربی قصیدہ سنایا۔

یکم مئی ۲۰۰۹ء بروز جمعہ باب الصغیر قبرستان دمشق گئے، جہاں کئی صحابہ کرام اور اہل بیت خصوصا حضرت بلال حبشی، ام المومنین حفصہ، ام المومنین سیدام سلمہ اور عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہم وغیرہ کے مزارات ہیں۔اس کے بعد آپ دنیا کی قدیم ترین مسجد ''جامع اموی'' گئے، جہاں حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کا مزار ہے۔یہاں سے شیخ محی الدین ابن عربی کے مزار شریف واقع قاسیون پر حاضری دی۔

بعد نماز مغرب تاج الشریعہ کی طرف سے علمائے شام کی دعوت ہوئی، محفل کا آغاز تلاوت کلام پاک ونعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔بڑی تعداد میں علمائے شام شریک ہوئے، چند اکابر کے نام درج ذیل ہیں:

الشیخ عبدالہادی الخرسہ، الشیخ عبدالفتاح البزم، الشیخ عبدالجلیل العطا، الشیخ نضال آلی دلشی، الشیخ عبدالقادر طاہر، الشیخ عبدالتواب الروطان، الشیخ علاء الدین حائک، الشیخ محمد خیر طرشان، الشیخ اسماعیل زینی، دکتور عبدالرزاق ایمن شوا۔

اس محفل مبارک میں مفتی دمشق شیخ عبدالفتاح البزم نے اپنی تقریر کے دوران فرمایا: '' آپ کے آنے سے ہمارا شام روشن ومنور ہوگیا'' پھر انہوں نے بریلی میں اپنی حاضری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ''جب میں نے آپ سے محبت کرنے والوں کو دیکھا تو مجھے صحابہ کی محبت کی یاد تازہ ہوگئی، کیوں کہ ایمان یہ کہتا ہے کہ اپنے اساتذہ اور مشائخ کی اسی طرح قدر کرنی چاہیے۔'' محفل کا اختتام تاج الشریعہ کے عربی سلام اور دعا پر ہوا۔

۲/مئی کو ''دیرالزور'' (عراقی سرحد کے قریب واقع شام کا شہر) سے علما کا وفد ملاقات

www.muftiakhtarrazakhan.com

کے لیے آیا، بعدہ دمشق کے ''معہد الدولی لتعلیم اللغۃ العربیہ والشریعہ'' کے مدیر تشریف لائے ۔اسی دن شام ساڑھے چار بجے شیخ وائل البزم کے ساتھ الشیخ رمضان سعید بوطی (آپ شام کے علمی حلقوں میں امام کی حیثیت رکھتے ہیں) سے ملنے گئے ، پھر رہائش گاہ واپس ہوکر ملاقاتیوں سے ملاقات کی اور طالبین کو داخل سلسلہ فرمایا۔ بعد عشا شیخ علاء الدین حائک کے یہاں عشائیہ پر تشریف لے گئے، مفتی دمشق بھی موجود تھے، یہیں سے الشیخ ابوالہدی الیعقوبی سے ملنے ان کے گھر گئے (شیخ یعقوبی شام کے جید عالم ہیں، اجازت حدیث کے لیے محفل منعقد کرتے ہیں، صحاح ستہ کی اجازت بالسماع عنایت کرتے ہیں) آپس میں کتابوں کا بھی تبادلہ ہوا، شیخ یعقوبی نے ایک طغرہ جس پر عربی قصیدہ نقش تھا، حضور تاج الشریعہ کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ یعقوبی نے اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے دعائیں کروائیں اور پانی دم کروایا۔

۳؍مئی ۲۰۰۹ء اتوار کو شیخ ابوالخیر الشنار سے ملاقات ہوئی، اور باہم کتابوں کا تبادلہ ہوا۔ پھر طلبہ کو نصیحت فرمائی اور داخل سلسلہ کیا۔

۳؍بجے کے قریب تاج الشریعہ مصر کے لیے روانہ ہوئے، آج تقریبا ۴۳؍سال بعد مصر میں آپ کی تشریف آوری ہوئی، آپ نے جامع ازہر مصر سے ۱۹۶۶ء میں سند فراغت پائی تھی۔

پیر ۴؍مئی ۲۰۰۹ء میں جامع ازہر مصر پہنچے، یوں تو جامع ازہر کے لاتعداد فرزند ایسے ہیں، جن پر افراد اور خاندانوں، علاقوں اور خطوں ہی کو نہیں بلکہ خود جامع ازہر بلکہ تمام عالم اسلام کو ناز ہے، لیکن آج جس شخصیت نے جامعہ میں ورود فرمایا، اہل جامع ازہر ہی نہیں، جامع ازہر کے در و دیوار بھی ان کے منتظر تھے۔ ایک بہار جانفزا جامع ازہر کی فضاؤں میں اتر آئی تھی۔ ۱۱ تا ۱۲؍بجے مصر کے امام اکبر شیخ الازہر علامہ سید محمد طنطاوی سے ملاقات ہوئی۔ مختلف موضوعات پر دونوں بزرگوں کے درمیان گفتگو ہوئی۔ شیخ الازہر نے ۲؍مسائل جن میں پہلے آپ کا موقف تاج الشریعہ سے مختلف تھا، اس ملاقات میں تاج الشریعہ کے موقف کی تائید فرمائی۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

ا: حدیث اصحابی کالنجوم کو شیخ الازہر موضوع خیال کرتے تھے لیکن اب وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تلقی بالقبول سے مقبول ہوگئی ہے اور موضوع نہیں ہے۔

۲: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا آزر آپ کا چچا ہے، اسے بھی شیخ الازہر نے قبول کیا۔

شیخ الازہر آپ کے علمی مقام اور ورع وتقوی سے بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے علمائے ہند اور علمائے مصر کے روابط پر زور دیا اور ہندوستان تشریف لانے کا وعدہ کیا، نیز جامع ازہر اور حضور تاج الشریعہ کے ادارے جامعۃ الرضا کے درمیان ہر قسم کے علمی تعاون کی یقین دہانی کرائی۔

شام ۴ر بجے جامع ازہر مصر کے مرکز صالح عبداللہ کامل میں حضور تاج الشریعہ کے اعزاز میں عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں طہ ابوکریشہ (نائب رئیس جامع ازہر) الشیخ طہ حمیثی الدسوقی، دکتور فتحی حجازی، دکتور احمد ربیع احمد یوسف، دکتور حازم احمد محفوظ، شیخ جمال فاروق الدقاق، شیخ محمود حبیب کے علاوہ جامع ازہر، جامعہ عین الشمس، جامعہ قاہرہ، جامعہ دول العربیہ کے اساتذہ اور دنیا بھر سے تعلق رکھنے والے طلبہ نے شرکت کی۔ تاج الشریعہ نے ۳۵ر منٹ تک عربی میں تقریر کی اور فصاحت وبلاغت اور علم وفن کے وہ جوہر دکھائے کہ حاضرین عش عش کر اٹھے۔ بعدازاں سوال وجواب کی نشست ہوئی، کانفرنس کے بعد علما وطلبہ سے تاج الشریعہ نے ملاقات کی۔ یہ کانفرنس اس اعتبار سے منفرد تھی کہ برصغیر کے کسی عالم دین کے اعزاز میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی کانفرنس تھی۔

منگل ۵ر مئی ۲۰۰۹ء ا بجے دوپہر حضور تاج الشریعہ کی خصوصی ملاقات جامع ازہر کے صدر الشیخ احمد طیب اور مشہور عرب قلم کار الشیخ عبداللہ کامل سے ادارۃ الجامعہ میں ہوئی۔ اس موقع پر تاج الشریعہ کا شاندار استقبال کیا گیا۔ ملاقات میں علمی موضوعات زیر بحث آئے، یہاں بھی علمائے مصر وہند کے درمیان مضبوط روابط پر زور دیا گیا۔ الشیخ احمد طیب نے اس بات پر بھی اظہار مسرت فرمایا کہ جامع ازہر میں تاج الشریعہ کے مریدین، معتقدین تلامذہ تقریبا ۹۰ر کے قریب ہیں۔ آخر میں شیخ احمد طیب نے تاج الشریعہ کی علمی اور دینی خدمات

www.muftiakhtarrazakhan.com

کے اعتراف میں جامع ازہر کا خصوصی ایوارڈ ''الذراع الفخری'' (Pride of perfomance) دیا۔ یہ ایوارڈ کبار علمی شخصیات کو دیا جاتا ہے۔

بعد نماعصر تاج الشریعہ کی قیام گاہ پر درس حدیث کا اہتمام تھا۔ عراق، لیبیا، سوڈان، الجزائر، یمن، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور سری لنکا وغیرہ کے طلبہ نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ حضور تاج الشریعہ نے تقریباً ایک گھنٹہ مسلم شریف کا درس ارشاد فرمایا۔

رات میں حضور تاج الشریعہ دکتور محمد خالد ثابت (آپ کا قاہرہ میں بہت بڑا مکتبہ ہے) کے یہاں دعوت پر تشریف لے گئے۔ یہاں کثیر علمائے کرام خصوصاً شیخ یسری رشدی (مدرس بخاری شریف، جامع ازہر) اور شیخ احمد شحاتہ بھی موجود تھے۔ محفل میں تاج الشریعہ نے اپنا عربی قصیدہ بھی سنایا۔ آخر میں شیخ یسری نے کئی سوالات کیے، جن کے حضور نے مدلل ومبرہن جوابات عربی میں عنایت فرمائے۔ تاج الشریعہ کے علمی مقام اور تقوے سے متاثر ہوکر شیخ یسری اور دیگر علما نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ اس موقع پر تاج الشریعہ نے علما کو اجازت حدیث اور اجازت سلاسل بھی عطا فرمائیں۔

بدھ ۶ رمئی ۲۰۰۹ء حضور تاج الشریعہ نے قاہرہ میں مزارات اولیا کی زیارت فرمائی۔ مسجد سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں آپ نے نماز ظہر اور مسجد سیدتنا زینب رضی اللہ عنہا میں نماز عصر کی امامت فرمائی۔ بعض دیگر جید علما نے بھی بذریعہ فون اجازات حاصل کیں۔ اسی دن مصر سے بریلی شریف کے لیے واپس روانہ ہوئے۔

تصنیف وتالیف

تاج الشریعہ اپنے جد امجد مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے مظہر اتم اور پرتو کامل تھے۔ تاج الشریعہ میدان تحریر میں بھی اعلیٰ حضرت کا عکس جمیل نظر آتے ہیں۔ آپ کی تصانیف وتحقیقات مختلف علوم وفنون پر مشتمل ہیں۔ تحقیقی انداز، مضبوط طرز استدلال، کثرت حوالہ جات، سلاست وروانی آپ کی تحریر کو شاہکار بنادیتی ہے۔ آپ اپنی تصانیف کی روشنی میں یگانہ عصر اور فرید الدہر نظر آتے۔ افتا وقضا، کثیر تبلیغی اسفار اور دیگر بے

www.muftiakhtarrazakhan.com

تحاشا مصروفیات کے باوجود آپ تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔آپ کی تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے:

شرح حدیث نیت،ہجرت رسول،آثار قیامت، سنو!چپ رھو! ،ٹائی کا مسئلہ، تین طلاقوں کا شرعی حکم، تصویروں کا حکم، دفاع کنزالایمان ۲ جز،الحق المبین، ٹی .وی اور ویڈیو کا آپریشن مع شرعی حکم، القول الفائق بحکم اقتداء الفاسق، حضرت ابراھیم کے والد تارخ یا آزر، کیا دین کی مھم پوری ھوچکی؟ جشن عیدمیلادالنبی، متعدد فقھی مقالات، سعودی مظالم کی کھانی اختررضا کی زبانی، المواھب الرضویه فی الفتای الازھریه،منحة الباری فی شرح البخاری، تراجم قرآن میں کنزالایمان کی فوقیت، نوح حامیم کے لڑکے سوالات کے جوابات (کفر ،ایمان، تکفیر)، الصحابة نجوم الاھتداء، شرح حدیث الاخلاص، سد المشارع علی من یقول ان الدین یستغنی عن الشارع،نبذة حیاة الامام احمد رضا، مرآة النجدیة بجواب البریلویة، حاشیة الازھری علیٰ صحیح البخاری، ترجمه المعتقدالمنتقد،ترجمه المعتمدالمستند حاشیة المعتقد المنتقد، سفینه بخشش، انوارالمنان فی توحید القرآن، الزلال الانقی مع بحر سبقة الاتقی ترجمه، اھلاک الوھابین علی توھین القبور المسلمین (تعریب)، شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام(تعریب)، الھاد الکاف فی حکم الضعاف(تعریب)، برکات الامداد لاھل الاستمداد(تعریب)، عطایا القدیر فی حکم التصویر (تعریب)،تیسیرالماعون للسکن فی الطاعون (تعریب) قوارع القھار فی رد المجسمة الفجار (تعریب)سبحان السبوح (تعریب)القمع المبین لامال المکذبین، انھی الاکید (تعریب)،حاجز البحرین(تعریب)،فقه شھنشاه وآن القلوب بید المحبوب بعطاء الله (تعریب)، ملفوظات تاج الشریعه، تقدیم تجلیة السلم فی مسائل

نصف العلم، ترجمة قصیدتان رائعتان، few english fatawa، ازھر الفتاوی، ٹائی کا مسئلہ، a just answer to the blased author، فضیلت نسب ترجمہ اراء الادب لفاضل النسب، ایک غلط فھمی کا ازالہ ، حاشیۃ انوارالمنان، الفردہ فی شرح قصیدۃ البردۃ، رویت ھلال، چلتی ٹرین پر نماز کا حکم، افضلیت صدیق اکبر وفاروق اعظم، تعریب فتاوی رضویہ جلد اول، نغمات اختر.

وصال

حضور تاج الشریعہ کئی مہینے سخت علیل رہے، علاج میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہوئی، مگر

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

انسان کی زندگی کے ماہ وسال اور ایام متعین ہیں، جس لمحے موت مقرر ہے، وہ آنی ہے، مگر بعض اموات ایسی ہیں، جن پر اہل خانہ کے علاوہ کوئی ماتم نہیں کرتا، بعض ہی ایسے اشخاص ہوتے ہیں، جن کا غم اہل شہر اور اہل دیار کو ہوتا ہے۔ تاج الشریعہ کی وفات حسرت آیات اس قول کی صحیح مصداق تھی ''موت العالم موت العالم'' قدرت نے آپ کو زندگی میں جو عالمی شہرت اور مقبولیت عطا فرمائی تھی، وہ چند صدیوں پیشتر سے آج تک کسی اور بزرگ کے حصے میں نہ آئی۔ دنیا پروانوں کی طرح اس شمع علم وتقوی کے گرد جمع ہوتی ، دوردراز علاقوں سے چہرہ اقدس کی زیارت کے لیے لاکھوں انسان حاضر ہوا کرتے۔ بالآخر ۶/ذیقعدہ ۱۴۳۹ھ/۲۰/جولائی ۲۰۱۸ء بروز جمعہ بوقت مغرب اس شہرہ آفاق عالم ربانی نے دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جس پیمانے پر کسی کی مقبولیت ہوتی ہے، اسی کے مطابق اس کے جانے کا غم بھی ہوتا ہے۔ وصال کی خبر آناً فاناً موبائل اور الکٹرانک میڈیا کے ذریعہ صرف ہندوستان ہی نہیں، بلکہ دنیا کے تمام ملکوں اور شہروں میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔ کروڑوں انسانوں کی آنکھیں اشکبار اور دل بے قرار ہوگئے۔ ہندوستان اور دیگر ممالک سے پروانوں کی طرح عقیدت مند فوج

درفوج بریلی شریف کی سرزمین پر اپنے محبوب دینی وملی قائدورہنما کے جنازے میں شرکت کے لیےٹوٹ پڑے۔ بریلی شریف کی تمام سڑکیں،گلی کوچے کھچا کھچ بھر گئے۔

بروز اتوار ۸؍ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ/۲۲؍جولائی ۲۰۱۸ء ۱۰؍بجے دن جنازہ اٹھایا گیا، اسلامیہ انٹر کالج کے وسیع صحن میں نماز جنازہ کا اہتمام کیا گیا،لیکن اس وسیع میدان کے علاوہ دور دراز تک سڑکیں اور گلیاں نماز جنازہ پڑھنے والوں کے ازدحام سے بھر گئیں۔نماز جنازہ میں علما، مشائخ، عوام وخواص سب شریک ہوئے ، جنازے میں شریک ہونے والے سوگواروں کی تعداد شمار سے باہر ہے۔اس سلسلے میں بہت سارے تخمینے لگائے گئے ،بعض لوگوں نے کہا، ایک کروڑ افراد نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ اس تعداد کو اگر مبالغہ سمجھ لیا جائے تو پھر بھی ہندوستان کی سرزمین پر کسی شخص کے جنازے میں اتنے کثیر افراد کبھی بھی شریک نہ ہوئے۔ یہ حضور تاج الشریعہ کے قبول عام کی واضح دلیل ہے۔نماز جنازہ جانشین تاج الشریعہ مفتی عسجد رضا قادری مدظلہ نے پڑھائی اور اس پیکر علم ودانش کو روضۂ اعلیٰ حضرت سے متصل ازہری گیسٹ ہاؤس میں سپرد خاک کیا گیا۔

www.muftiakhtarrazakhan.com

دین اسلام میں تعلیم و تعلم کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، علم کے بغیر خدائے تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی، انبیاء ورسُل علیہم السلام بالخصوص خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی الہامی تعلیمات سے باخبر ہونے کے بعد ہی ایک مرد مومن اسلام کے اصولی عقائد وافکار اور فرائض و واجبات سے کماحقہ آشنا ہوسکتا ہے، اس اہم دینی ضرورت کے لیے عہد رسالت سے لے کر آج تک دنیا کے گوشے گوشے میں جامعات اور مدارس اسلامیہ کا قیام ہوتا چلا آرہا ہے، قرون اولیٰ ہی سے مردوں کے ساتھ خواتین اسلام علوم وفنون کے جواہرات سے مزین ہوتی چلی آرہی ہیں، مگر دور حاضر میں جس بڑے پیمانے پر تعلیم نسواں کا کام ہونا چاہیے، اس کی طرف اہل سنت و جماعت نے دیر میں توجہ کی، جس کا یہ اثر ہوا کہ طلب علم کی خواہش رکھنے والی خواتین نے غیروں کے اداروں کا رخ کیا اور وہاں سے پڑھ کر رسمی علوم تو حاصل کر لیے لیکن اس ماحول میں عشق رسول کی دولت اور ایمان واسلام کی حقیقی روح کھو کر سنی معاشرے کے لیے ناسور بن گئیں چنانچہ سرزمین بنارس کے فرض شناس، حساس عمائدین اہل سنت نے اس جانب خصوصی توجہ کی اور ''زینت کلیۃ البنات'' قائم کیا جس کا افتتاح محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی نے کیا، یوم تاسیس سے لے کر آج تک ادارہ اپنی منزل کی طرف پیش رفت کر رہا ہے۔

اس ادارے کے آغاز وارتقا میں الحاج عبدالعظیم صاحب، الحاج عبدالرب صاحب، الحاج عبدالرحیم صاحب، حافظ وقاری ڈاکٹر شفیق اجمل صاحب، حافظ وقاری سیف الملک صاحب نے کلیدی کردار ادا کیا، بالخصوص حافظ وقاری ڈاکٹر شفیق اجمل صاحب کی نظامت میں ادارہ بنات اسلام کی تعلیم وتربیت کا عظیم گہوارہ بن چکا ہے اور یہاں کی فارغات گھر آنگن کے علاوہ گردوپیش میں علم اور دین وسنیت کی ترویج کر رہی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اس ادارے کو عقد ثریا سے ہم کنار کردے، آمین

محمد عاصم اعظمی

BAIT-UL-HIKMAT
Karimuddin Pur, Ghosi Mau (U.P.)